قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین
نوری انسان
مؤلفہ
زین الاتقیاء رئیس المحققین استاذ العلماء
حضرت علامہ السید گلاب علی شاہ النقوی البخاری

زین الاتقیاء رئیس المحققین اُستاذ العلماء
حضرت علامہ السید گلاب علی شاہ النقوی البخاری
بانی الجامعۃ العربیۃ مخزن العلوم الجعفریۃ شیعہ میانی ملتان پاکستان

قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰہِ نُوْرٌ وَّ کِتَابٌ مُّبِیْنٌ

نوری اِنسان ﷺ

مؤلفہ

زین الاتقیاء رئیس المحققین اُستاذ العلماء

حضرت علامہ السیّد گلاب علی شاہ النقوی البخاری (نور اللہ مرقدہ)

ناشر

مکتبہ کاظمیہ

جامعہ مخزن العلوم الجعفریہ شیعہ میانی ملتان پاکستان

ضابطہ

نام کتاب: نوری انسان

مصنف: حضرت علامہ سید گلاب علی شاہ نقوی رحمہ اللہ

باہتمام: مولانا غلام شبیر حیدری

کمپوزنگ: مولانا شاہد نذیر حسینی

تزئین: ابومیسون اللہ بخش

طبع ثانی: نومبر 2006ء

طابع: عاتکہ پرنٹرز پل شوالہ ملتان

ہدیہ مجلد: -/200روپے

رابطہ

۱۔ مکتبہ الرضا میاں مارکیٹ اُردو بازار لاہور

۲۔ الکریم پبلی کیشنز سمیع سنٹر اُردو بازار لاہور

۳۔ نشر معارف اسلامی داتا مارکیٹ لاہور

۴۔ مکتبہ شہید عارف الحسینی دربار حضرت راجن شاہؒ لیہ

۵۔ مکتبہ صوبیدار جعفری۔ شیعہ میانی ملتان

۶۔ الزہراء پبلشرز سولجر بازار کراچی

انتساب

اس کاوش حقیر کو میں خاتم النبیین ، امام المرسلین ، سید الانبیاء
پیغمبر اسلام ، نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
کے نام نامی اسم گرامی سے معنون کرتا ہوں کہ جن کے نور کی
برکت اور بعثت سے انسانیت ظلمت و گمراہی کے گھٹاٹوپ
اندھیروں سے نکل کر نور ایمان سے منور ہوئی ۔

پیش کار

السید گلاب علی شاہ النقوی البخاری عفی عنہ

عرض ناشر

☆ دورِ جدید کی چکا چوند روشنی اور بڑھتی ہوئی ترقی میں پبلشنگ کی دنیا نے بھی خاطر خواہ ترقی کی اور جو کام سال ہا سال کی محنتِ شاقہ کے بعد مکمل ہوتا تھا وہ اب دنوں میں منصۂ شہود پر آجاتا ہے۔

☆ ہمارے ہاں بے راہ روی اور مادر پدر آزاد ترقی نے تیزی اختیار کر لی اور ہمارے معاشرے نے جہالت کے پیش نظر اپنے شاندار ماضی کو بھلا کر مستعار تہذیب اختیار کر کے اندھیرے میں چھلانگ لگا لی۔

☆ جہاد کی جگہ جمود، غیرتِ ایمانی کی جگہ مصلحت نے لے لی، مساجد بے رونق، مدارس بے فیض اور خانقاہیں بے نور ہو گئیں ہیں۔ اس لئے مائیں بچے تو پیدا کر رہی ہیں مگر وہ زمانہ ساز مردِ دانا، مجاہد، مفکر امام خمینیؒ، آیت اللہ محسن الحکیمؒ، شہید عارف حسینیؒ پیدا ہونے بند ہو گئے ہیں۔

ہمارے بک سٹال، کتب خانے ذہن کو منتشر کر دینے والے جرائد سے اٹے پڑے ہیں۔ قومی شیرازہ کو بکھیرنے والے ادبیات اور مذہب، قرآن وسنت سے دور کر دینے والی مطبوعات روز بروز لاتعداد شائع ہو رہی ہیں۔ ہم نے سوچا ایسے میں ایک دیا روشن رکھنا چاہئے اور ''کئے جاؤ مئے خوارو کام اپنا اپنا'' کے مصداق اس مشن کو بھی جاری وساری رہنا چاہئے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد گزارش ہے کہ ہمارے مخلص احباب کی ٹیم نے علمی مجلہ

''**المخزن**'' کی کامیابی کے بعد اشاعتِ کتب کی ذمہ داری کا بیڑہ بھی اُٹھالیا۔ سب سے پہلے حضرت علامہ سید گلاب علی شاہ نقوی نوراللہ مرقدہٗ کی طویل عرق ریزی کے نتیجے میں آنے والی شہرہ آفاق کتاب ''نوری انسان'' جو انبیاء و مرسلین و ائمہ طاہرین کے انسان کامل ہونے کے موضوع پر قرآن فہمی سے متعلق اہم ترین تخلیق ہے۔

اُمید ہے کہ قارئین اس سے استفادہ کر کے اطمینان قلب اور توحید باری تعالیٰ سے مستفیض و مستنیر ہوں گے۔

آخر میں ہم مولانا محمد رمضان نعیمی صاحب کلورکوٹی اور محترمہ زوجہ منظور حسین سکنہ کلورکوٹ ضلع بھکر کے شکر گزار ہیں کہ جن کے مالی تعاون اور پُر خلوص عقیدت سے کتاب ھٰذا کی اشاعت ممکن ہوسکی۔ خداوندِ ذُوالجلال سے دعا گو ہیں کہ محترمہ کی اس سعی کو قبول فرمائے اور اُن کے رزق حلال میں برکت اور وسعت عطا فرمائے۔ آمین۔

ادارہ

آئینہ

نوری انسان	13
حرکت قلم حق رقم کا باعث	13
خودساختہ مزعومہ کی شیعہ کی طرف بے جانسبت	15
اس مسئلہ میں عقیدہ شیعہ کی صحیح تصویر	16
انبیاءؑ وائمہ معصومینؑ کی انسانیت اوران کا نوری وخاکی مخلوق ہونا قرآن وحدیث کی روشنی میں	17
حضرت آدم علیہ السلام کی انسانیت	18
حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی انسانیت بہ کلام ربانی	24
مقام استدلال	37
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی انسانیت	40
محل استدلال	41
محل استشہاد	42
حضرت لوط علیہ السلام کی انسانیت	48
حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ وغیرہ کی انسانیت	51
حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی انسانیت	63
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انسانیت	86
آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انسانیت	89
تقدم ذکر تقدم وجود کو مستلزم نہیں	96
تعلیم قرآن بعد از پیدائش انسان قرآن کریم واحادیث معصومینؑ کی روشنی میں	99
خلاصۃ المرام	108

فائدہ 120
رجوع الی المطلب 122
بعض غلاۃ کے قول کا بطلان 128
محل استدلال 137
بودے دلائل کی تردید 140
پہلی باطل دلیل 140
رسالہ ہٰذا کی دوسری دلیل علیل 146
رسالہ ہٰذا کی تیسری دلیل علیل 147
چہاردہ معصومینؑ کی جسمانی پیدائش قرآن وحدیث کی روشنی میں 153
حضرت امام حسین علیہ السلام کی دُعا 156
حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی پیدائش اوران کی دُعا 156
حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی پیدائش اوران کی دُعا 157
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیدائش اوران کی دُعا 157
حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی پیدائش اوران کی دُعا 158
حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی پیدائش اوران کی دُعا 159
حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی پیدائش اوران کی دُعا 159
حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی پیدائش اوران کی دُعا 160
حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی پیدائش اوران کی دُعا 160
حضرت امام صاحب الامر علیہ السلام کی پیدائش اور حضور کی دُعا 161
جناب امیر المؤمنین علیہ السلام کے جسم مبارک کی تخلیق 169
حضرت جناب سیدہ خاتونؑ کے جسم اطہر کی پیدائش 172

چہاردہ معصومین علیہم السلام کا شجرہ طیبہ 178
توضیح 186
نوراوّل سے مراد 194
خلاصہ 198
تحقیق در معنی نور 200
نتیجہ 204
مخلوق اوّل پر نور کا اطلاق مجازاً ہے 204
مخلوق اوّل پر اطلاق نور کی توجیہات 205
چہاردہ معصومینؑ پر اطلاق نور کی توجیہات 206
تبصرہ بر کلام مجلسیؒ 212
ایک غلط فہمی کا ازالہ 215
توضیح 218
اس حدیث کے بقیہ الفاظ کا ترجمہ 219
مؤیدات احتمال اوّل 221
مؤیدات احتمال دوم 222
محمد وآلِ محمد علیہم السلام کتاب بین میں 223
مثل نور آئمہ کی شان میں مجازاً استعمال ہونے والے دیگر الفاظ 228
اطلاق نور بہ قرآن 230
نورانیت توریت 234
نورانیت انجیل 235
ایمان وعرفان نور ہے اور کفر وشرک اور ضلالت وفسق ظلمات ہیں۔ 236

از روئے قرآن وحدیث ہر مومن نوری ہے	238
تحقیق در معنی نوع	242
لفظ نوع کے اطلاقات	242
نوع حقیقی کا بیان	242
جنس حقیقی کا بیان	243
نوع حقیقی اور جنس حقیقی کی باہمی نسبت کا بیان	245
انسان جنس حقیقی نہیں	246
انسان کے جنس حقیقی ہونے کے بطلان کے دلائل	246
نبوت وامامت کا فصل ممیز نہ ہونا قرآن وحدیث کی روشنی میں	249
خلاصہ	265
ایک غلط فہمی کا ازالہ	266
تولید مثل اتحاد نوعی کی دلیل ہے	268
حدیث پاک "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" بھی جداگانہ نوع کی دلیل نہیں	271
پہلی آیت	275
دوسری آیت	277
تیسری آیت	278
چوتھی آیت	279
پانچویں آیت	279
چھٹی آیت	280
ساتویں آیت	281
آٹھویں آیت	282

نویں آیت 282
دسویں آیت 282
گیارہویں آیت 284
بارہویں آیت 285
توضیح دوبارہ لفظ مثلکم در آیت مذکورہ 286
تیرہویں آیت 291
چودہویں آیت 292
وقت ولادت سے نبی ہونا علیحدہ نوع ہونے کا باعث نہیں ہوسکتا ہے 295
ارواح خمسہ پر دلالت کرنے والی احادیث سے بھی نبی کی علیحدہ نوع ثابت نہیں ہوتی 297
روح القدس کے باعث آئمہ وانبیاء کی نوع کو جداگانہ قرار دینے کا بطلان متعدد دلائل کے ذریعہ 298
ایک تنفر انگیز مغالطہ 314
ذاتی اور عرضی کا فرق 319
عرض لازم اور عرض مفارق کا بیان 320
لازم ماہیت اور لازم وجود کا بیان 320
اہل منطق کی اصطلاح میں لازم خارج کو ذاتی نہیں کہا جاتا 320
نوع اضافی کا بیان 321
انسان نوع سافل ہے جنس حقیقی نہیں 321
کمالات ومدارج عرضیہ کا تفاضل اختلافِ نوع کا باعث نہیں ہوسکتا 322
صنف اور نوع لغوی کا بیان 325
انسان اور انواع لغویہ متعدد ہیں 325
تنازع ختم ہونے کی صورت 327

انواع عالم کے انضباط کا مدار نوع کے معنی لغوی پر نہیں اس کے معنی منطقی پر ہے 327
اتحاد نوع کی واضح علامت 330
قوانین منطق کی وسعت طاقت بشری کی حد تک ہے کمالات باطنیہ کے علم تو تعیین نوع میں کوئی دخل نہیں 332
جنس کا لغوی معنی 334
جنس لغوی اور جنس حقیقی کی باہم نسبت 335
رفع اشتباہ 336
طہارت ونجاست کا اختلاف نوعی اختلاف کی دلیل نہیں 337
باعث تخلیق عالم ہونا نوع انسانی سے ہونے کو شامل نہیں 338
موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، انسانوں کی قوت برداشت بھی مختلف ہو سکتی ہے 339
حیوان سے مراد اصطلاح ارباب عقل میں ہے زندگی رکھنے والا 340
چہاردہ معصومینؑ ہدایت خلق کے لئے دنیا میں جسم اصلی کے ساتھ تشریف لائے تھے 342
فضیلت کا اختلاف نوع کے اختلاف کی دلیل نہیں ہو سکتا 344
تعجب خیز 350

نوری اِنسان

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلَمِینَ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّدِ الاَنبِیَاءِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہِ الطَّیِّبِینَ الطَّاھِرِینَ المَعصُومِینَ وَ لَعنَۃُ اللّٰہِ عَلیٰ اَعدَائِھِم اَجمَعِینَ مِن یَومِ عَدَاوَتِھِم اِلیٰ یَومِ الدِّینِ۔

حرکت قلم حق رقم کا باعث: حال ہی میں ''ادارۃ الانوار'' مکتبہ جعفریہ بلاک نمبر 7 سرگودھا'' کی طرف سے بذریعہ ڈاک ایک کتابچہ موسومہ بہ نوریا خاک موصول ہوا ہے جس کے صفحہ ۲ پر بندہ ناچیز کو قلمی حیثیت سے خطاب کیا گیا ہے اور اس کے تحت حسب ذیل مطبوعہ عبارت کا اندراج ہے۔

''سلام مسنون.......... جو علماء کرام و دانشوران عظام مذہب شیعہ کی لسٹ مرتب کی گئی ہے۔اس میں آپ کا اسم گرامی بطور خاص درج کیا گیا ہے۔لہذا آپ کے ارشادات کا بے چینی سے انتظار رہے گا، تا کہ انہیں کتابی شکل میں منتقل کر دیا جائے۔

نیازمند

ادارۃ الانوار مکتبہ جعفریہ بلاک نمبر ۷۔سرگودھا (پاکستان)

اور صفحہ ۲ زیر عنوان ''پیش لفظ'' تحریر ہے۔

ا۔ علماء کرام (شیعہ) اور مفکرین و دانشوران (شیعہ) کی خدمت میں استفسارات مع مولانا محمد حسین صاحب کی جوابی تقاریر

۲۔تجزیہ، تنقید اور تبصرہ کیلئے روانہ ہیں۔

اس سے ایک پیرا بعد تحریر کیا ہے۔

۳۔ یہ ایک خالص ایمانی بحث ہے جس کا مقصد حقیقت کو اس طرح بے نقاب اور روشن کرنا ہے کہ آئندہ اس مسئلہ پر کوئی تاریکی مسلط نہ ہو سکے۔

پھر لکھا ہے،

۴۔ یہ بحث جو اصول دین شیعہ کے بارے میں ہے ذاتیات سے بلند ہو کر پیش کی جارہی ہے اور ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ اصول دین میں اپنے اعتقادات کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش کرے۔

ازاں بعد مرقوم ہے کہ

''ہمیں یقین ہے کہ علماء و مفکرین مذہب شیعہ اپنے گراں قدر دلائل و براہین سے ادارہ کو جلد از جلد مطلع فرمائیں گے تاکہ انہیں کتابی شکل میں پیش کیا جاسکے۔

اراکین ادارہ الانوار کے مذکورہ بالا تحریرات کے پیش نظر ضرورت محسوس ہوئی کہ ادارہ ہذا کی اس دعوت خیر پر لبیک کہا جائے اور اپنے ناقص مطالعہ کی حد تک قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی روشنی میں اپنے نتائج فکر کو زیر بحث مسائل کے متعلق قلم بند کر کے اراکین ادارہ الانوار کی طرف ارسال کر دیا جائے۔

وَ مَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ وَ عَلَیْہِ اَتَوَکَّلُ وَ اِلَیْہِ اُنِیْبُ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ۔

خود ساختہ مزعومہ کی شیعہ کی طرف بے جا نسبت

کتابچہ مذکور ''نور یا خاک''، صفحہ نمبر ۵ پر انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کے متعلق ایک عقیدہ شیعہ امامیہ کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ فرقہ شیعہ کا بنیادی عقیدہ ہے اور وہ یہ کہ ''انبیاء اور آئمہ علیہم السلام خاکی نہیں بلکہ نوری مخلوق ہیں

نیز صفحہ نمبر ۷ پر بھی اسی مضمون کو ان الفاظ میں دہرایا ہے کہ ''شیعہ کا عقیدہ ہے، انبیاء اور آئمہ علیہم السلام نوری مخلوق ہیں نوع انسان سے نہیں ہیں''۔

مگر واضح باد کہ اراکین ادارہ الانوار نے شیعہ امامیہ کی طرف جس عقیدہ کو منسوب کیا ہے، شیعہ امامیہ کے نزدیک اس کی صرف ایک جز صحیح اور درست ہے۔ اور وہ یہ کہ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام نوری مخلوق ہیں۔ لیکن دوسری دو جزوں کے اعتقاد سے شیعہ کا دامن پاک ہے ۔ کیونکہ شیعہ امامیہ کے ہاں یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ انبیاء اور آئمہ خاکی نہیں ۔ اور یہ کہنا بھی درست نہیں کہ وہ ذوات قدسیہ انسان نہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام سے انسانیت اور خاکی ہونے کی نفی کرنا قرآن کریم، احادیث معصومین علیہم السلام عقل سلیم اور ارشادات علماء ربانین کے خلاف ہے۔ حالانکہ شیعہ امامیہ کا کوئی عقیدہ ایسا نہیں جو امور سہ گانہ، قرآن مجید، تعلیمات معصومین اور عقل سلیم میں سے کسی ایک امر کے خلاف ہو۔

لہذا ادارہ الانوار نے فرقہ شیعہ کے بنیادی عقیدہ کی جو تصویر کشی کی ہے وہ ادارہ ہذا کے اراکین اور ان کے رہنماؤں کا من گھڑت مزعومہ ہے۔ شیعہ امامیہ کا عقیدہ نہیں۔ اس لئے اس مزعومہ کے پورے اجزاء کو شیعہ کی طرف نسبت دینا قرین صواب نہیں بے جا ہے۔ شیعہ کے ہر عقیدہ کی بنیاد قرآن مجید، معصومین علیہم السلام کی تعلیمات اور عقل سلیم پر قائم ہے۔ لہذا شیعہ کا ہر عقیدہ ان تینوں امور کے مطابق ہوتا ہے۔ خلاف نہیں ہوسکتا۔

اس مسئلہ میں عقیدہ شیعہ کی صحیح تصویر

انبیاء اور آئمہ معصومین علیہم السلام کے متعلق شیعہ امامیہ کے عقیدہ کی صحیح تصویر یہ ہے کہ انبیاء و آئمہ معصومین علیہم السلام نوع انسان کے کامل ترین افراد ہیں۔ اور ان کو جہاں نوری مخلوق کہنا درست ہے، وہاں خاکی مخلوق کہنا بھی صحیح اور بجا ہے۔ اور شیعہ کا یہ عقیدہ آیات قرآن مجید، احادیث معصومینؑ، عقل سلیم اور تحقیقات شیعہ علماء کرام کے عین مطابق ہے۔ اور ان کا لب لباب ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اور ارشادات معصومین علیہم السلام میں ان ذوات قدسیہ کو انسان بھی کہا گیا ہے۔ بشر بھی فرمایا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بشر اور انسان دونوں ہم معنی اور باہم مترادف لفظیں ہیں۔ نیز انکو "رجل" "یعنی مرد" بھی کہا گیا ہے۔ لفظ "فتی" "یعنی جوانمرد" سے بھی انہیں یاد فرمایا گیا ہے۔ اور یہ سب اطلاقات حقیقتاً اسی وقت درست ہو سکتے ہیں جب وہ نوع انسان سے ہوں۔ اور عقل سلیم کے بھی یہ منافی نہیں۔ علماء محققین نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔

نیز قرآن اور احادیث معصومینؑ میں اس امر کا بھی تذکرہ ہے کہ ان ذوات قدسیہ کو نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اس کا بھی ذکر ہے کہ ان کو مٹی سے پیدا فرمایا گیا ہے۔ اور اہل علم اور صاحبان بصیرت کے نزدیک انکی یہ ہر دو قسم کی پیدائش صحیح اور درست ہے۔ جیسے کہ عنقریب اس کی وضاحت کر دی جائے گی۔ لہذا ان نفوس مقدسہ کو نوری مخلوق کہنا بھی درست ہے اور خاکی کہنا بھی صحیح ہے۔ کیونکہ نوری اور خاکی ہر دو میں سے کسی ایک کے انکار کرنے سے قرآن پاک اور حدیث معصومؑ کا انکار ہو جاتا ہے۔ جو انکار کنندہ کو دائرہ ایمان سے خارج کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ انکار کنندہ شیعہ امامیہ کہلانے کے استحقاق سے محروم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مذہب شیعہ قرآن پاک اور ارشادات معصومینؑ کی اتباع کا نام ہے۔ وہ

شیعہ نہیں جو قرآن کریم کا انکار کرے یا تعلیمات آلِ رسول علیہم السلام سے روگردانی کرے۔اوران پاکیزہ نفوس کے نور اور مٹی سے پیدا ہونے کا اپنے مقام پر صحیح معنی اور مفہوم ہے۔جس کے باعث ان ہر دو قسم کی پیدائشوں میں کوئی تضاد نہیں۔ذیل میں اس مسئلہ سے متعلق قرآن مجید اوراحادیث معصومین علیہم السلام میں وارد شدہ دلائل کو سپرد قلم کیا جاتا ہے۔

انبیاؑء وآئمہ معصومینؑ کی انسانیت اوران کا نوری وخاکی مخلوق ہونا قرآن وحدیث کی روشنی میں

انبیاؑء وآئمہ معصومینؑ کا نوری مخلوق ہونا چونکہ مختلف فیہ نہیں۔اراکین ادارہ الانوار کے ہاں بھی یہ امر مسلم ہے۔لہذا سر دست اس کے دلائل کو سپرد قرطاس نہیں کیا جاتا لیکن ان نفوس مقدسہ کی انسانیت اورنوری کے ساتھ خاکی مخلوق ہونا چونکہ ادارہ ہذا کے ہاں مسلم نہیں اور وہ اس سے انکاری ہیں۔لہذا ان ہر دو امور کے دلائل و براہین کو اولاً زینت قرطاس کرنا ضروری ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کی انسانیت

ا۔ دیکھو ارشاد خداوندی ہے۔

﴿ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴾

کہ "اے نبیؐ" اس وقت کا ذکر کیجئے، جبکہ تیرے پروردگار اللہ جل شانہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں گیلی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنیوالا ہوں۔ جب میں اسے ٹھیک درست بنا چکوں گا اور اس میں اپنا ایک باعظمت روح داخل کردوں گا تو تم سب اس کے لئے سجدے میں گر جایئے گا۔

(سورۃ ص ۳۸۔ آیت نمبر ۷۱، ۷۲)

اس آیت مبارکہ کے متعلق درج ذیل مسلمات کو ذہن نشین کرنے سے حق نہایت خوبی سے واضح اور آشکار ہو جاتا ہے۔

(۱) یہ آیت کریمہ حضرت آدم علیہ السلام کی شان والا شان میں نازل ہوئی ہے۔

(۲) حضرت آدم علیہ السلام نبی تھے۔

(۳) انہیں اللہ تعالیٰ نے بشر یعنی انسان کہا ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ نبی نوع انسان کا فرد ہوتا ہے۔

(۴) آیت میں تصریح موجود ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔

لہذا وہ خاکی مخلوق تھے اس لئے اس آیت مبارکہ سے دونوں باتیں ثابت ہو رہی ہیں ایک یہ کہ نبی نوع انسان سے ہوتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ وہ نوری ہونے کے باوجود خاکی مخلوق ہوتا ہے۔ لہذا نبی کی انسانیت اور خاکی مخلوق ہونے کا انکار نص قرآن کا انکار ہے جو دائرہ ایمان سے خارج ہو جانے کا باعث ہوتا ہے۔ اس مضمون پر دلالت کرنے والی صرف یہی ایک آیت نہیں بلکہ قرآن پاک میں بہت سی آیتیں اس مضمون پر دلالت کرنے

والی موجود ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو۔

۲۔﴿وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴾

اوراس وقت کاذکر کیجئے جب آپکے پروردگار اللہ جل شانہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایسی گیلی مٹی سے ایک انسان پیدا کرنیوالا ہوں جو متغیر ہوچکی ہواور خشک ہوجانے کے بعد کھنکھنائی جائے تو آواز دینے لگے۔

(سورۃ الحجر ۱۵۔ آیت نمبر ۲۹،۲۸)

اس آیت سے بھی نبیؐ خدا حضرت آدمؑ کا انسان ہونا اور خاکی مخلوق ہونا ہر دو امر ثابت ہورہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بشر کہا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ نوع انسان کا فرد تھے اور مٹی سے پیدا کرنیکی خبر دی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جہاں وہ نوری مخلوق تھے وہاں خاکی مخلوق بھی تھے۔

۳۔﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴾

اور بے شک ہم نے ایک انسان مخصوص یعنی آدمؑ کو ایسی تغیر پذیر گیلی مٹی سے پیدا کیا جو خشک ہو کر کھنکھنانے سے آواز دینے لگی تھی۔ (سورۃ الحجر ۱۵۔ آیت نمبر ۲۶)

سابقہ دو آیتوں میں حضرت آدمؑ کو لفظ بشر سے تعبیر کیا تھا مگر اس آیت میں صراحتاً لفظ انسان سے ان کو تعبیر فرمایا ہے۔ اس آیت سے بھی نبی خدا حضرت آدمؑ کا نوع انسان سے اور خاکی مخلوق ہونا دونوں امر ثابت ہیں۔ نیز لفظ انسان اور بشر کا مترادف اور ہم معنی ہونا بھی ثابت ہے۔

۴۔﴿ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ...... ﴾

کہ حضرت عیسیٰؑ کی مثل "باپ کے بغیر پیدا کیا جانے میں" حضرت آدمؑ کی مانند ہے۔ کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے "باپ اور ماں دونوں کے بغیر" مٹی سے پیدا کیا ہے۔ (سورۃ آل عمران ۳۔ آیت نمبر ۵۹)

اس آیت میں مزید تصریح ہوگئی کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا

تھالہذاوہ خاکی مخلوق تھے۔مگر باوجود اس کے وہ نبی تھے اور نوری مخلوق تھے۔جس کی توضیح انشاءاللہ آجائے گی۔لہذامعلوم ہوا کہ نبی جہاں نوری مخلوق ہوتا ہے وہاں خاکی بھی ہوتا ہے۔حضرت آدمؑ کی ساری اولاد تمام انسان خدا کی مخلوق اس لیے کہلاتے ہیں کہ ان کے جدامجد ابوالبشر حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا فرمایا تھا۔ورنہ دیگر کوئی انسان ایسا نہیں جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی طرح براہ راست مٹی سے خلق فرمایا ہو۔کیونکہ حضرت آدمؑ کے بعد سارے انسان بسلسلہ توالد اپنے ماں باپ کے نطفہ سے پیدا ہوئے۔ صرف ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات مستثنیٰ ہے۔کیونکہ ان کی پیدائش میں باپ کے نطفہ کو دخل نہیں تھا۔انہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت مریمؑ کے بطن سے اپنی خاص قدرت کاملہ کیساتھ اسی طرح بغیر باپ کے خلق فرمایا جس طرح حضرت آدمؑ کو اپنی قدرت مخصوصہ کا مظاہرہ کرنے کیلئے بغیر ماں باپ کے مٹی سے پیدا فرمایا۔یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف ماں کی جانب سے حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔اور دیگر تمام انسان ماں اور باپ دونوں کی جانب سے حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔ان تمام مطالب کے لیے قرآن پاک اور تعلیمات آئمہ معصومینؑ شاہد صدق ہیں۔

۵۔﴿ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ﴾

اللہ تعالیٰ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔پھر نطفہ سے پیدا کیا پھر تم کو "مردوں اور عورتوں کے" جوڑے بنادیا۔

(سورۃ فاطر ۳۵۔آیت نمبر ۱۱)

اگرچہ مٹی سے صرف حضرت آدمؑ اور حضرت حوا کو پیدا کیا تھا لیکن چونکہ سب انسان ان کی ہی اولاد ہیں اس لیے سب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ﴾ کہ تم سب کو پہلے مٹی سے پیدا کیا اور پھر نطفہ سے پیدا فرمایا۔لہٰذا حضرت آدمؑ کی ساری اولاد تمام انسان خواہ انبیاء ہیں یا اوصیاء،اولیاء،وصلحا ہیں۔یا گنہگار اور فساق۔مومنین ہیں یا کفار

سب کے سب خاکی مخلوق کہلائے۔

کیونکہ وہ حضرت آدمؑ و حضرت حوّا کی اولاد ہیں جو مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔ اگرچہ کہ یہ اولاد خود مٹی سے نہیں نطفے سے پیدا ہوئی۔ اسی مضمون کی متعدد آیات موجود ہیں چنانچہ ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ۔

۶۔﴿هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ یُخْرِجُكُمْ طِفْلًا......﴾

کہ اللہ تعالیٰ ہی تو وہ ہستی ہے جس نے تم کو پہلے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفے سے پھر خون سے پیدا فرمایا۔ پھر وہ تمہیں بچہ بنا کر شکم مادر سے باہر نکالتا ہے۔ (سورۃ الحج ۲۲۔ آیت نمبر ۵)

۷۔﴿یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ......﴾

اے لوگ! اگر تم دوبارہ پیدا کیے جانے کے بارے میں شک میں پڑ گئے ہو تو یہ شک بے جا ہے۔ کیونکہ ''ہم نے ہی تم کو پہلے مٹی سے خلق فرمایا۔ پھر نطفے سے پھر منجمد خون سے پھر گوشت کے اس لوتھڑے سے پیدا کیا جو پورا سڈول تھا۔ اور ''اس سے پہلے'' ادھورا تھا۔ یہ ''قسم و قسم کی خلقت کا مظاہرہ'' اسلئے کیا کہ ہم تمہارے لیے اپنی قدرت کے کمال کو واضح کر دیں۔ (سورۃ الحج ۲۲۔ آیت نمبر ۵)

۸۔﴿قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَ هُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِیْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا﴾

اس کافر کو اس کے ساتھی نے کہا جبکہ وہ اس سے باتیں کر رہا تھا۔ کہ تو نے اپنے اس خالق کے بارے میں کفر اختیار کر لیا ہے جس نے تجھے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پیدا فرمایا اور پھر تجھے مکمل مرد بنا دیا۔
(سورۃ الکھف ۱۸۔ آیت نمبر ۳۷)

۹۔﴿وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِیْنٍ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ﴾

کہ بے شک ہم نے انسان کو گیلی مٹی کے جوہر سے پیدا کیا۔ پھر ہم نے اس کو ایک محفوظ مقام میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر ہم نے نطفے کو خون منجمد بنایا۔ پھر خون منجمد کو گوشت کا لوتھڑا بنایا۔ پھر گوشت کے لوتھڑے سے ہڈیوں کو پیدا کیا۔ پھر ہڈیوں کو گوشت کا لباس پہنایا۔ پھر اس میں روح ڈال کر اسے ایک دوسری صورت میں پیدا کیا۔ لہٰذا بڑی برکت والا ہے اللہ تعالےٰ۔ جو تمام بنانے والوں سے بہتر بنانے والا اور بہتر پیدا کرنیوالا ہے

(سورۃ المومنون ۲۳۔ آیت نمبر ۱۲ تا ۱۴)

ان تمام آیات کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کہ جو نبی تھے وہ نوری مخلوق ہونے کے باوجود خاکی مخلوق تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی سے پیدا فرمایا۔ اور پھر ان کے خاکی مخلوق ہونے کے باعث ان کی ساری اولاد خاکی مخلوق کہلاتی ہے۔ اگرچہ ان کی اولاد کو مٹی سے نہیں نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ اور تمام انبیاءؑ اور معصومینؑ چونکہ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس لیے حضرت آدمؑ کے مٹی سے پیدا ہونے کے باعث جس طرح ان کی دیگر اولاد کو خاکی مخلوق کہا جاتا ہے۔ اسی طرح انبیاءؑ اور آئمہؑ کو بھی خاکی مخلوق کہا جاتا ہے ۔فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت آدمؑ اور ان کی اولاد میں سے انبیاءؑ اور آئمہؑ سارے کے سارے یقیناً نوری ہیں۔ لیکن حضرت آدمؑ کی دیگر اولاد میں سے بعض نوری ہیں اور بعض ناری۔

کیونکہ جو صاحبان ایمان ہیں وہ نوری ہیں اور جو صاحبان ایمان نہیں وہ نوری نہیں ناری ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے جو صاحبانِ ایمان ہیں خواہ وہ نبوت و امامت کے درجہ پر بھی فائز ہیں یا فائز نہیں۔ یہ سب خاکی مخلوق کہلانے کیساتھ نوری مخلوق بھی ہیں۔ مگر حضرت آدمؑ کی جو اولاد صاحبان ایمان نہیں وہ خاکی مخلوق تو ہیں مگر نوری نہیں۔ بلکہ ناری ہیں۔ کیونکہ خاکی کہلانے کی وجہ حضرت آدمؑ کا مٹی سے پیدا ہونا ہے۔ اور حضرت آدمؑ جو کہ سب انسانوں کے جد امجد ہیں۔ اور سب انسان خواہ وہ انبیاء و آئمہؑ ہیں یا ان کے غیر سب حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے میں یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔

اسلئے سب خاکی مخلوق کہلانے میں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔اور اسی وجہ سے سورۃ فاطر، سورۃ المومن، سورۃ الحج کی گزشتہ آیات میں اللہ تعالی نے مٹی سے پیدا کرنیکے متعلق سارے انسانوں کو یکساں حیثیت سے خطاب کیا ہے۔اس خطاب میں نہ کسی نبی کو مستثنیٰ کیا ہے، نہ کسی وصی کو، نہ کسی ولی کو، نہ کسی مومن کو، نہ کسی کافر کو۔اور اس سے نہایت خوبی سے واضح ہے کہ خاکی مخلوق ہونے میں حضرت آدمؑ کی ساری اولاد یکساں حیثیت رکھتی ہے۔لیکن نوری مخلوق ہونے کا مدار معرفت اور ایمان پر ہے۔جو بھی صاحب ایمان ہے وہ نوری مخلوق ہے۔اور پھر جس قدر جس کے ایمان اور معرفت کا درجہ بلند ہے اسی مقدار میں اس کا درجہ نوری ہونے میں بھی بلند ہے۔اور جتنا کسی کا ایمانی درجہ پست اور کمزور ہے اتنا ہی اس کا نوری ہونا بھی پست ہے۔اور جو بالکل بے ایمان ہے وہ نوری نہیں ناری ہے۔اس تفصیل کی مزید وضاحت انشاءاللہ اپنے مقام پر آجائیگی۔

گذشتہ آیات سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا ہے کہ حضرت آدمؑ کہ جو اس عالم آب وگل میں پہلے نبی ہوئے ہیں۔نوری مخلوق ہونے کے ساتھ ساتھ خاکی مخلوق بھی ہیں۔اور نوع انسان کا پہلا فرد ہیں۔اور ظاہر ہے کہ انسان کی اولاد انسان ہوتی ہے۔اور تمام انبیاؑء و آئمہؑ حضرت آدمؑ کی اولاد میں شامل ہیں۔اس لیے تمام انبیاؑء وآئمہؑ بھی نوع انسان ہی کے افراد ہیں۔ہاں ان کو کمالات کے اعتبار سے دیگر افراد سے فوقیت اور بلندی حاصل ہے۔بالخصوص محمدؐ وآلِ محمدؐ کو تو حضرت آدمؑ اور ان کی دیگر ساری اولاد پر اس قدر بلندی حاصل ہے کہ اسکی آخری حد اور انتہائی منزل تک کسی انسان کا طائر خیال بھی پرواز نہیں کر سکتا۔لیکن ہیں سب انبیاؑء بھی اور آئمہؑ بھی نوع انسان ہی کے افراد۔اور یہی وجہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاؑء کو انسانیت اور بشریت سے متصف کیا ہے۔حضرت آدمؑ کی بشریت و انسانیت تو واضح ہو چکی۔اب دیگر انبیاؑء وآئمہ معصومینؑ کے لیے دلائل پیش کئے جاتے ہیں

حضرت نوحؑ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ

کی انسانیت بہ کلام ربانی

۱۰۔ ﴿اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۔الی قولہ تعالیٰ..... قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۔قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾

قوم نوحؑ ۔عاد اور ثمود کی خبر کہ جو تمام سے پہلے گزر چکے ہیں۔اوران لوگوں کی خبر کیا تمہارے پاس نہیں پہنچی جو ان کے بعد ہوئے۔جن کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ان کے پاس ان کے رسول واضح معجزات لے کر آئے...... ''آگے چل کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے''تو ان کفار یعنی قوم نوحؑ اور عاد و ثمود نے اپنے رسولوں سے کہا کہ''تم تو رسول نہیں ہو کیونکہ رسول انسانی نوع سے نہیں ہو سکتا۔اور تم تو بس ہماری ہی مثل انسان ہو۔تم تو''رسول ہونے کا دعویٰ کرکے'' چاہتے ہو۔کہ ہمیں ہمارے ان معبودوں کی عبادت سے روک دو جن کی ہمارے آباو اجداد عبادت کرتے تھے۔لہذا تم ''اگر سچے ہو تو'' کوئی واضح دلیل لے آؤ۔تو ان کے رسولوں نے ان سے''جواباً'' کہا بے شک ہم تمہاری ہی مثل انسان ہیں۔'' کیونکہ ہر رسول انسان ہی ہوتا ہے''۔لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس پر احسان کر دیتا ہے۔کہ اسے رسول بنا کر لوگوں کی طرف بھیج دیتا ہے''۔(سورۃ ابراہیم ۱۴۔آیت نمبر ۹ تا ۱۱)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم سے کفار کا یہی عقیدہ ہے جو رسالہ''نور یا خاک'' کے مؤلفین ادارہ الانوار کے اراکین نے اپنایا ہے کہ رسول نبی اور امام نوع انسان سے نہیں ہوئے۔اور اسی مزعومہ باطلہ کی بنیاد پر نوحؑ کی قوم اور عاد و ثمود نے اپنے اپنے نبیوں کی نبوت کو جھٹلانے کی جرأت کی اور کہا کہ ﴿وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا﴾ کہ تم تو ہماری مثل انسان ہو۔لہذا تم رسول نہیں ہو سکتے۔مگر رسولوں نے جو جواب دیا اس سے کفار کے

مزعومہ کا بطلان واضح ہوگیا۔ کیونکہ رسولوں نے یہ نہ کہا کہ ہم تمہاری مثل انسان نہیں، ہماری نوع تو انسانی نوع سے الگ ہے۔ بلکہ رسولوں نے یہ کہا کہ ہم تمہاری ہی مثل انسان ہیں۔ کیونکہ ہر وہ رسول جو انسانوں کی طرف مبعوث ہوتا ہے۔ وہ نوع انسان سے ہی ہوتا ہے۔ مگر اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل وکرم اور احسان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عہدہ رسالت پر فائز کر دیتا ہے۔ لہذا ان رسولوں کے یہ الفاظ:

﴿اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾

دلیل قاطع اور برہان ساطع ہیں۔ کہ نبی اور رسول نوع انسان سے ہوتے ہیں اور حضرت نوحؑ۔ حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ بشر اور انسان تھے۔ کیونکہ قوم عاد کی طرف حضرت ہودؑ، اور قوم ثمود کی طرف حضرت صالحؑ کو معبوث کیا گیا تھا۔

درج ذیل آیات بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہیں ملاحظہ ہو۔

۱۱۔ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّىْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۔ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَاٰتٰىنِىْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ......﴾

بے شک ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تو اس نے ان سے کہا کہ "میں تم کو عذاب خدا سے واضح طور پر ڈرانے والا ہوں" اور تمہیں یہ سمجھاتا ہوں کہ "تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو میں تمہارے متعلق ایک دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ تو حضرت نوحؑ کی قوم میں سے جو کافر تھے ان میں سے ایک گروہ نے کہا کہ ہم تو تم کو اپنی ہی مثل ایک انسان دیکھ رہے ہیں۔ لہذا تم انسان ہوتے ہوئے نبی اور رسول کیسے ہو سکتے ہو" اور ہم دیکھ رہے ہیں، کہ تمہاری اتباع بھی ان لوگوں نے کی ہے

جو ہم میں سے گھٹیا درجہ رکھنے والے رذیل ہیں۔ اور ہم اپنے اوپر تمہاری کوئی فضیلت محسوس نہیں کرتے بلکہ ہم تم کو "تمہارے اس دعوے میں" جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ اے قوم "تم مجھے اس صورت میں بھی جھوٹا ہی خیال کرو گے کہ جب" میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل لے کر آیا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت "منصب نبوت" عطا کر کے سرفراز فرمایا ہے مگر تمہیں وہ بھائی نہیں دیتی۔ (۔سورۃ ہود ۱۱۔آیت نمبر ۲۴ تا ۲۷)

ان آیات میں بھی قوم نوحؑ کے جو یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں ﴿مَا نَرَاكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ کہ ہم تم کو اپنے جیسا انسان دیکھ رہے ہیں ان الفاظ سے واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے یہ عقیدہ کفار کا چلا آ رہا ہے کہ نبی و رسول نوع انسان سے نہیں ہو سکتا۔ مگر حق وہ ہے جو سورۃ ابراہیم کی گذشتہ آیتوں سے صریح طور پر ثابت ہو گیا کہ نبی و رسول نوع انسان سے ہی ہوتا ہے مگر ایسا با کمال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عہدہ رسالت و نبوت کے لئے چن لیتا ہے۔

۱۲۔ ﴿ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۔ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴾

پھر ہم نے ان کے بعد "یعنی قوم نوحؑ کے بعد" ایک دوسری قوم یعنی ثمود کو پیدا کیا۔ اور ان میں ایک رسول یعنی حضرت صالحؑ کو مبعوث کیا جو ان میں سے ہی تھا "یعنی ان کی نوع انسانی کا ہی فرد تھا۔ اس نے ان سے کہا کہ "تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اور اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ کیا تم اس کا خوف نہیں رکھتے؟ تو حضرت صالحؑ کی قوم سے جو گروہ کافر تھا اور بروز قیامت دربار رب العزت میں پیش ہونے کی تکذیب کرتا تھا، "دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو مال و دولت دے رکھا تھا۔ اس گروہ نے کہا کہ یہ صالح تو تمہاری ہی مثل ایک انسان ہے جو چیزیں تم کھاتے ہو ان ہی چیزوں سے یہ بھی کھاتا

ہے اور جو کچھ تم پیتے ہو ان سے ہی یہ بھی پیتا ہے" لہذا اس سے ظاہر ہے کہ ہر طرح یہ تمہارے جیسا ہی ایک انسان ہے" لہذا اگر تم اپنے ہی جیسے ایک انسان کی اطاعت کرو گے تو یقیناً تم نقصان میں رہو گے۔ (سورۃ المومنون ۲۳۔ آیت نمبر ۳۱ تا ۳۴)

ان آیات سے بھی واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے کہ ادارہ الانوار اور ان کے رہبروں نے جو عقیدہ اپنایا ہے وہ حضرت نوحؑ کے بعد حضرت صالح علیہ السلام کے زمانہ میں بھی کفار کا عقیدہ تھا کہ جو نوع انسان سے ہو انسانی اشیاء خوردنی و آشامیدنی کو ہی کھائے پیئے وہ رسول یا نبی نہیں ہو سکتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ﴿رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ کے الفاظ سے انکے اس عقیدہ کے بطلان کو واضح کر دیا۔ کیونکہ خداوند عالم نے نص فرمائی کہ یہ رسول یعنی حضرت صالحؑ ان کفار میں سے تھے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ العیاذ باللہ وہ ان کافروں میں سے ایک کافر تھے بلکہ اس کا یہی معنی ہو سکتا ہے کہ حضرت صالحؑ اسی نوع انسان میں سے ایک فرد کامل تھے جس نوع انسان کے وہ کفار بدترین افراد تھے۔

نیز ان آیات سے یہ امر بھی ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء ایسے ہوتے ہیں جو کھاتے بھی ہیں، پیتے بھی ہیں، لوازم انسانیت سے وہ متصف ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ صرف ظاہری شکل ہی انسانی ہو اور دیگر لوازم انسانی سے وہ معریٰ اور مبرا ہوں یہی مضمون درج ذیل آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے۔

۱۳۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ﴾

"اے نبیؐ" تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسول مبعوث کیے وہ ایسے ہی مرد تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، لہذا اے لوگو" اگر تمہیں اس کا علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کر لو، اور ہم نے ان تمام انبیاء کو ایسا جسم نہ بنایا تھا کہ جو" کھانے کا ہی محتاج نہ ہو اور وہ" کھانا ہی نہ کھاتے ہیں" بلکہ وہ سب کھانا کھانے کی احتیاج

رکھتے اور کھاتے پیتے تھے" اور وہ ہمیشہ دنیا ہی میں رہنے والے نہ تھے" بلکہ ہر ایک نے موت کا ذائقہ چکھ کر آخرت کی طرف رخت سفر باندھنا تھا۔ (سورۃ الانبیاء ۲۱۔ آیت نمبر ۸،۷)

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ رسول پاکؐ سے قبل جتنے انبیاء مرسلین مبعوث ہوئے اور وہ سب کے سب مرد اور نوع انسانی کے افراد تھے نیز وہ ایسے نہ تھے جو کھانے پینے کی احتیاج نہ رکھتے ہوں۔

چونکہ یہ تذکرہ آ گیا تھا کہ انبیاء لوازم انسانیت سے معریٰ انسان نہیں ہوتے بلکہ حقیقتاً انسان کامل ہوتے ہیں جو کھانے پینے کی احتیاج رکھتے، بھوک، پیاس، صحت، بیماری، نیند، تکان وغیرہ لوازم بشریت سے متصف ہوتے ہیں اس لئے اس آیت کو یہاں نقل کر دیا گیا ہے ورنہ حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ کی بشریت کے خصوصی دلائل پیش ہو رہے تھے اور اس اعتبار سے اس آیت کے نقل کرنے کا مقام دوسرا تھا۔

۱۴۔ ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۔ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۔ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ﴾

ہم نے حضرت نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا تو آپ نے ان سے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہو سکتا کیا تم کو اس کا ڈر نہیں۔ تو حضرت نوحؑ کی قوم میں سے جو گروہ کافر تھا۔ اس نے کہا کہ یہ تو تمہاری ہی مثل انسان ہے چاہتا ہے کہ تمہارے اوپر اپنی برتری اور بزرگی کا سکہ جمائے اگر اللہ کو کوئی رسول یا نبی بھیجنا مقصود ہوتا تو فرشتوں کو بھیجتا'' کیونکہ انسان تو رسول اور نبی ہو نہیں سکتا'' ۔ یہ چیز ''یعنی انسان کا نبی یا رسول ہونا'' تو ہم نے اپنے اگلے آباء و اجداد سے بھی کبھی نہ سنی تھی بس یہ تو ایک ایسا انسان ہے جسے جنون لاحق ہے لہذا تم کچھ عرصہ تک اسکے متعلق انتظار کیجئے۔ (سورۃ المومنون ۲۳۔ آیت نمبر ۲۳ تا ۲۵)

اس آیت سے بھی یہی ثابت ہے کہ یہ عقیدہ کہ نبی ورسول نوع انسان سے نہیں ہوسکتا زمانہ حضرت نوحؑ سے یہ کفار کا عقیدہ چلا آرہا ہے۔

۱۵۔ ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ۔ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾

بے شک ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ تو اس نے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہوسکتا بے شک تمہارے متعلق بہت بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں تو اس کی قوم کے ایک گروہ نے کہا کہ اے نوحؑ ہم تجھے دیکھ رہے ہیں کہ تم کھلی گمراہی میں ہو۔ نوحؑ نے فرمایا اے میری قوم مجھے کوئی گمراہی لاحق نہیں لیکن میں تو تمام عالمین کے پروردگار کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں تمہیں اسکے پیغام پہنچاتا ہوں، تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کا علم رکھتا ہوں جن کا تمہیں پتہ نہیں کیا تمہیں اس وجہ سے تعجب لاحق ہوگیا ہے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس اس کا علم اس شخص پر نازل ہوا ہے جو تم سے ہی ایک مرد ہے تا کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم متقی بن جاؤ شاید کہ تم پر رحم کیا جائے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ یہ خطاب کفار کو ہے جس کا معنی یہ بنتا ہے کہ حضرت نوحؑ ان کفار میں سے ایک مرد تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسا حضرت نوحؑ کو کس اعتبار سے کہا جاسکتا ہے؟ کیونکہ حضرت نوحؑ العیاذ باللہ کافر تو تھے نہیں اولی العزم انبیاء میں سے ایک عظیم نبی تھے تو سوائے اسکے کوئی صورت نہیں ہوسکتی کہ وہ نوع انسان کے ایک فرد تھے کہ جو انسان کفار کی بھی نوع ہے، کیونکہ انسان

ہی ایک ایسا عام مفہوم اور عام معنی رکھنے والا لفظ ہے، جو انبیاء و آئمہ معصومینؑ پر بھی صادق آتا ہے اور ان کے علاوہ تمام مومنین اور کفار پر بھی صادق آتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک ہی میں فرمایا ہے ﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ کہ مارا جائے وہ انسان کتنا بڑا کافر ہے، نیز " رجل " یعنی مرد نوع انسان کی ہی ایک صنف کا نام ہے۔لہٰذا اس آیت کے ذریعہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء و آئمہ معصومین علیہم السلام نوع انسان کے ہی فرد کامل ہوتے ہیں اور یہ کہنا خلاف قرآن مجید ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام نوع انسان سے نہیں جیسا کہ ادارۃ الانوار کے اراکین اور ان کے رہبروں کا زعم ناقص ہے۔

لفظ" الی قومہ "بھی اس پر دال ہے کہ حضرت نوحؑ انسان تھے کیونکہ حضرت نوح علیہ السلام جن کی طرف مبعوث کئے گئے تھے وہ انسان تھے اور وہ نوح علیہ السلام کی قوم اسی وقت کہے جا سکتے تھے جبکہ نوح علیہ السلام بھی انسان ہوں اگر نوح علیہ السلام کی نوع انسان نہیں کوئی اور ہوتی تو انسان نوحؑ کی قوم نہیں کہے جا سکتے تھے اور یہ لفظ" قومہ " نوحؑ کے متعلق بھی بارہا قرآن میں وارد ہوا ہے اور دیگر انبیاءؑ کیلئے بھی بارہا وارد ہوا ہے چنانچہ حضرت نوحؑ کے متعلق سابقاً متعدد مرتبہ نقل ہو چکا ہے اور مزید ملاحظہ ہو۔

۱۶۔﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا﴾

کہ بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا چنانچہ وہ ان میں نو سو پچاس سال ٹھہرے رہے۔(سورۃ العنکبوت ۲۹۔آیت ۱۴)

اس آیت میں بھی لفظ " قومہ "حضرت نوحؑ کے انسان ہونے کی دلیل ہے۔

۱۷۔﴿وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ۔ وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۔ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ﴾

بے شک ہمیں نوحؑ نے پکارا تو دیکھو کہ ہم کیا ہی خوب جواب دینے والے تھے اور ہم نے اسے بھی اور اس

کی اہل کو بھی بڑی مصیبت سے نجات دی اور اس کی اولاد کو ہی ہم نے باقی رہنے والا بنایا۔
(سورۃ الصفّٰت ۳۷۔آیت نمبر ۷۵ تا ۷۷)

اس وقت جتنے انسان موجود ہیں وہ نوحؑ کی ہی اولاد ہیں اور یہ دلیل ہے اس کی کہ حضرت نوحؑ بھی انسان تھے کیونکہ اگر حضرت نوحؑ انسان نہ ہوتے تو ان کی اولاد بھی انسان نہ ہوتی۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت مستمرہ کے لحاظ سے ایسا نہیں ہوسکتا کہ باپ تو انسان نہ ہو اور اس کی اولاد انسان ہو۔لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت نوحؑ کی اولاد جبکہ انسان ہیں تو وہ خود بھی انسان ہی تھے۔

۱۸۔﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ مِنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ﴾
اور ہم نے نوحؑ کی قوم کو پہلے تباہ کر دیا تھا۔بے شک وہ فاسق قوم تھی۔(سورۃ الذّٰریٰت ۵۱۔آیت نمبر ۴۶)

قوم نوحؑ کا لفظ نوحؑ کے انسان ہونے کی دلیل ہے کیونکہ ان کی وہ قوم انسان تھے لہٰذا وہ نوحؑ کی قوم اسی وقت کہے جا سکتے ہیں جبکہ نوحؑ بھی انسان ہوں۔لہٰذا معلوم ہوا کہ نوحؑ انسان تھے۔

۱۹۔﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ كَانُوْا هُمْ اَظْلَمَ وَاَطْغٰى﴾
اور قوم نوحؑ کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہلاک کر دیا بے شک وہ قوم سب سے زیادہ ظالم اور سب سے زیادہ سرکش تھی۔(سورۃ النجم ۵۳۔آیت نمبر ۵۲)

اس آیت میں بھی نوحؑ کیطرف قوم کی اضافت حسب سابق نوحؑ کے انسان ہونیکی دلیل ہے۔

۲۰۔﴿كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ﴾
کہ ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا لہٰذا انہوں نے ہمارے عبد خاص کو جھٹلایا اور کہا کہ یہ مجنون اور پاگل ہے اور اسے جھڑکیاں بھی دی گئیں۔(سورۃ القمر ۵۴۔آیت نمبر ۹)

اس آیت میں بھی مثل سابق قوم کی اضافت نوحؑ کی طرف انسانیت نوحؑ کی دلیل ہے۔

۲۱۔ ﴿اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ......﴾
بے شک ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ (سورۃ نوح ۷۱۔ آیت نمبر۱)

آیت نمبر۲: ﴿قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾
حضرت نوحؑ نے کہا کہ اے میری قوم میں تمہارے لیے واضح طور پر ڈرانے والا ہو کر آیا ہوں۔

آیت نمبر۵: ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآءِیْٓ اِلَّا فِرَارًا﴾
حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ اے پروردگار! بے شک میں نے اپنی قوم کو رات کے وقت بھی دین حق کی طرف پکارا اور دن کے وقت بھی پکارا مگر میری اس پکارنے سوائے اس کے کوئی اثر نہ کیا کہ وہ اس کے باعث مجھ سے دور بھاگنے میں ہی اضافہ کرتے رہے۔

ان سب آیات میں لفظ قوم کی نوحؑ کی طرف اضافت واقع ہوئی ہے جو نوحؑ کی انسانیت کی دلیل ہے جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا ہے۔

۲۲۔ ﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ۔ قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ۔ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ﴾
اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو رسول بنا کر بھیجا تو اس نے انہیں کہا کہ اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ اس پر اس کی قوم میں جو گروہ کافر تھا اس نے کہا کہ اے ہودؑ! ہم تجھے دیکھ رہے ہیں کہ تو حماقت کا شکار ہے۔ اور ہم تجھے جھوٹا گمان کرتے ہیں۔ حضرت ہودؑ نے فرمایا اے میری قوم! مجھے حماقت تو لاحق نہیں لیکن میں رب العالمین اللہ جل شانہٗ کی طرف سے رسول ہو کر آیا ہوں۔ اس کے پیغام تمہیں پہنچاتا ہوں۔ اور تمہاری خیر خواہی کرنے والا امانت دار ہوں۔ کیا تم اس کی وجہ سے تعجب میں پڑ گئے کہ تمہاری نوع کے ہی ایک مرد پر تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک حکم پہنچا ہے۔ تاکہ وہ تمہیں اس کی نافرمانی سے ڈرائے۔

ان آیات میں درج ذیل الفاظ حضرت ہودؑ کے انسان ہونے کی دلیل ہیں۔"یقوم" دومقام پر اور "قومہ" ان میں قوم کی حضرت ہودؑ کی طرف اضافت حضرت ہودؑ کے انسان ہونے پر دلالت کرتی ہے۔جیسا کہ سابقاً حضرت نوحؑ کے متعلق بیان ہو چکا کہ اگر حضرت ہودؑ انسان نہ ہوتے تو وہ کفار جو انسان تھے حضرت ہودؑ کی قوم نہ کہے جاسکتے۔نیز "عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ" بھی حضرت ہودؑ کے انسان ہونے کی دلیل ہے۔کیونکہ انہیں "رجـــل" کہا گیا۔یعنی مرد اور مرد انسان کی ہی ایک صنف قوی کا نام ہے دوسرے لفظ "منکم" کے ذریعہ ان کو قوم کفار میں سے شمار کیا گیا۔لیکن یہ شمار کفار کے انسان ہونے کے اعتبار سے ہے نہ ان کے کافر ہونیکے اعتبار سے کیونکہ حضرت ہودؑ ایک بلند مرتبہ رسول تھے جن کا کافر ہونا ممکن ہی نہیں۔جس طرح کہ سابقہ یہی الفاظ حضرت نوحؑ کے متعلق نقل کئے جاچکے ہیں۔اوران کی وضاحت بھی گزر چکی ہے۔

۲۳۔﴿وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُو اللّٰهَ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ۔ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْاۤ اِلَیْهِ ......﴾

اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا اس نے ان سے جا کر کہا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اللہ تعالیٰ کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہوسکتا تم تو بس افتراء پردازی ہی کرتے ہو اے میری قوم میں اس تبلیغ دین پر تم سے کوئی اجر طلب نہیں کرتا۔میرا اجر تو بس اس ذات پروردگار پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے کیا تم عقل وفہم نہیں رکھتے اور اے میری قوم اپنے رب سے طلب مغفرت کرو اور اس کے دربار میں سچی توبہ کرو۔(سورۃ ہود ۱۱۔آیت نمبر ۵۰ تا ۵۲)

ان آیات سے حضرت ہودؑ پیغمبر نے قوم عاد کو تین مرتبہ "یقوم" یعنی اے میری قوم کہہ کر خطاب کیا ہے اور قوم عاد انسانی نوع کے افراد تھے اور اس انسانی نوع کی قوم کو حضرت ہودؑ

کا میری قوم کہنا اس وقت تک صحیح نہیں ہو سکتا جب تک حضرت ہودؑ خود انسان نہ ہوں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت ہودؑ پیغمبر بھی مثل حضرت آدمؑ حضرت نوحؑ انسان تھے اور نوری مخلوق ہونے کے باوجود خاکی مخلوق تھے۔

۲۴۔ ﴿وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً﴾

اور قوم نوحؑ نے جب رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو پانی کے طوفان میں غرق کردیا اور ان کو لوگوں کیلئے عبرت کا نشان بنا دیا۔ (سورۃ الفرقان ۲۵۔ آیت ۳۷)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو قوم نوحؑ کہا ہے جو طوفان نوحؑ میں غرق ہو گئے تھے اور ظاہر ہے کہ وہ نوع انسان سے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نوحؑ بھی نوع انسان سے تھے ورنہ وہ غرق ہونے والی نوحؑ کی قوم نہیں کہے جا سکتے تھے اور جب نوحؑ نوع انسان سے تھے تو ثابت ہوا کہ وہ نوری مخلوق ہونے کے باوجود خاکی مخلوق بھی تھے۔

۲۵۔ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ نوحؑ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ (سورۃ الشعراء ۲۶۔ آیت ۱۰۵)

۲۶۔ ﴿قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ﴾ حضرت نوحؑ نے فرمایا کہ پروردگار میری قوم نے مجھے جھٹلایا ہے۔ (سورۃ الشعراء ۲۶۔ آیت نمبر ۱۱۷)

ان دونوں آیتوں میں ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بھی نوحؑ کی قوم کہا ہے اور حضرت نوحؑ نے خود بھی اپنی قوم کہا ہے۔ جنہوں نے حضرت نوحؑ اور دیگر رسولوں کو جھٹلایا تھا اور ظاہر ہے کہ وہ نوع انسان سے تھے اور وہ نوحؑ کی قوم اسی وقت ہو سکتے ہیں جب حضرت نوحؑ بھی نوع انسان سے ہوں لہٰذا ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت نوحؑ نوع انسان تھے اور نوری مخلوق ہونیکے باوجود خاکی تھے۔

۲۷۔ ﴿كَذَّبَتْ عَادُ ِۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۔ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۔ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ﴾

قوم عاد نے رسولوں کو اس وقت جھٹلایا۔ جبکہ ان کے بھائی حضرت ہودؑ نے ان سے کہا کہ کیا تم خدا سے ڈرتے نہیں، میں تمہاری طرف رسول امین ہو کر آیا ہوں لہذا خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

(سورۃ الشعراء ۲۶۔ آیت ۱۲۳ تا ۱۲۶)

قوم عاد کے کفار نوع انسانی سے تھے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہودؑ پیغمبر کو ان کا بھائی کہا ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت ہودؑ کو قوم عاد سے صرف نوعی اخوت اور برادری حاصل تھی کیونکہ اس کے علاوہ حضرت ہودؑ کو پوری قوم عاد سے اخوت اور برادری کا کوئی معنیٰ حاصل نہیں ہو سکتا لہذا معلوم ہوا کہ حضرت ہودؑ نوع انسانی کے کامل فرد تھے لہذا وہ نوری مخلوق بھی تھے اور خاکی بھی تھے۔

۲۸۔ ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ......﴾

اور قوم عاد کے بھائی ''حضرت ہودؑ پیغمبر کا ذکر کیجئے جب کہ انہوں نے اپنی اس قوم کو اونچے ریگستانوں کے رہائش پذیر ہونے کی حالت میں ڈرایا۔ (سورۃ الاحقاف ۴۶۔ آیت نمبر ۲۱)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ہودؑ کو قوم عاد کا بھائی اور قوم عاد کو حضرت ہودؑ کی قوم قرار دیا ہے جس سے سابقہ آیتوں کی طرح یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ قوم عاد بھی انسانی نوع کے بدترین افراد تھے اور حضرت ہود بھی اسی نوع انسانی کے فرد باکمال تھے۔ لہذا حضرت ہودؑ نورانی مخلوق ہونے کے باوجود خاکی مخلوق تھے۔

۲۹۔ ﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِيْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ۔ ءَاُلْقِيَ الذِّكْرُ عَلَيْهِ مِنْۢ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ﴾

قوم ثمود نے خدا کی طرف سے ڈرانے والے پیغمبروں کو جھٹلایا کیونکہ انہوں نے کہا کہ کیا ہم ایسے شخص کی اطاعت اور اتباع کریں جو ہم میں سے ہیں ایک انسان ہے؟ اگر ہم ایسا کریں تو پھر ہم گمراہی اور دیوانگی کا شکار ہو گئے۔ کیا ہمارے درمیان میں سے اسی ایک صالح کا انتخاب ہوا اور اس پر وحی نازل کی گئی؟ نہیں بلکہ وہ جھوٹا اور تعلّی کرنیوالا ہے۔ (سورۃ القمر ۵۴۔ آیت نمبر ۲۳ تا ۲۵)

اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت صالحؑ کے زمانے میں بھی کفار کا یہی نظریہ تھا کہ انسان نبی اور واجب الاطاعت پیغمبر نہیں ہو سکتا ﴿اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ﴾ کے الفاظ اس کی روشن دلیل ہیں مگر سورہ ابراہیم وغیرہ کی سابقہ آیات سے واضح ہو چکا ہے کہ حضرت صالحؑ بھی مثل دیگر انبیاء کے نوع انسانی کے فرد کامل تھے اور درج ذیل آیات بھی اسی کا بین ثبوت ہیں۔

۳۰۔ ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی حضرت صالحؑ کو نبی بنا کر بھیجا اس نے ان سے کہا کہ اے میری قوم تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔

(سورۃ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۷۳)

اس آیت میں بھی حضرت صالحؑ پیغمبر کو قوم ثمود کا بھائی کہا گیا ہے اور حضرت صالحؑ نے خود ان کو اپنی قوم قرار دیا ہے۔ اور سابقاً وضاحت ہو چکی ہے کہ ایک کافر قوم اور کسی پیغمبر خدا کے درمیان انسانی رشتہ اور نوعی برادری کے علاوہ اخوت اور برادری کا کوئی معنی متحقق نہیں ہو سکتا۔ نیز کوئی کافر قوم ایک نبی کی قوم اس وقت کہی جا سکتی ہے جبکہ نبی اور وہ قوم ایک ہی نوع کے افراد ہوں۔ لہٰذا اس آیت کے ذریعہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت صالحؑ انسان تھے۔ معلوم ہوا کہ انبیاء کو نوع انسان سے تسلیم نہ کرنا قرآن پاک کی مخالفت ہے۔

۳۱۔ ﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ

غَیْرُ تَخْسِیْرٍ۔ وَیٰقَوْمِ ھٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمْ اٰیَۃً فَذَرُوْھَا تَاْکُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰہِ وَلَا تَمَسُّوْھَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ﴾

اور قوم ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس نے ان سے کہا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو۔ اسکے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہو سکتا۔ اس نے ہی تم کو زمین سے پیدا کیا اور تمہیں اس میں بسایا۔ لہٰذا تم اس سے مغفرت کی طلب کرو۔ پھر اس کی درگاہ میں عاجزی وزاری سے توبہ اختیار کرو۔ بے شک میرا رب قریب ہے اور ہر شخص کی دعا کو قبول کرنے والا ہے۔

انہوں نے کہا اے صالحؑ! اس سے پہلے تو تم سے ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ تو کیا "اب" تو ہمیں اس چیز کی عبادت سے بھی روکتا ہے کہ ہمارے آباؤاجداد جس کی عبادت کرتے آئے؟ اور تو جس کی ہمیں دعوت دیتا ہے اس کے متعلق ہم ایسے شک میں پڑے ہیں کہ اس نے ہمیں متحیر کر دیا ہے۔

حضرت صالحؑ نے فرمایا اے میری قوم! تم یہ تو سوچو کہ جب میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل رکھتا ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت "یعنی نبوت" بھی عطا فرمائی ہے۔ لہٰذا اگر پھر بھی میں اس کی نافرمانی کروں تو پھر کون ہے۔ جو عذاب خدا سے بچانے میں میری مدد کرے گا۔ تم تو میرے ضرر اور نقصان میں زیادتی کا باعث ہونے کے علاوہ مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکو گے۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی ایک اونٹنی ہے جو میری نبوت کی حقانیت کی تمہارے لیے دلیل اور خدا کا معجزہ ہے۔ اسے چھوڑ دو یہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرتی پھرے گی تم اسے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ۔ ورنہ بہت جلد ہی تمہیں اللہ تعالیٰ کا عذاب لے ڈالے گا۔

مقام استدلال:۔ ان آیات میں محل استدلال واستشہاد یہ ہے کہ حضرت صالحؑ نے قوم ثمود کو یوں خطاب کیا ہے۔ ﴿ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ حالانکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے زمین سے نہیں بلکہ ہر ایک کو اپنے اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا کیا تھا۔ لہٰذا حضرت صالحؑ نے ﴿ھُوَ اَنْشَاَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ﴾ کے الفاظ سے اسی لیے خطاب کیا کہ قوم ثمود حضرت آدمؑ کی اولاد تھے۔ اور حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ

نے زمین کی مٹی سے پیدا کیا تھا۔لہٰذا معلوم ہوا کہ اولاد آدمؑ کو جو خاکی انسان کہا جاتا ہے تو اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ ابوالبشر حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔لہٰذا قوم ثمود بھی محض اسی وجہ سے خاکی انسان کہلاتے تھے کہ وہ حضرت آدمؑ کی اولاد تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کو اس قوم کا بھائی کہا ہے۔چنانچہ فرمایا ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ﴾ اور ظاہر ہے کہ حضرت صالحؑ ان کے بھائی اسی اعتبار سے کیے جا سکتے ہیں کہ وہ اسی قوم کا ایک فرد ہے۔لہذا قوم ثمود حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کے باعث خاکی انسان تھے اسی طرح صالحؑ بھی حضرت آدمؑ کی اولاد اور قوم ثمود کا ایک فرد ہونے کے لحاظ سے خاکی انسان تھے۔حالانکہ وہ اپنی بلند روحانیت، علم و عرفان، ہدایت و رشد وغیرہ کمالات کے باعث باوجود خاکی ہونے کے نورانی مخلوق تھے۔مگر قوم ثمود ان اعتبارات کے لحاظ سے ناری اور ظلماتی تھے نوری نہیں تھے۔

پھر حضرت صالحؑ کی طرف سے ان آیات میں بھی قوم ثمود کو تین مرتبہ "یقوم" اے میری قوم کے لفظ سے خطاب ہوا ہے۔اور جیسا کہ سابقاً وضاحت ہو چکی ہے کہ حضرت صالحؑ ان کو اے میری قوم اسی اعتبار سے کہہ سکتے تھے کہ وہ انسانوں کا ایک ایسا گروہ تھا جن کا ایک فرد حضرت صالحؑ بھی تھے۔لہٰذا معلوم ہوا حضرت صالحؑ پیغمبر انسانی نوع کا ہی ایک فرد تھے۔لہٰذا یہ عقیدہ ان آیات کے اعتبار سے بھی خلاف قرآن پاک ہے کہ انبیاء نوع انسان سے نہیں ہیں۔

۳۲۔﴿كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان کو ان کے بھائی حضرت صالحؑ نے کہا کہ کیا تم عذاب خدا سے نہیں ڈرتے؟

(سورۃ الشعراء ۲۶۔آیت نمبر ۱۴۲،۱۴۱)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کو قوم ثمود کا بھائی کہا ہے۔اور تقریب

استدلال وہی ہے جو گزر چکی ہے۔ حضرت صالح ؑ ثمود کے بھائی اسی صورت کہے جا سکتے ہیں جبکہ انسانیت کا معنیٰ ملحوظ ہو۔ کیونکہ انسانیت کے علاوہ کوئی مفہوم ایسا نہیں جس کے لحاظ سے حضرت صالح ؑ قوم ثمود کے بھائی کہے جا سکیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اس آیت کے ذریعہ بھی حضرت صالح ؑ کی انسانیت ثابت ہے۔ لہٰذا یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ انبیاء نوع انسان سے نہیں۔

۳۳۔﴿قَالُوْا اِنَّمَا اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۔ مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

قوم ثمود نے کہا کہ تُو تو بس جادو کے مارے ہوئے لوگوں میں ہے اور نہیں ہے۔ تو مگر ہماری ہی شکل کا ایک انسان۔ لہٰذا تو اگر سچا ہے تو کوئی معجزہ لا دکھاؤ۔ (سورۃ الشعراء ۲۶۔ آیت نمبر ۱۵۳،۱۵۴)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح ؑ کے زمانے میں بھی کفار کا یہی نظریہ تھا کہ نبی وہ شخص نہیں ہو سکتا جو ہماری مثل انسان ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جا بجا اس نظریہ کو غلط قرار دے کر اس کی تردید فرمائی ہے جیسا کہ سابقہ آیات میں وضاحت ہو چکی۔ اور درج ذیل آیات سے بھی یہی ثابت ہے کہ ہر نبی انسان ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت صالح ؑ نبی بھی تھے اور انسان بھی۔

۳۴۔﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۔ قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾

بے شک قوم ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی حضرت صالح ؑ کو رسول بنا کر بھیجا کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ تو حضرت صالح ؑ کے یہ پیغام پہنچاتے ہی وہ دو گروہ ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔ تو حضرت صالح ؑ نے فرمایا کہ اے میری قوم! تم بہتری اور اچھائی سے پہلے برائی کے متعلق کیوں جلدی کرنے لگے ہو۔

(سورۃ النمل ۲۷۔ آیت نمبر ۴۵،۴۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت صالحؑ کو قوم ثمود کا بھائی کہا ہے۔اور حضرت صالحؑ نے ان کو اپنی قوم کہا ہے۔اور یہ دونوں باتیں اسی وقت صحیح ہو سکتی ہیں جبکہ حضرت صالحؑ انہیں میں سے انسان ہوں۔لہذا یہ کہنا غلط ہے کہ انبیاء نوع انسان سے نہیں ہوتے۔

حضرت ابراہیمؑ کی انسانیت

۳۵۔﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَآ اَکْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ﴾

کہ حضرت ابراہیمؑ نے جب آفتاب عالمتاب کو چمکتا دمکتا دیکھا تو ''استفہام انکاری کے طور پر'' فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ کیونکہ یہ تو ''ستارے اور ماہتاب دونوں سے'' بڑا بھی ہے۔لیکن جب سورج غروب ہو گیا تو فرمایا کہ اے میری قوم! میں تو ان چیزوں کو خدا تسلیم کرنے سے بیزار ہوں جن کو تم خدا کا شریک بناتے۔(سورۃ الانعام ۶۔آیت نمبر ۷۸)

محل استدلال:۔اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ نے ان مشرکین کو ''یقوم'' کہہ کر اپنی قوم بنایا ہے جو ستاروں، ماہتاب اور آفتاب کی پرستش کرتے تھے۔اور ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا یہ فرمانا اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب حضرت ابراہیمؑ نوع انسان کے فرد ہوں۔ کیونکہ وہ مشرکین نوع انسان ہی سے تھے۔اگر حضرت ابراہیمؑ نوع انسان سے نہ ہوتے تو ان لوگوں کو ''اے میری قوم'' کے الفاظ سے خطاب نہ کرتے۔لہذا اس آیت مبارکہ کی رو سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نوع انسان کے باکمال افراد میں سے تھے۔

۳۶۔﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ......﴾

حضرت ابراہیمؑ کی قوم نے حضرت ابراہیمؑ سے توحید خدا کے بارے میں جھگڑا کیا۔تو آپؑ نے فرمایا کہ تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کے متعلق جھگڑا کرتے ہو۔حالانکہ اس نے مجھے ہدایت کر دی ہے۔

(سورۃ الانعام ۶۔آیت نمبر ۸۰)

محل استدلال:۔ اس آیت میں لفظ "قومه" کے ذریعہ اللہ تعالٰی نے مشرکین کو حضرت ابراہیمؑ کی قوم قرار دیا ہے۔ اور یہ اسی صورت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ اور وہ مشرکین دونوں فریق نوع انسان سے ہوں۔ لہٰذا اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم نوع انسان سے تھے۔

۳۷۔ ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ﴾

یہ ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے خلاف عطا کی تھی۔ ہم اس کا درجہ بلند کر دیتے ہیں جسے چاہتے ہیں۔ بے شک تیرا رب حکیم اور علیم ہے۔ (سورۃ الانعام ۶۔ آیت نمبر ۸۳)

محل استدلال:۔ اس آیت میں بھی لفظ "قومه" کے ذریعہ مشرکین کو حضرت ابراہیمؑ کی قوم قرار دیا ہے۔ اور یہ اسی صورت درست ہو سکتا ہے۔ جبکہ حضرت ابراہیمؑ اور مشرکین ہر دو فریقین انسان ہوں۔ لہذا اس آیت سے بھی حضرت ابراہیمؑ کی انسانیت ثابت ہے۔ مگر حضرت ابراہیمؑ مثل دیگر انبیاءؑ کے کامل تر انسان تھے۔ اور ان کی قومیں ناقص تر انسان تھیں۔

۳۸۔ ﴿وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِىْ عَنْكَ شَيْئًا ۔ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَآءَنِىْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِىْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۔ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا۔ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا﴾

اے نبیؐ! قران پاک میں ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیجئے۔ بے شک وہ نبی تھے اور صدیق تھے۔ جبکہ انہوں نے اپنے چچا "آذر" سے کہا کہ اے چچا جان! ان بتوں کی پرستش اور پوجا کیوں کرتے ہو جو نہ کچھ سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں۔ نہ تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

چچا جان میرے پاس اللہ تعالی کی جانب سے وہ علم پہنچ چکا ہے جو تیرے پاس نہیں پہنچا۔لہذا میری اتباع کیجئے تو میں تمہیں صراط مستقیم کی رہبری کر دوں گا۔اے چچا جان! شیطان کو پوجا مت کرو۔ کیونکہ شیطان خداوند عالم کا نافرمان ہے۔اے چچا جان! مجھے خطرہ اور ڈر ہے کہ تم پر اللہ تعالی کی جانب سے عذاب نازل ہو جائے گا۔تو تم شیطان کے ساتھی بن جاؤ گے۔(سورۃ مریم ۱۹۔آیت نمبر ۴۱ تا ۴۵)

محل استشہاد:۔ان آیات میں اللہ تعالی نے "آذر" بت پرست کو حضرت ابراہیمؑ کا "اَبْ" "یعنی چچا کہا ہے۔اور اسی طرح حضرت ابراہیمؑ نے بھی "آذر" کو ان آیات میں چار مرتبہ "یـآبت" کے لفظ سے خطاب کیا ہے۔اگرچہ لفظ "اَبْ "کا حقیقی معنی باپ ہے۔لیکن یہاں حضرت ابراہیمؑ کا چچا مراد ہے۔کیونکہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ کا نام "تارخ" تھا۔اور "آذر" اس کا بھائی تھا۔حضرت ابراہیمؑ کا باپ "تارخ" مراد نہیں۔کیونکہ "تارخ" توحید پرست صاحب ایمان تھے۔اور جسے یہاں خطاب ہے وہ بت پرست مشرک تھا۔اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی بکثرت احادیث سے یہ ثابت ہے۔کہ حضرت خاتم الانبیاء آنحضرت محمد مصطفےؐ اور علی مرتضی سید الاوصیاءؑ کے والد حضرت عبداللہؑ اور حضرت ابو طالبؑ سے لے کر حضرت آدمؑ تک جتنے آباؤ اجداد گذرے سب مومن اور توحید پرست مسلمان تھے۔ان میں سے کوئی بھی مشرک کافر نہ تھا۔لہٰذا ان آیات میں جس شخص کو حضرت ابراہیم نے "یـآبت" کہہ کر خطاب کیا اور جسے اللہ تعالی نے "ابیہ" کے لفظ سے مراد لیا ہے۔وہ حضرت ابراہیمؑ کے والد "حضرت تارخ" نہیں بلکہ ان کا چچا "آذر" تھا۔

اور جب ثابت ہوا کہ اس سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا۔تو ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نوع انسان سے تھے۔کیونکہ ان کا چچا "آذر" مذکور انسان تھا۔اور جب "آذر" انسان تھا تو اس کا بھائی "حضرت تارخ" جو حضرت ابراہیمؑ کے والد تھے۔وہ بھی ضروری ہے کہ انسان ہوں۔کیونکہ وہ دونوں ایک باپ کے بیٹے تھے۔ورنہ آپس میں بھائی

نہیں ہو سکتے۔اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ ایک باپ کا ایک بیٹا انسان ہو اور دوسرا انسان نہ ہو کسی دوسری نوع سے ہو۔ نیز ایسا بھی نہیں ہو سکتا کہ کسی باپ کا بیٹا تو نوع انسان سے ہو مگر باپ کسی دوسری نوع سے ہو۔لہذا حضرت ابراہیمؑ بھی اسی طرح نوع انسان سے تھے۔جس طرح ان کے والد ''حضرت تارخ'' اور چچا ''آذر'' نوع انسان سے تھے۔اور جسطرح کہ ''حضرت تارخ'' کا والد اور حضرت ابراہیمؑ کا دادا ''ناخور'' نوع انسان سے تھے۔ پھر یہ کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت نوحؑ کی اولاد سے تھے۔اور حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے تھے۔اور حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کا انسان ہونا سابقہ آیات کے ذریعہ اظہر من الشمس ہو چکا ہے۔لہذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ باپ دادا تو سارے کے سارے انسان ہوں۔ مگر ان کا کوئی فرزند جو حضرت ابراہیمؑ جیسا با کمال ہوں وہ انسان نہ ہوں؟ "ایں خیال است و محال است جنون" لہذا ثابت ہوا کہ حضرت ابرہیمؑ ان آیات کی رُو سے بھی انسان تھے۔

۳۹۔ ﴿اِذْقَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاهٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَاعٰكِفُوْنَ﴾

جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اپنی قوم کو کہا کہ کیسی مورتیاں ہیں جن کی عبادت پر تم ڈٹے ہوئے ہو۔

(سورۃ الانبیاء ۲۱۔آیت نمبر ۵۲)

اس آیت میں بھی " لا بیه " سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا چچا ''آذر'' ہے۔اور اس کا انسان ہونا حضرت ابراہیمؑ کی انسانیت کو مستلزم ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کو لفظ " قومه " کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کی قوم قرار دیا ہے۔اور اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بھی ان کیطرح ہی نوع انسان سے تھے۔ ورنہ وہ بت پرست حضرت ابراہیمؑ کی قوم نہیں کہے جا سکتے۔لہذا اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ نوع انسان سے تھے۔مگر حضرت ابراہیمؑ نوری انسان تھے۔اور کفار نوری نہیں ناری اور ظلماتی انسان تھے۔

۴۰۔ ﴿وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِیْمَ ۔ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَاتَعْبُدُوْنَ ۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ﴾

اے نبیؐ! ان لوگوں کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کا قصہ بیان کیجیے۔ جب کہ اس نے اپنے چچا ''آذر'' اور اپنی قوم کو کہا کہ یہ تم کس چیز کی عبادت کر رہے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم بتوں کی عبادت کر رہے ہیں اور اسی پر ڈٹے رہیں گے۔ (سورۃ الشعرآء ۲۶۔ آیت نمبر ۶۹ تا ۷۱)

اس آیت میں بھی مثل آیت سابقہ ''آذر'' کو حضرت ابراہیمؑ کا چچا اور بُت پرست انسانوں کو حضرت ابراہیمؑ کی قوم کہا گیا۔ اور یہ دونوں چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے نوع انسان سے ہونے کو ثابت کرتی ہیں۔ جیسا کہ سابقاً واضح ہو چکا۔

۴۱۔ ﴿وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ حضرتؑ نے فرمایا کہ اے پروردگار میرے چچا ''آذر'' کو بخش دیجئے گا بے شک وہ گمراہوں میں سے تھا۔ (سورۃ الشعرآء ۲۶۔ آیت نمبر ۸۶)

اس آیت میں بھی ''آذر'' کو حضرت ابراہیمؑ کا چچا قرار دیا گیا ہے۔ جس سے مثل سابق حضرت ابرہیمؑ کی انسانیت ثابت ہوتی ہے۔

۴۲۔ ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ﴾

اور ابراہیمؑ کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے عذاب سے ڈرو۔ (سورۃ العنکبوت ۲۹۔ آیت نمبر ۱۶)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بت پرست انسانوں کو حضرت ابراہیمؑ کی قوم کہا ہے۔ جو کہ اسی صورت درست ہو سکتا ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ بھی نوع انسان سے ہوں۔ اگر حضرت ابراہیمؑ نوع انسان سے نہ ہوتے تو انسان کو ان کی قوم نہ کہا جاتا۔ کیونکہ کبھی جنوں یا ملائکہ وغیرہ کو کسی نبی کی قوم نہیں کہا گیا۔ جب کہا گیا تو نوع انسانوں ہی کو کسی نبی کی قوم کہا گیا۔

۴۳۔ ﴿فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ﴾

تو حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ انہوں نے کہا ابراہیمؑ کو قتل کر دو یا اسے آگ میں جلا دو۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے آگ سے نجات دے دی۔ (سورۃ العنکبوت ۲۹۔ آیت نمبر ۲۴)

اس آیت میں بھی ان مشرک انسانوں کو ہی حضرت ابراہیمؑ کی قوم کہا گیا ہے۔ لہٰذا اس آیت سے بھی مثل آیات سابقہ حضرت ابراہیمؑ کی انسانیت ثابت ہے۔

۴۴۔ ﴿اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ۔ اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِیْدُوْنَ﴾

جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کس چیز کی عبادت کرتے ہو۔ کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جھوٹے خداؤں کی عبادت کا ارادہ کرتے ہو۔ (سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷۔ آیت نمبر ۸۶،۸۵)

اس آیت میں بھی مثل سابق آیات کے ''آذر'' کو ابراہیمؑ کا چچا کہا ہے۔ اور بت پرست انسانوں کو حضرت ابراہیمؑ کی قوم اور مثل سابقہ آیات کے اس آیت سے بھی انسانیت حضرت ابراہیمؑ ثابت ہے۔

۴۵۔ ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ﴾ اور جبکہ ابراہیمؑ نے اپنے چچا اور اپنی قوم سے کہا کہ میں اس سے بیزار ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ (سورۃ الزخرف ۴۳۔ آیت نمبر ۲۶)

یہ آیت بھی آیت سابقہ کی طرح حضرت ابراہیمؑ کی انسانیت کو ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ''آذر'' کو حضرت ابراہیمؑ کا چچا اور بت پرستوں کو ان کی قوم کہا گیا ہے۔ اور ''آذر'' بھی انسان تھا اور وہ بت پرست بھی۔ اور ظاہر ہے کہ انسان اسی شخص کا حقیقی چچا ہو سکتا ہے جو انسان ہو۔ نیز انسان اسی شخص کی قوم بن سکتے ہیں جو انسان ہو۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ ''آذر'' بت پرست اور حضرت ابراہیمؑ یہ سب نوع انسان کے ہی افراد تھے۔ اگر فرق ہے تو نوری اور ناری ہونے کا ہے۔ کیونکہ ابراہیمؑ نوری انسان تھے اور وہ دوسرے ناری۔

۴۶۔ ﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ

وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ﴾

اے مسلمانو! تمہارے لیے حضرت ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں "کے قول وکردار" کا اچھا نمونہ موجود ہے۔ جبکہ حضرت ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر تم جس چیز کی عبادت کرتے ہو ہم اس سے بیزار ہیں۔ ہم "تمہارے دین اور" تم سے بیزار ہیں۔ ہمارے اور تمہارے درمیان عداوت اور بغض اسی وقت تک کھل چکا اور کھلے بندوں قائم ہو چکا ہے۔ تا آنکہ تم توحید خدا پر ایمان لاؤ۔ ہاں ابراہیمؑ نے اپنے چچا سے جو کہا تھا کہ میں تیرے لیے استغفار کروں گا۔ اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے تیرے متعلق کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا یہ ہمیں تسلیم ہے۔ (سورۃ الممتحنۃ ۶۰۔ آیت نمبر ۴)

اس آیت میں یہ الفاظ محل استدلال ہیں۔ (۱) لقومھم (۲) لابیہ۔

لقومھم کے لفظ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کو حضرت ابراہیمؑ اور اس کے ساتھیوں کی قوم قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ وہ بت پرست کافر تھے۔ لہذا ماننا پڑتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بھی انسان تھے۔ اور ان کے یہ ساتھی بھی انسان تھے۔

اور لفظ "لابیہ" میں "آذر" بت تراش کو حضرت ابراہیمؑ کا چچا بنایا۔ جس کی توضیح بارہا سابقاً ہو چکی کہ وہ بھی حضرت ابراہیمؑ کے انسان ہونے کو مستلزم ہے۔

۴۷۔ ﴿مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ وَلَوْ کَانُوْٓا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ وَمَا کَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ﴾

نہ ہی نبیؐ پاک کے لیے اور نہ ہی اہل ایمان کے لیے جائز ہے کہ وہ مشرکین کے لیے طلب مغفرت کریں۔ بعد اس کے کہ ان کے اہل جہنم ہونے کا پتہ چل جائے۔ اور ان کی یہ حقیقت واضح ہو جائے۔ اگرچہ کہ وہ مشرکین نبیؐ پاک اور اہل ایمان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اپنے چچا "آذر" کے لیے جو استغفار کی تھی۔ تو وہ اس وعدے کے باعث تھی جو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے کیا تھا۔

لیکن جب یہ امر واضح ہو گیا کہ وہ دشمن خدا ہے تو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے بیزاری اختیار کر لی۔

(سورۃ التوبہ ۹۔ آیت نمبر ۱۱۳،۱۱۴)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے ''آذر'' کو حضرت ابراہیمؑ کا چچا قرار دیا ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ کی انسانیت کو مستلزم ہے۔ جیسا کہ بارہا وضاحت ہو چکی۔

حضرت ابراہیمؑ چونکہ حضرت نوحؑ کی اولاد میں سے تھے۔ اور حضرت نوحؑ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے تھے۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ بھی حضرت آدمؑ کی اولاد سے تھے۔ اور حضرت آدمؑ کی ساری اولاد اس لیے خاکی کہلاتی ہے کہ حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا تھا۔ لہٰذا حضرت ابراہیمؑ بھی مثل حضرت نوحؑ اور دیگر انبیاءؑ کے خاکی مخلوق تھے۔ یہ کوئی پیچیدہ اور الجھن کا مسئلہ نہیں ہے۔ باوجودیکہ سارے انبیاءؑ اس اعتبار سے نوری مخلوق ہوتے ہیں کہ وہ نور نبوت و رسالت، علم و عرفان ہدایت و رشد، صلاح و تقویٰ وغیرہ کمالات کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ خاکی مخلوق بھی ہیں اور نوری بھی۔

حضرت لوط علیہ السلام کی انسانیت

۴۸۔﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۔ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۔ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾

اور لوطؑ کو ہم نے رسول بنا کر بھیجا۔ جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم بدکاری "لواط" کا ارتکاب کرتے ہو ؟ تم سے پہلے اس خباثت کا تمام عالمین میں سے کسی نے ارتکاب نہیں کیا۔ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کو اپنی شہوت کا نشانہ بناتے ہو۔ بلکہ تم اسراف کنندہ "بیج انسانی کو بے محل ضائع کرنے والی" قوم ہو۔ اس کی قوم کا سوائے اس کے کوئی جواب نہ تھا کہ کہا ان کو اپنی بستی سے نکال دو۔ کیونکہ یہ پاکیزگی اور طہارت کو پسند کرنے والے لوگ ہیں۔ (سورۃ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۸۰ تا ۸۲)

ان آیات میں ان بدکار انسانوں کو دو مرتبہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کہا ہے۔ اگر حضرت لوطؑ انسان نہ ہوتے تو ان لوگوں کو لوطؑ کی قوم کہنا درست نہ ہوتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت لوطؑ پیغمبر بھی تھے، انسان بھی تھے، ہاں مگر نوری تھے۔

۴۹۔﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ﴾

کہ جب حضرت ابراہیمؑ کا خوف جاتا رہا اور اللہ کی طرف سے اسے بشارت فرزند بھی پہنچ گئی تو وہ لوطؑ کی قوم کے متعلق ہم سے جھگڑا کرنے لگے۔ (سورۃ ہود ۱۱۔ آیت نمبر ۷۴)

اس آیت میں بھی ان بدکاروں کو اللہ تعالیٰ نے لوطؑ کی قوم سے تعبیر کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ انسان تھے۔ لہٰذا حضرت لوطؑ بھی انسان تھے۔ اگرچہ یہ کامل تر انسان تھے وہ ناقص تر۔

۵۰۔﴿وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ﴾

اور حضرت لوطؑ کی قوم دوڑی ہوئی ان کے پاس آئی۔ اور وہ پہلے ہی سے برائیاں کیا کرتے

تھے۔ تو حضرت لوطؑ نے ان سے کہا کہ اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں۔ "ان سے نکاح کرلو"۔ یہ تمہارے لئے پاکیزہ ہیں۔ اور خوف خدا کرو "بدکاری سے بچو" اور میرے مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ (سورۃ ہود ۱۱۔ آیت نمبر ۷۸)

اس آیت میں بھی ان بدکاروں کو اللہ تعالیٰ نے لوطؑ کی قوم سے تعبیر کیا ہے۔ اور حضرت لوطؑ نے خود بھی ان کو اے میری قوم کہہ کر خطاب کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وہ انسان تھے۔ لہٰذا حضرت لوطؑ کا انسان ہونا اس آیت کے ذریعہ بھی ثابت ہے۔

۵۱۔ ﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ﴾ لوطؑ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب کہ ان کے بھائی لوطؑ نے ان سے کہا کہ کیا تم خوف خدا نہیں رکھتے؟۔

(سورۃ الشعراء ۲۶۔ آیت نمبر ۱۶۰، ۱۶۱)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس بدکار قوم کو لوطؑ کی قوم کہا ہے۔ اور حضرت لوطؑ کو ان کا بھائی کہا ہے۔ اس قوم کے انسان کی نوع میں سے ہونے میں شک نہیں۔ اور اگر حضرت لوطؑ بھی نوع انسان سے نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کو حضرت لوطؑ کی قوم اور حضرت لوطؑ کو ان کا بھائی نہ کہتا۔ لہٰذا اس آیت سے بھی ثابت ہے کہ حضرت لوطؑ نوع انسان سے تھے۔

۵۲۔ ﴿وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۔ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ﴾

اور لوطؑ کو رسول بنا کر بھیجا۔ جبکہ اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا تم سوجھ بوجھ رکھتے ہوئے یہ بدکاری کرتے ہو؟ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کو اپنی شہوت کا نشانہ بناتے ہو؟ بلکہ تم جاہل قوم ہو۔ تو ان کی قوم کا اس کے علاوہ کوئی جواب نہ تھا کہ انہوں نے کہا کہ آلِ لوطؑ کو اپنے گاؤں سے نکال دو۔ کیونکہ وہ ایسے انسان ہیں جو پاکیزہ بننا چاہتے ہیں۔ (سورۃ النمل ۲۷۔ آیت نمبر ۵۴ تا ۵۶)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس جاہل اور بدکار قوم کو دو مرتبہ حضرت لوطؑ کی قوم فرمایا ہے۔ اور سابقاً بارہا تحریر ہو چکا کہ وہ حضرت لوطؑ کی قوم اسی صورت میں ہو سکتے

ہیں جب حضرت لوطؑ نوع انسان سے ہوں۔(نیز آل لوطؑ کو "اُناس" فرمایا ہے۔یعنی پاکیزہ انسان قرار دیا ہے۔)

۵۳۔﴿وَلُوْطًا اِذْقَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَاسَبَقَكُمْ بِهَامِنْ اَحَدٍمِّنَ الْعٰلَمِيْنَ۔ اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُوْنَ السَّبِيْلَ وَتَاْتُوْنَ فِیْ نَادِيْكُمُ الْمُنْكَرِ فَمَاكَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾

اور حضرت لوطؑ کا ذکر کرو۔جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اس فحش بدکاری کا ارتکاب کرتے ہو۔تم سے پہلے تمام عالمین سے کسی شخص نے اس بدکاری کا ارتکاب نہیں کیا۔کیا تم مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو۔اور راہزنی کا ارتکاب کرتے ہو۔اور اپنی مجلس میں علی الاعلان اسی برائی کو بجالاتے ہو۔تو حضرت لوطؑ کی قوم کا اسکے علاوہ کوئی جواب نہ تھا کہ انہوں نے کہا۔اگر تم سچے ہوتو عذاب خدا ہمارے پاس لے آؤ۔(سورۃ العنکبوت ۲۹۔آیت نمبر ۲۹،۲۸)

ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے دومرتبہ اس بدکار قوم کو حضرت لوطؑ کی قوم کہا ہے۔ لہٰذا سابقہ آیات کی طرح ان آیات سے بھی ثابت ہے کہ حضرت لوطؑ نوع انسان سے تھے۔

۵۴۔﴿كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍ بِالنُّذُرِ﴾ کہ لوط علیہ السلام کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔
(سورۃ القمر ۵۴۔آیت نمبر ۳۳)

اس آیت میں بھی اس کافر قوم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت لوطؑ کی قوم کہا۔لہٰذا اس سے بھی مثل سابق ثابت ہے کہ حضرت لوطؑ انسانی نوع سے ہی تھے۔ان تمام آیات سے یہ مضمون مثل روز روشن واضح ہے کہ حضرت لوطؑ بھی مثل دیگر انبیاء کے نوع انسان سے تھے۔ اور تمام انسان حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔جن کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔اور چونکہ پہلا انسان جو ابوالبشر ہے مٹی سے پیدا ہوا۔اس لئے تمام انسانوں کو خاکی مخلوق کہا جاتا ہے۔اگرچہ کہ نورانیت کے اعتبار سے فرق ہے۔کیونکہ کفار سب کے سب ناری ہیں۔اور مومنین سارے نوری۔پھر نوریوں کے مختلف مدارج ہیں۔جس کی تفصیل اپنے مقام پر انشاء اللہ واضح کی جائے گی۔

حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ وغیرہ کی انسانیت

یہ سب انبیاءؑ ہیں۔ جو حضرت ابراہیمؑ کی اور پھر حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کی اولاد تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ کی انسانیت و بشریت بذریعہ آیات قرآن پاک سابقاً واضح ہو چکی۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ باپ دادا نوع انسان سے ہوں۔ مگر ان کی اولاد انسان نہ ہو۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت یوسفؑ وغیرہ بھی نوع انسان سے تھے۔ اور ان حضرات کے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے لئے ملاحظہ ہو۔

۵۵۔ ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ۔ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

اور ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو اسحاقؑ اور یعقوبؑ "بیٹا اور پوتا دونوں" عطا فرمائے۔ ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی۔ اور نوحؑ کو پہلے ہدایت کی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے داؤدؑ، سلیمانؑ ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ کو ہدایت کی۔ اور ہم محسنین کو اسی طرح جزاء دیتے ہیں۔ اور زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو ہدایت کی۔ ان میں ہر ایک کو ہم نے اس زمانے میں تمام عالمین پر فضیلت دی۔ اور ان کے آباؤ اجداد، ان کی اولاد اور ان کے بھائی بندوں میں سے بہتیروں کو فضیلت عطا فرمائی۔ اور ان کو منتخب کیا۔ اور صراط مستقیم کی ہدایت بھی کی۔ (سورۃ الانعام ۶۔ آیت نمبر ۸۴ تا ۸۷)

ان آیات میں جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے ان میں سے حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کے علاوہ دیگر تمام انبیاءؑ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں شامل ہیں۔ حتیٰ کہ حضرت عیسیٰؑ بھی اپنی والدہ حضرت مریمؑ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں داخل ہیں۔ اور والد تو حضرت عیسیٰؑ کا کوئی تھا ہی نہیں۔ اور حضرت لوطؑ اور حضرت ابراہیمؑ خالہ زاد بھائی تھے۔ یا بقول انکے بھتیجے تھے۔ اس لئے وہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں شامل ہیں۔ کیونکہ ذریت اقارب کو کہتے ہیں۔ لہٰذا یہ سب انبیاءؑ نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے آباء و اجداد حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ تک سارے کے سارے انسان ہوں۔ اور ان کی اولاد اور دیگر رشتہ دار انسان نہ ہوں۔

۵۶۔ ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾

یا کیا تم اس وقت حاضر تھے جب حضرت یعقوبؑ کی موت کا وقت آیا۔ جبکہ اس نے اپنے فرزندوں سے کہا کہ تم کس کی عبادت کرو گے۔ تو انہوں نے کہا کہ ہم اس اللہ جل شانہ کی عبادت کریں گے جو تیرا بھی معبود ہے اور تیرے آباء و اجداد حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کا بھی معبود ہے۔ کہ جو معبود برحق ہونے میں منفرد اور یکتا و یگانہ ہے۔ اور ہم اسی کے لئے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۱۳۳)

اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ ہر سہ حضرات کو حضرت یعقوبؑ کے آباء و اجداد قرار دیا گیا۔ مگر حضرت اسماعیلؑ درحقیقت حضرت یعقوبؑ کے چچا تھے۔ کیونکہ وہ حضرت اسحاقؑ کے بھائی تھے۔ ان کو مجازاً حضرت یعقوبؑ کا "اب" کہا گیا ہے۔ جیسے کہ "آذر" کو مجازاً حضرت ابراہیمؑ کا "اب" کہا گیا۔ حالانکہ وہ بھی

حضرت ابراہیمؑ کا چچا تھا باپ نہ تھا۔ جیسا کہ اسکا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت یعقوبؑ یہ سب انبیاءؑ نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ یہ سب ابوالبشر حضرت آدمؑ کی اولاد تھے۔

۵۷۔﴿قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾

حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ سے کہا اے میرے بیٹے! اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کیجئے گا۔ ورنہ وہ تمہارے لئے مکاری کی تدبیریں سوچنے لگیں گے۔ بیشک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ ایسا ہی ہوگا کہ تمہارا پروردگار تمہیں برگزیدہ کرے گا۔ اور تمہیں خوابوں کی تعبیر کی تعلیم دے گا۔ اپنی نعمت تم پر اور آلِ یعقوبؑ پر اسی طرح تا حد کمال پہنچا دے گا۔ جس طرح اس سے قبل آپ کے باپ، دادا پر کامل کر چکا۔ بے شک تیرا رب علیم اور حکیم ہے۔ (سورہ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۵،۶)

اس آیت میں حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو "یَابُنَیَّ" اے میرے بیٹے کہہ کر خطاب کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کے فرزند تھے۔ پھر فرمایا "علی اخوتك" کہ اپنے بھائیوں سے خواب بیان نہ کیجئے گا۔ معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ کے دوسرے فرزند بھی تھے۔ جو حضرت یوسفؑ کے بھائی تھے۔ اور انہوں نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ جیسے کہ اس سورہ میں بعد کو مذکور ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے یہ بھائی نوع انسان سے تھے یا کسی اور نوع سے؟۔ اور جب وہ یقیناً نوع انسان سے تھے دیگر کسی نوع سے ہو نہیں سکتے۔ تو پھر ماننا پڑے گا کہ حضرت یوسفؑ بھی نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی باپ کی اولاد

ہو مگر کچھ انسان کی نوع سے ہوں اور کچھ دیگر کسی نوع سے۔ اور پھر جب حضرت یوسفؑ کا نوع انسان سے ہونا ضروری ہوا تو لازماً ان کے باپ حضرت یعقوبؑ کو بھی نوع انسان سے ہی مانا جائیگا۔ اور ان کے باپ دادا حضرت اسحاقؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا بھی نوع انسان سے ہونا ضروری ہوگا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی ساری اولاد اور ان کے تمام آباءواجداد کا بھی نوع انسان سے ہونا ضروری ہوگا۔

۵۸۔ ﴿لَقَدْ كَانَ فِىْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۔ اِذْقَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۔ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ﴾

بے شک یوسفؑ اور ان کے بھائیوں'' کے واقعات'' میں سوال کرتے والوں کے لئے ''حقانیت آنحضرت محمد مصطفیؐ کے'' دلائل موجود ہیں۔ جبکہ ان کے سوتیلے بھائیوں نے کہا کہ یوسفؑ اور اس کا حقیقی بھائی'' بنیامین'' ہمارے باپ کو ہماری نسبت زیادہ پیارے ہیں۔ حالانکہ ہم ایک جماعت ہیں۔ بے شک ہمارا باپ اس معاملہ میں کھلی گمراہی میں ہے۔ یوسفؑ کو قتل کرڈالو یا اسے کسی نامعلوم زمین میں پہنچادو تو تمہارے باپ کی توجہ تمہاری طرف فارغ ہو جائے گی۔ اور اس کے بعد تم صالح قوم بن جاؤ گے۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۷ تا ۹)

ان آیات میں درج ذیل الفاظ سے حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کا نوع انسان سے ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اخوہ ، اخوتہ ، ابینا ، ابانا ، ابیکم ،

ان الفاظ میں حضرت یوسفؑ کے حقیقی بھائی کو بھی اور اس کے ان سوتیلے بھائیوں کو بھی حضرت یوسفؑ کا بھائی کہا گیا ہے۔ جنہوں نے اسے کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت یوسفؑ کے یہ ہر دو قسم کے بھائی نوع انسان سے تھے۔ اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی تو انسان ہوں مگر حضرت یوسفؑ انسان نہ ہوں۔ اس لئے ثابت

ہوا کہ حضرت یوسفؑ بھی انسان تھے۔

نیز حضرت یعقوبؑ کو اس کے ان لڑکوں کا باپ کہا گیا ہے۔ جنہوں نے حضرت یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈالا تھا۔ اور وہ انسان تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ بھی انسان تھے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ بیٹے تو انسان ہوں مگر باپ انسان نہ ہو۔

۵۹۔ ﴿قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى یُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ﴾

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا۔ اے ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپ یوسفؑ کے بارے میں ہم پر اعتماد اور بھروسہ نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم تو اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

(سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۱۱)

اس آیت میں بھی حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا باپ کہا گیا ہے۔ اور وہ انسان ہی کی نوع سے تھے۔ اس لیے لازم ہے کہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ دونوں بھی نوع انسان سے ہوں۔ کیونکہ بیٹے جب انسان ہوں تو باپ کا انسان ہونا لازمی ہے۔

﴿قَالُوْا یٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا یُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾

حضرت یوسفؑ کے بھائیوں نے کہا کہ ابا جان! ہم مقابلے کی دوڑ لگانے کے لیے چلے گئے۔ اور حضرت یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گے۔ تو اسے بھیڑیا کھا گیا۔

(سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۱۷)

اس آیت میں بھی مثل آیات سابقہ حضرت یعقوبؑ کو برادران یوسفؑ نے اپنا باپ کہا۔ حالانکہ وہ انسان تھے۔ لہذا ضروری ہے کہ حضرت یعقوبؑ بھی انسان ہوں۔ جیسا کہ سابقہ وضاحت ہوچکی۔

۶۰۔ ﴿وَ جَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَ اَنَا خَیْرُ

الْمُنْزِلِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِہٖ فَلَا کَیْلَ لَکُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ۔ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْہُ اَبَاہُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ﴾

جب حضرت یوسفؑ کے بھائی "غلہ خریدنے کے لیے مصر میں" آئے۔ اور حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے۔ تو حضرت یوسفؑ نے ان کو پہچان لیا۔ مگر وہ حضرت یوسفؑ کو نہ پہچان سکے۔ اور جب یوسفؑ نے ان کو ان کا مطلوبہ غلہ تیار کر دیا" اور وہ رخصت ہونے لگے" تو حضرت یوسفؑ نے ان سے کہا کہ تمہارا جو پدری بھائی ہے "بنیامین" اسے آئندہ میرے پاس لے آیئے گا۔ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں غلہ بھی پورا پورا ماپ کر دیتا ہوں۔ اور میں بہترین مہمان نواز بھی ہوں۔ اور تم اگر اپنے اس پدری بھائی کو میرے پاس نہیں لاؤ گے تو پھر تمہارے لیے میرے ہاں کوئی غلہ نہ ہوگا۔ اور تم میرے قریب تک نہ پہنچ سکو گے۔ انہوں نے کہا کہ اچھا اسے لانے کے لیے اس کے باپ سے کوئی چال چلیں گے۔ اور ہم ایسا ضرور کریں گے۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۵۸ تا ۶۱)

ان آیات میں درج ذیل الفاظ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کے انسان ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اخوۃ یوسف ، باخ لکم ، اباہ ،

اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کے ان فرزندان کو جنہوں نے حضرت یوسفؑ کو چاہ میں ڈال دیا تھا یوسفؑ کا بھائی کہا۔ اور حضرت یوسفؑ نے "بنیامین" کو ان کا پدری بھائی کہا۔ اور انہوں نے حضرت یعقوبؑ کو "بنیامین" کا باپ کہا۔ یہ سب کچھ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ نوع انسان سے ہوں۔ جیسے سابقاً توضیح ہو چکی۔ کیونکہ انسان کا بھائی بھی انسان ہوتا ہے۔ اور انسان کا باپ بھی انسان۔

۶۱۔ ﴿فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْھِمْ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْکَیْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَکْتَلْ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ قَالَ ھَلْ اٰمَنُکُمْ عَلَیْہِ اِلَّا کَمَآ اَمِنْتُکُمْ عَلٰٓی اَخِیْہِ مِنْ قَبْلُ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَھُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَھُمْ رُدَّتْ

إِلَيْهِمْ قَالُوْا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِيْ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيْرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ﴾

جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس آئے تو اس سے کہا کہ ابا جان! آئندہ غلّہ کی ہمارے لیے ممانعت ہو گئی ہے۔لہذا آپ ہمارے بھائی ''بنیامین'' کو ہمارے ساتھ بھیجیں تاکہ ہم غلّہ حاصل کر سکیں۔اور ہم ضرور اس کی حفاظت کریں گے۔حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کیا اس کے متعلق میں تمہارے اوپر اسی طرح اعتماد کر سکتا ہوں جس طرح کہ اس کے بھائی ''یوسفؑ'' کے متعلق تم پر اعتماد کیا تھا۔اللہ تعالیٰ بہترین حفاظت کرنے والا ہے۔اور وہ تمام مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی ان کی طرف لوٹا دی گئی ہے۔تو انہوں نے اپنے والد سے کہا کہ ابا جان ہمیں اور کیا چاہیے؟۔یہ ہماری پونجی بھی واپس دے دی گئی ہے۔اب اگر آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجیں تو ہم اپنے اہل وعیال کے لیے غلّہ بھی لے آئیں۔اور اپنے بھائی کی پوری پوری حفاظت بھی کریں۔اور ایک بارِ شتر غلّہ مزید بھی لے آئیں۔(سورۃ یوسف ۱۲۔آیت نمبر ۶۳ تا ۶۵)

ان آیات میں درج ذیل الفاظ سے حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی انسانیت ثابت ہے۔ أبیهم ، یاأبانا۔

یہ لفظ دو مرتبہ ان آیات میں وارد ہوا ہے۔حضرت یعقوبؑ کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ان لڑکوں کا باپ کہا ہے۔جو حضرت یوسفؑ کے پاس اس وقت غلّہ خریدنے کے سلسلہ میں مصر گئے تھے۔اور وہ یقیناً نوع انسان سے تھے۔اور انہوں نے خود بھی حضرت یعقوبؑ کو اپنا باپ کہا ہے۔اور ظاہر ہے کہ انسانوں کا باپ انسان ہی ہوتا ہے۔اور اسی طرح انسانوں کا بھائی بھی انسان ہی ہوتا ہے۔لہذا حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ دونوں پیغمبر اور انسان تھے۔کیونکہ حضرت یعقوبؑ ان کے باپ اور حضرت یوسفؑ ان کے بھائی تھے۔

۶۲۔﴿وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ......﴾

اور حضرت یعقوبؑ نے کہا کہ اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے سب کے سب داخل نہ

ہونا، مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۶۷ تا ۷۰)

اس آیت میں حضرت یعقوبؑ نے اپنے ان لڑکوں کو جو انبیاء نہیں تھے اور انہوں نے ہی حضرت یوسفؑ کو کنویں میں ڈالا تھا۔ اور اب مصر میں غلّہ خریدنے کے لیے دوبارہ جارہے تھے۔ اپنا بیٹا فرمایا اور ان کے نوع انسان سے ہونے میں شک نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ بھی انسان تھے۔ ﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ﴾

''اور جب وہ مصر میں اس طرح داخل ہوئے جس طرح ان کو ان کے باپ یعقوبؑ نے حکم دیا تھا''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کو ان کا باپ قرار دیا ہے۔

﴿وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾

اور جب وہ حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے اپنے مادری پدری بھائی کو اپنے پاس بٹھایا۔ اور ''چپکے سے'' اسے کہہ دیا کہ میں تیرا بھائی ''یوسفؑ'' ہوں۔ لہٰذا جو کچھ ''بدسلوکیاں'' یہ کرتے رہے ہیں تم اس کا رنج نہ کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بھی حضرت یوسفؑ کو ''بنیامین'' کا بھائی کہا۔ اور حضرت یوسفؑ نے خود بھی اپنے آپ کو اس کا بھائی کہا۔

﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ﴾

اور جب حضرت یوسفؑ نے ان کو ان کا ''غلّہ وغیرہ'' تیار کر کے دے دیا۔ تو اپنا پانی پینے کا کٹورہ اپنے بھائی ''بنیامین'' کے سامان میں رکھوا دیا۔ پھر ایک منادی نے ندا دی کہ اے قافلہ والو! تم تو چور ہو۔

اس آیت میں ''رَحْلِ اَخِيْهِ'' کے الفاظ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ''بنیامین'' کو حضرت یوسفؑ کا بھائی کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت بنیامینؑ انسانی نوع میں سے ایک انسان تھے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ حضرت یوسفؑ بھی انسان تھے۔ کیونکہ انسان کا بھائی وہی ہوتا ہے جو انسان ہو۔

۶۳۔﴿فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَاءِ اَخِیْهِ كَذٰلِكَ كِدْ نَا لِیُوْسُفَ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾

حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائی ''بنیامین'' کے سامان سے پہلے اپنے ان ''سوتیلے بھائیوں'' کی تلاشی لینی شروع کی۔اور پھر بعد کو وہ پیالہ اپنے بھائی ''بنیامین'' کے سامان سے نکال برآمد کر دیا۔ہم نے یوسفؑ کو۔۔۔اپنے بھائی کے روکنے کی ''یوں تدبیر سجھائی۔ورنہ وہ بادشاہ مصر کے قانون کے مطابق تو اپنے بھائی کو پکڑ کر ''روک'' ہی نہیں سکتے تھے۔ہاں مگر اللہ چاہتا تو پھر سب کچھ ہو سکتا تھا۔

(سورۃ یوسف ۱۲۔آیت نمبر ۷۶)

ان آیات میں لفظ ''اخیـہ'' اور ''أخـاہ'' کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ''بنیامین'' کو حضرت یوسفؑ کا بھائی کہا ہے۔اور وہ انسان تھے۔جیسا کہ بارہا تذکرہ ہو چکا۔لہٰذا حضرت یوسفؑ کا بھی انسان ہونا ضروری ہے۔کما سبق۔

آیت نمبر ۷۷:۔﴿قَالُوْٓا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ﴾

حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی یوسفؑ نے بھی چوری کی تھی۔

اس آیت میں حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو ''بنیامین'' کا بھائی کہا ہے۔لہذا یہ آیت بھی اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے۔جس پر سابقہ آیات دلالت کرتی ہیں۔

۶۴۔﴿قَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ﴾

انہوں نے کہا کہ اے عزیز مصر اس ''بنیامین'' کا باپ بہت بوڑھا ضعیف ہے ''اسے اس کے باعث بڑا صدمہ ہوگا''۔لہذا اس کے بدلے تو ہم میں سے کسی ایک کو گرفتار کر لے۔

(سورۃ یوسف ۱۲۔آیت نمبر ۷۸)

اس آیت میں بھی حضرت یعقوبؑ کو ''بنیامین'' کا باپ کہا گیا ہے۔جو حضرت یعقوبؑ کی

انسانیت پر دال ہے۔

۲۵۔﴿قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۔ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ......﴾

حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں میں سے جو بڑا تھا اس نے اپنے دوسرے بھائیوں سے کہا کہ تمہارے باپ نے ''بنیامین'' کی حفاظت کے متعلق تم سے اللہ تعالیٰ کا عہد لیا تھا۔ اور اس سے پہلے تم یوسفؑ کے بارے میں جو تقصیر کر چکے ہو۔ ''اسکا بھی اسے صدمہ ہے''۔ لہذا میں تو اس سر زمین مصر میں ہی رہ جاؤنگا۔ یہاں سے اس وقت تک نہیں جاؤنگا جب تک میرا باپ مجھے اجازت نہ دے یا جب تک کہ اللہ تعالیٰ میرے متعلق کوئی فیصلہ نہ کر دے۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے۔ تم اپنے باپ کے پاس جاؤ۔ اور اسے کہو کہ اے ابا جان! تیرے فرزند نے تو چوری کر لی۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۸۰، ۸۱)

ان آیات میں یہ الفاظ "اباکم ، أبي، ابیکم ، ابنك" سابقہ آیات کی مثل حضرت یعقوبؑ کی انسانیت پر دال ہیں۔ کیونکہ انسانوں کا باپ وہی ہوتا ہے جو انسان ہو۔ اور انسان جس کا بیٹا ہوتا ہے وہ بھی انسان ہی ہوتا ہے۔ اور ان آیات میں حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کے سوتیلے بھائیوں کا باپ کہا گیا ہے۔ جو کہ نوع انسان سے تھے۔ اور ''بنیامین'' کو حضرت یعقوبؑ کا بیٹا کہا گیا۔ اور ''بنیامین'' بھی یقیناً نوع انسان سے تھا۔

۲۶۔﴿يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَا يْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ﴾

''حضرت یعقوبؑ نے کہا'' اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، کھوج لگاؤ۔ اور اللہ کی رحمت اور مہربانی سے ناامیدی اختیار نہ کرو۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۸۷)

اس آیت میں بھی "یبنی" اور "اخیہ" دو لفظ ایسے واقع ہوئے ہیں جو حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی انسانیت کا ثبوت ہیں۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ نے خود ان

اپنے لڑکوں کو اپنے بیٹے کہا ہے۔ جو انسانی نوع کے افراد تھے۔ اور اپنے فرزند ''بنیامین'' کو اپنے بیٹے یوسفؑ کا بھائی کہا ہے۔ اور ''بنیامین'' بھی انسان تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ اور یوسفؑ ہر دو پیغمبر مثل دیگر انبیاء کے نوع انسان سے تھے۔

۶۷۔ ﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْاَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۔ قَالُوْاءَ اِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَا اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾

حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا کہ کیا تمہیں علم ہے کہ تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی سے اس وقت کیا سلوک کیا تھا جبکہ تم جاہل تھے؟۔ انہوں نے کہا کہ کیا تو ہی یوسفؑ ہے۔ تو فرمایا کہ میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۸۹،۹۰)

ان آیات میں لفظ "أخـی" اور "أخيـه" حضرت یوسفؑ کے نوع انسان سے ہونیکی دلیل ہیں۔ کیونکہ ''بنیامین'' انسان تھا اور اسکا جو بھائی ہوگا وہ انسان ہی ہوگا۔ اور حضرت یوسفؑ اسکے بھائی تھے۔

۶۸۔ ﴿اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا﴾

حضرت یوسفؑ نے کہا کہ میری یہ قمیص لے جائیے اور یہ میرے والد کے چہرے پر ڈال دیجئے۔ وہ بینا ہو کر آ جائیں گے۔ اور تم سب اہل وعیال سمیت میرے پاس آ جاؤ۔

(سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۹۲،۹۳)

﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴾

اور جب قافلہ چلا تو ان کے والد نے کہا کہ میں یوسفؑ کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ بشرطیکہ تم مجھے ضعیف العقل قرار دے کر ملامت نہ کرو۔

اس آیت میں بھی "اَبُوْهُمْ" کے لفظ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوبؑ کو اس کے بیٹوں کا باپ کہا ہے۔

۶۹۔ ﴿قَالُوْا يٰاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ﴾
انہوں نے کہا اے ہمارے ابا جان! ہمارے گناہوں کی معافی اللہ تعالیٰ سے طلب کیجیے۔ بے شک ہم خطا کار اور قصوروار تھے۔ اور آیت نمبر ۱۰۰:۔ ﴿وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ﴾
''حضرت یوسفؑ نے فرمایا'' اور میرے پروردگار نے مجھ پر احسان کیا۔ جبکہ اس نے مجھے قید خانے سے نکالا۔ اور تمہیں دیہات سے میرے پاس پہنچا دیا۔ بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈال دیا تھا۔

اس آیت میں بھی لفظ "اِخْوَتِیْ" کے ذریعے حضرت یوسفؑ نے انہیں اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ جنہوں نے اسے کنویں میں ڈال دیا تھا۔ اور وہ انسانی نوع سے تھے۔ لہذا جو ان کا بھائی ہے اور وہ جس کے بھائی ہیں اس کا انسان ہونا بھی ضروری ہے۔

۷۰۔ ﴿وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِیًّا مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ ۔ وَبٰرَكْنَا عَلَیْهِ وَعَلٰٓی اِسْحٰقَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِیْنٌ﴾
اور ہم نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ فرزند کی خوشخبری دی۔ جو کہ نبی تھے اور صالحین میں سے تھے۔ اور ہم نے اسے بھی اور اسحاقؑ کو بھی برکت عطا کی۔ اور ان کی اولاد میں سے بعض نیک تھے۔ اور بعض کھلے طور پر اپنے نفس پر ظلم کرنے والے تھے۔ (سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷۔ آیت نمبر ۱۱۲،۱۱۳)

حضرت اسحاقؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں ظالم بھی ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ ظالم بھی اور دوسرے نیک بھی سب نوع انسان سے ہیں۔ اس لیے حضرت اسحاقؑ اور حضرت ابراہیمؑ بھی لازماً انسان ہی کی نوع سے ہیں۔ کیونکہ یہ عادۃً ناممکن ہے کہ اولاد انسان ہو اور ان کے باپ دادا انسان نہ ہوں۔ لہذا اس آیت سے بھی حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسحاقؑ اور حضرت یوسفؑ وغیرہ کا نوع انسان سے ہونا ثابت ہے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کی انسانیت

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ حضرت اسحاقؑ کی اولاد میں سے تھے۔اس لئے حضرت اسحاقؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا انسان ہونا حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ کی انسانیت کے لئے بیّن ثبوت ہے۔اس کے علاوہ جو آیات قرآن ان کی انسانیت کی دلیل ہیں وہ ملاحظہ ہوں۔

۱۷۔﴿وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنَّکُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِاتِّخَاذِکُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْآاِلٰی بَارِئِکُمْ فَاقْتُلُوْآاَنْفُسَکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ عِنْدَ بَارِئِکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ اِنَّہٗ ھُوَالتَّوَّابُ الرَّحِیْمُ﴾

اور جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا! کہ اے میری قوم تم نے بچھڑے کو خدا بنا لینے کے ذریعہ اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔لہذا تم اپنے خالق کی درگاہ میں توبہ کرو۔اس لئے اپنے نفسوں کو قتل کرو۔یہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے دربار میں بہتر ہے۔بس اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔(سورۃ البقرہ ۲۔آیت نمبر ۵۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا! کہ اے میری قوم۔اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل تھے۔قرآن پاک میں جا بجا اس کی شہادت موجود ہے۔اور بنی اسرائیل نوع انسان سے تھے۔لہذا اللہ تعالیٰ موسیٰ کی قوم انہیں اسی وقت قرار دے سکتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ بھی انسان ہوں۔نیز حضرت موسیٰؑ ان کو "اے میری قوم" بھی اسی صورت کہہ سکتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰؑ خود بھی انسان ہوں۔اور جب خدا نے بھی بنی اسرائیل کو موسیٰؑ کی قوم کہا۔اور موسیٰؑ نے خود بھی ان کو اپنی قوم قرار دیا تو معلوم ہوا کہ موسیٰؑ نوع انسان سے تھے۔

۷۲۔ ﴿وَاِذِاسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾

اوراسوقت کاذکر کیجیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے انکی قوم کو پانی سے سیراب کرنیکا سوال کیاتو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ چنانچہ انہوں نے جب لاٹھی پتھر پر ماری تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۶۰)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم قرار دیا ہے۔ لہذا اس آیت کے ذریعہ بھی ثابت ہے کہ موسیٰؑ نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ جب بنی اسرائیل انسان تھے تو وہ حضرت موسیٰؑ کی قوم اسی وقت کہہ جاسکتے ہیں۔ جبکہ حضرت موسیٰ بھی انسان ہوں۔

۷۳۔ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً﴾

اور اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ تم کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۶۷)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم قرار دیا ہے۔ اس سے بھی مثل سابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انسان ہونا ثابت ہے۔

۷۴۔ ﴿وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۔ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾

اور "اے رسولؐ" اس وقت کو یاد دلایئے۔ جب موسیٰؑ نے اپنے قوم سے کہا تھا! کہ اے میری قوم جو نعمتیں تم کو خدا نے دی ہیں ان کو یاد کرو۔ اس لئے کہ اس نے تم میں سے اپنے انبیاء بنائے۔ اور تمہیں بادشاہ بنایا۔ اور تمہیں وہ کچھ عطا کیا جو تمام عالمین میں کسی کو بھی عطا نہیں کیا تھا۔ حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے فرمایا! کہ اے میری قوم اس مقدس اور پاکیزہ زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ اور "دشمن کفار کے مقابلہ میں" پشت دکھا کر مرتد نہ ہو جاؤ۔ کیونکہ ایسا کرنے سے تم خسارے میں رہو گے۔ (سورۃ المائدہ ۵۔ آیت نمبر ۲۰، ۲۱)

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو مرتبہ بنی اسرائیل کو اے میری قوم کہہ کر خطاب فرمایا ہے۔ اور ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ نے "لقومہ" کہہ کر بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم قرار دیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل انسان تھے۔ اور حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کے باعث خاکی بھی تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا فرمایا تھا۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انسان تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کے باعث وہ باوجود نوری ہونے کے خاکی تھے۔ کیونکہ حضرت آدمؑ کی ساری اولاد انسان اور خاکی ہیں۔ لیکن یہ خاکی بعض نوری ہیں اور بعض ناری ہیں۔ انبیاء، ائمہ علیہم السلام اور ان پر ایمان رکھنے والے مومنین یہ سب خاکی ہونے کے باوجود نوری ہیں۔ لیکن کفار، مشرکین اور منافقین ایسے خاکی ہیں جو نوری نہیں ناری ہیں۔ خاکی اور نوری کے مابین کوئی تضاد نہیں۔ خاکی نوری بھی ہوسکتا ہے اور ناری بھی۔

۷۵۔ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ ......﴾

ان یہود نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہ کی جیسی کرنا چاہیے تھی۔ اور جو قدر کرنے کا حق تھا۔ کیوں کہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بشر انسان پر کوئی شئی نازل نہیں فرمائی۔ اے نبیؐ تم ان سے کہہ دیجئے کہ وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ جو کہ لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی۔ (سورۃ الانعام ۶۔ آیت نمبر ۹۱)

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بشر تھے۔ اور بشر کا معنی ہے

انسان۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا! کہ نبی انسان نہیں ہوتا۔ اسی لئے انہوں یہ دعوی کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی انسان پر کوئی کتاب یا صحیفہ وغیرہ نازل نہیں کیا۔ مگر ان کا یہ عقیدہ چونکہ قرین صواب نہیں باطل تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید فرمائی کہ موسیٰ علیہ السلام بھی تو انسان تھے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمائی تھی۔ اور ان پر آسمانی کتاب توریت نازل فرمائی۔ لہذا تمہارا یہ عقیدہ باطل ہے کہ انسان نبی نہیں ہوسکتا۔ اور اس پر کوئی آسمانی کتاب وغیرہ نازل نہیں ہوسکتی۔

۷۶۔ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے پروردگار! میں تو اپنی جان اور اپنے بھائی "حضرت ہارونؑ" کا ہی ذمہ دار ہوسکتا ہوں۔ دیگر کسی کا ذمہ دار نہیں ہوسکتا۔ لہذا ہمارے درمیان اور اس فاسق قوم "بنی اسرائیل" کے درمیان فرق قائم کیجئے گا۔ (سورۃ المائدہ ۵۔ آیت نمبر ۲۵)

اس آیت سے ثابت ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے۔ اور سابقاً ثابت ہو چکا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انسان تھے۔ لہذا لازم ہے کہ حضرت ہارونؑ بھی انسان ہوں۔ کیونکہ انسان کا بھائی وہی ہوسکتا ہے جو انسان ہو۔ اسلئے ثابت ہوا حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں پیغمبر نوع انسان سے تھے۔

۷۷۔ ﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِی الْمَدَآئِنِ حٰشِرِیْنَ ۔ یَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ﴾

قوم فرعون نے اسے کہا کہ موسیٰؑ اور اس کے بھائی کے بارے میں فیصلہ کو چند دن مؤخر کر دیجئے۔ اور تمام شہروں میں اپنے کارندے بھیج دیجئے۔ جو ایسے تمام جادوگروں کو اکٹھا کر کے تیرے پاس لے آئیں جو اپنے فن کے بڑے عالم اور ماہر ہوں۔ (سورۃ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۱۱۱، ۱۱۲)

اس آیت میں حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کا بھائی کہا گیا۔ لہذا لازم ہے کہ

حضرت ہارونؑ بھی حضرت موسیٰؑ کی طرح انسان ہوں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ یہ دونوں نوری انسان تھے۔ کیونکہ نبی تھے اور ہر نبی نوری انسان ہوتا ہے ناری نہیں ہو سکتا۔

۷۸۔ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِىْ فِىْ قَوْمِىْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام سے کہا کہ تم میری قوم میں میرے خلیفہ ہو جایئے۔ اور اصلاح کرتے رہیے۔ فسادیوں کے راہ کی اتباع نہ کیجئے۔

(سورۃ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۱۴۲)

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے متعلق "قومی" کا لفظ استعمال کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم تھے۔ اور بنی اسرائیل یقیناً انسان تھے۔ لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اسی وقت کہے جا سکتے ہیں جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انسان ہوں۔

اور حضرت ہارون علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی کہا ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں نوع انسانی سے تھے۔

۷۹۔ ﴿قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم "بنی اسرائیل" سے کہا! کہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔

(سورۃ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۱۲۸)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کہا ہے۔ جس سے حسب سابق ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام انسان تھے۔

۸۰۔ ﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ﴾

موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر چلے جانے کے بعد ان کی قوم نے اپنے زیورات سے ایک بچھڑا بنا لیا۔ یعنی ایسا جسم بنالیا جو بچھڑے کی طرح آواز کرتا تھا۔ (سورۃ الاعراف ۷۔آیت نمبر ۱۴۸)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم قرار دیا ہے۔

۸۱۔﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا......﴾

اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم ''بنی اسرائیل'' کی طرف غضبناک اور افسوس زدہ ہونے کی حالت میں واپس آئے۔ (سورۃ الاعراف ۷۔آیت نمبر ۱۵۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کہا ہے۔لہٰذا ان تمام آیتوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انسان ہونا ثابت ہے۔

۸۲۔﴿وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تختیوں کو پھینک دیا اور اپنے بھائی ''حضرت ہارونؑ کے سر کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے۔ حضرت ہارونؑ نے کہا اے میری ماں جائے، اس قوم نے مجھے کمزور سمجھ لیا تھا۔اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں۔لہٰذا آپ میرے ذریعہ دشمنوں کو خوش نہ کریں۔اور مجھے ان ظالم لوگوں کیساتھ قرار نہ دیجئے۔ (سورۃ الاعراف ۷۔آیت نمبر ۱۵۰)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی قرار دیا ہے۔اور حضرت ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ماں کا بیٹا قرار دیا ہے۔لہٰذا انسانیت کے اعتبار سے جو موسیٰ علیہ السلام کا حکم ہے وہی حضرت ہارون علیہ السلام کا بھی ہے۔لہٰذا دونوں انسانی نوع سے تھے۔

۸۳۔﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا، اے پروردگار! مجھے بھی اور میرے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی بخش

دے ۔اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر۔ اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (سورۃ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۱۵۱)

اس آیت میں بھی حضرت موسیٰؑ نے حضرت ہارونؑ کو اپنا بھائی کہا ہے اور حضرت موسیٰؑ کا انسان ہونا ثابت ہو چکا۔ لہذا انکا بھائی ہارونؑ بھی انسان کے علاوہ کسی دوسری نوع سے نہیں ہو سکتا۔

۸۴۔ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا﴾

اور موسیٰ نے اپنی قوم "بنی اسرائیل" میں سے ستر آدمی ہمارا وعدہ پورا کرنے کیلئے چنے۔
(الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۱۵۵)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کی قوم قرار دیا۔ اور وہ حضرت موسیٰؑ کی قوم اسی صورت کہے جا سکتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰؑ بھی انسان ہوں۔ لہذا حضرت موسیٰؑ کا انسان ہونا اس آیت سے بھی ثابت ہے۔

۸۵۔ ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾

اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم "بنی اسرائیل" میں سے ایک جماعت ایسی بھی تھی جو ہمیشہ حق کے مطابق ہدایت بھی کرتے تھے اور خود بھی ہمیشہ حق کی پابندی کرتے تھے۔ (سورۃ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۱۵۹)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم قرار دیا ہے۔ جس سے حسب سابق حضرت موسیٰؑ کا انسان ہونا ثابت ہے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میں سے بعض نوری بھی تھے۔ جو کہ ہمیشہ حق کی ہدایت اور حق کی ہی پابندی کرتے تھے۔ لہذا وہ انسان خاکی ہونے کیساتھ ساتھ نوری بھی تھے۔ اور بعض ان میں سے انسان اور خاکی تو تھے مگر نوری نہیں ناری تھے۔

۸۶۔ ﴿وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ﴾

اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم! اگر تم نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لا چکے تو اس پر توکل اختیار کرو۔ اگر تم صحیح معنوں میں مسلمان ہو۔ (سورۃ یونس ۱۰۔ آیت نمبر ۸۴)

اس آیت میں بھی بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم قرار دیا ہے۔ اور یہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انسان ہوں۔ لہٰذا اس آیت کے ذریعہ بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انسان ہونا ثابت ہے۔

۸۷۔ ﴿وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُیُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام دونوں کی طرف وحی کی کہ تم اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر بناؤ۔ اور پھر اپنے گھروں کو ہی مسجدیں بنالو۔ اور نماز کو قائم کرو۔ اور مومنین کو خوشخبری دو۔ (سورۃ یونس ۱۰۔ آیت نمبر ۸۷)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھائی قرار دیا ہے۔ اور بنی اسرائیل کو ان دونوں کی قوم قرار دیا ہے جو کہ انسان تھے۔ لہذا اس آیت سے ان دونوں نبیوں کا انسان ہونا حسب سابق ثابت ہے۔

۸۸۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِیُبَیِّنَ لَهُمْ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَیُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ﴾

ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اس کی قوم کی زبان کے ساتھ ہی بھیجا تا کہ وہ ان کے لئے حقائق و

معارف اور احکام ربانیہ کو واضح کر سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ جس کو گمراہی میں چھوڑنا چاہے تو اس کے اختیار بد کے باعث اسے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے۔ اور جسے چاہے اس کے حسن اختیار کے باعث ہدایت کر دیتا ہے۔ اور وہ عزت و حکمت والا ہے۔

اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے واضح دلائل معجزات کے ساتھ بھیجا۔ اور اسے مامور کیا کہ اپنی قوم کو کفر و شرک، نفاق اور فسق کی تاریکیوں سے نکال کر نور ہدایت و رشد، ایمان و عرفان اور صلاح و تقویٰ کی طرف نکال دیجئے۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کے ایام یاد دلایئے۔ بے شک اس میں ہر صبر و شکر کرنیوالے شخص کیلئے واضح دلائل موجود ہیں۔ (سورۃ ابراہیم ۱۴۔ آیت نمبر ۴ تا ۶)

اور اسوقت کا تذکرہ کیجئے جبکہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی جو نعمت اور اسکا جو احسان تم پر رونما ہوا سے یاد کرو۔ کیونکہ اس نے تمہیں آلِ فرعون سے نجات دی۔ وہ تمہیں بدترین عذاب میں مبتلا رکھتے تھے۔ کہ تمہارے بچوں کو ذبح کرتے اور عورتوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اور اس میں تمہارے رب کی جانب سے بہت بڑا امتحان تھا۔

ان آیات میں زیر بحث مطالب پر مختلف الفاظ سے دلالت ہوتی ہے۔ اور اسلئے کہ قدرت نے فرمایا "اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ" کہ ہر رسول اپنی قوم کی زبان میں مبعوث برسالت ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ رسول کی قوم انسان ہی تھے۔ لہذا معلوم ہوا کہ ہر رسول انسان ہی کی نوع سے تھا۔ تو حضرت موسیٰؑ و حضرت ہارونؑ بھی نوع انسان سے ہی تھے۔

دوسرے یہ کہ قدرت نے فرمایا "اَخْرِجْ قَوْمَكَ ......" کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم قرار دیا۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نوع انسان سے تھے۔ "کما مر مرارا" نیز "لقومه" کے لفظ سے بھی یہی مقصد ثابت ہے۔

تیسرا یہ کہ "الی النور" کے لفظ سے معلوم ہوا کہ ہر وہ شخص نوری ہوتا ہے۔ جو پیغمبر پر ایمان لاتا اور اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہے۔ اور لفظ "النور" کو ظلمات کے مقابلہ میں لانے سے صاف طور پر دلالت ہوتی ہے۔ اور ظلمات سے جو امور مراد ہیں۔

لفظ "النور" سے ان کی ضدیں مراد ہیں۔اس لیے معلوم ہوا کہ ایمان وعرفان، رشد وہدایت ،علم ومعرفت اور زہد وتقوای وغیرہ سب امور نور ہیں۔ کیونکہ ان کی ضدیں تاریکیاں اور ظلمات سے تعبیر کی گئی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ ہر وہ انسان نوری ہے جو نعمت، ایمان و عرفان وغیرہ سے سرفراز ہے۔اگرچہ کہ وہ حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کے باعث خاکی کہلاتا ہے۔لہٰذا یہ امر نہایت واضح ہے کہ مومن کے خاکی اور نوری ہونے میں کوئی تضاد نہیں۔

خاکی تو ہر انسان کو کہا جاتا ہے۔لیکن حضرت آدمؑ چونکہ مٹی سے پیدا ہوئے اس لیے ان کو خاکی کہنا حقیقت کے اعتبار سے ہے۔اور ان کے علاوہ ہر انسان کو خاکی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔لہذا اولاد آدمؑ کو خاکی کہنا بطور مجاز ہے۔ ورنہ اولاد آدمؑ میں سے ہر شخص اپنے باپ کے نطفے سے پیدا ہوا ہے۔ سوائے حضرت عیسیٰؑ کے کہ ان کا باپ کوئی نہ تھا۔صرف والدہ کے شکم سے پیدا ہوئے۔اور ماں کی جانب سے حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔اس لئے مجازا خاکی ان کو بھی کہا جاتا ہے۔

لیکن جو انسان ایمان وعرفان اور صلاح وتقویٰ سے متصف ہو۔وہ جہاں حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کے لحاظ سے خاکی کہلاتا ہے وہاں مومن، عارف، صالح اور متقی ہونے کے اعتبار سے نوری بھی کہلاتا ہے۔لہذا خاکی اور نوری ہونے میں کوئی تضاد نہیں۔ہاں جو انسان مومن نہ ہو وہ خاکی تو ہوگا مگر نوری نہیں ہوگا۔اور انبیاؑء اور آئمہؑ چونکہ ان باعظمت اوصاف میں سب کے سردار ہوتے ہیں۔اس لیے وہ نوریوں کے سردار ہوتے ہیں۔کیونکہ ان کی نورانیت سب سے بلند ہوتی ہے۔لیکن چونکہ وہ بھی حضرت آدمؑ کی اولاد میں شامل ہیں اس لیے مجازا خاکی ان کو بھی کہا جاسکتا ہے۔اس میں نہ انبیاؑء وائمہؑ کی کوئی توہین ہے اور نہ اس سے ان کی شان میں کوئی کمی لازم آتی ہے۔ جو لوگ انہیں خاکی کہنا ان کی کسرِ شان کا باعث سمجھتے ہیں وہ اپنی نادانی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔اس کی مزید توضیح انشاء اللہ بعد کو اپنے مقام پر آرہی ہے۔

بہر حال نوری اور خاکی میں کوئی تضاد نہیں۔اور کوئی منافات نہیں۔

۸۹۔﴿وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَّحْمَتِنَا اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا﴾

کہ ہم نے حضرت موسیٰ کو اپنی رحمت کے طفیل ان کے بھائی حضرت ہارونؑ بخشے جو کہ نبی تھے۔

(سورۃ مریم ۱۹۔آیت نمبر ۵۳)

اس آیت میں نص ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے۔اور بکثرت آیات کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰؑ انسان تھے۔لہٰذا انکے بھائی حضرت ہارونؑ کا انسان ہونا بھی ضروری ہے۔کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ دو حقیقی بھائی ہوں جن میں سے ایک تو انسان ہو اور دوسرا انسان نہیں کسی اور نوع سے ہو۔

۹۰۔﴿وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ۔هٰرُوْنَ اَخِيْ ۔اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ۔ وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ﴾

اور پروردگار! میرے کنبہ میں سے میرے بھائی ہارونؑ کو میرا وزیر بنا۔اس کے ذریعہ میری کمر کو محکم کر۔اور اسے میرے معاملہ میں شریک کر۔(سورۃ طٰہٰ ۲۰۔آیت نمبر ۲۹ تا ۳۲)

اس آیت میں بھی نص ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے۔اور اس کے ذریعہ بھی ثابت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی طرح حضرت ہارونؑ بھی انسان تھے۔

۹۱۔﴿اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ﴾

جبکہ تیری بہن چل رہی تھی اور چلتی چلتی فرعون کے گھر پہنچی۔اور کہنے لگی کہ کیا میں تمہیں ایسی دایہ بتاؤں جو اس بچے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرے۔لہٰذا اس طرح ہم نے تجھے تیری والدہ کی طرف واپس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھ خوشی اور سرور سے ٹھنڈی ہو۔اور وہ افسوس نہ کرتی رہے۔

(سورۃ طٰہٰ ۲۰۔آیت نمبر ۴۰)

اس آیت میں اس کا تذکرہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بھی تھیں جس نے اس کو جنا تھا۔ اور ان کی بہن بھی تھی جو اس وقت فرعون کے گھر جا پہنچی تھی جب وہ اور اس

کی زوجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کیلئے کوئی مرضعہ "دودھ پلانے والی عورت" تعینات کرنے کی فکر میں تھے۔ اور حضرت موسیٰ کی والدہ اور ان کی ہمشیرہ نوع انسان سے تھیں۔ جو اسکی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ بھی نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک شخص کی ماں اور ہمشیرہ تو نوع انسان سے ہوں مگر وہ خود انسان نہ ہو۔

نیز اس آیت میں بھی اس کا تذکرہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسوقت ایسے کمسن نومولود بچے تھے جن کی پرورش کیلئے دایہ کی ضرورت تھی۔ جو اسے دودھ بھی پلائے اور اس کی تربیت بھی کرے۔ یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ نوع انسان کو جو عمومی کوائف لازم ہوتے ہیں یعنی ابتداء پیدائش کے وقت بچپنا اور خوراک کیلئے دودھ کی سی نرم غذا کی ضرورت۔ پھر بالتدریج پرورش پاتے ہوئے جوانی اور بڑھاپے تک پہنچنا وغیرہ۔ یہ سب لوازم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ وجود لازم وجود ملزوم کی دلیل ہوتا ہے۔

۹۲۔ ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ۔ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰى ۔ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ﴾

اور بے شک اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے تجھ پر ایک اور بار بھی احسان کیا۔ جبکہ ہم نے تیری ماں کیطرف وہ وحی کی جو تیری طرف کیجاتی ہے۔ یعنی یہ وحی کہ موسیٰ علیہ السلام کو ایک تابوت میں رکھ دو۔ اور پھر اس تابوت کو دریا میں ڈال دو۔ اسے دریا ساحل پر ڈال دیگا۔ تو اسے ایک ایسا شخص اٹھائے گا۔ جو میرا بھی دشمن ہوگا اور اسکا بھی دشمن ہوگا۔ (سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ آیت نمبر ۳۷تا۳۹)

اس آیت میں بھی گزشتہ آیت کی مانند دونوں چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ کی والدہ کا ہونا جو انسانی نوع سے تھیں۔ اور دوسرے بوقت پیدائش حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیگر انسانی بچوں کی طرح ہونا۔ اور یہ دونوں چیزیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے

نوعِ انسان سے ہونے کی دلیل ہیں۔

۹۳۔ ﴿اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِیْ وَلَا تَنِيَا فِیْ ذِكْرِیْ ۔ اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی ۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰی ۔ قَالَا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰی ۔ قَالَ لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی ۔ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْ اِسْرَآءِيْلَ﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ سے فرمایا! کہ تم دونوں فرعون کے پاس جایئے کیونکہ وہ سرکش ہوگیا ہے۔ اور اس سے نرمی کے ساتھ بات چیت کیجئے۔ شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا عذاب الٰہی سے خوفزدہ ہو جائے۔ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں نے کہا پروردگار! ہم تو ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر کوئی ظلم وزیادتی کردے گا۔ یا وہ مزید سرکشی اختیار کرے گا۔ تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ ڈرو مت۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ سب کچھ دیکھ اور سن رہا ہوں۔ لہٰذا تم دونوں اس کے پاس جاؤ۔ اور اسے کہو کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ لہٰذا بنی اسرائیل یعنی اولادِ یعقوبؑ کو ہمارے ساتھ بھیج دو۔ (سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ آیت ۴۲ تا ۴۷)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کا بھائی فرمایا ہے۔ اسلئے حضرت ہارونؑ بھی اسی طرح نوعِ انسان سے تھے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی نوع سے تھے۔ اور ایک ظالم انسان سے خوفزدہ ہونا انسان کے عوارض میں سے ہے۔ اگر وہ دونوں نوعِ انسانی سے نہ ہوتے تو فرعون کے ظلم سے کیوں ڈرتے؟ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ دونوں پیغمبر نوعِ انسانی سے تھے۔ حالانکہ وہ دونوں نوری بھی تھے۔ معلوم ہوا کہ نوری ہونا خاکی انسان ہونے کے منافی نہیں۔

۹۴۔ ﴿وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰی ۔ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓی اَثَرِیْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰی ۔ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ ۔ فَرَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس وقت فرمایا جب وہ کوہ طور پر اپنی قوم کے بندے لے کر گئے۔ اے موسیٰ علیہ السلام کس چیز نے تجھے اپنی قوم سے جلدی کر کے پہلے پہنچ جانے پر آمادہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں۔ اور میں تیری خوشنودی حاصل کرنے کیلئے جلدی کر کے آیا ہوں۔ اللہ جل شانہٗ نے فرمایا! تیرے بعد ہم نے تیری قوم کو آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ انہیں تو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ تو موسیٰ علیہ السلام غضبناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے اپنی قوم کی طرف لوٹے۔ اور ان سے کہا کہ اے میری قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا۔ (سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ آیت نمبر ۸۳ تا ۸۵)

ان آیات میں تین مرتبہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کہا ہے۔ اور ایک مرتبہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اپنی قوم قرار دیا ہے۔ اور وہ قوم نوع انسان سے تھی۔ لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نوع انسان سے تھے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نوع انسان سے نہ ہوتے تو بنی اسرائیل کو ان کی قوم کیسے کہا جاتا۔

۹۵۔ ﴿وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ﴾

اور بے شک اس سے پہلے حضرت ہارونؑ نے ان "بنی اسرائیل" سے کہا کہ اے میری قوم! تم اس بچھڑے کے ذریعہ آزمائش میں ڈالے گئے ہو۔ (سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ آیت نمبر ۹۰)

حضرت ہارونؑ نے بھی بنی اسرائیل کو "یٰـقَوْم" کے لفظ سے خطاب کیا کہ اے میری قوم، لہٰذا معلوم ہوا کہ حضرت ہارونؑ بھی نوع انسان سے تھے۔ اس لیے وہ خاکی تھے۔ مگر ایسے خاکی انسان تھے کہ جو ساتھ ہی نوری بھی تھے۔ کیونکہ نوری اور خاکی میں کوئی منافات نہیں۔ جیسا کہ بارہا تحریر ہو چکا ہے۔

۹۶۔ ﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ﴾

حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میری ماں جائے میرے سر اور ریش کو نہ پکڑیے۔
(سورۃ طٰہٰ ۲۰۔ آیت نمبر ۹۴)

حضرت ہارونؑ نے حضرت موسیٰؑ کو اپنی ماں کا فرزند کہا۔اور آیات سابقہ سے حضرت موسیٰؑ کا انسان ہونا بار ہا ثابت ہو چکا۔لہذا حضرت ہارونؑ کا انسان ہونا مثل گزشتہ آیات کے اس آیت سے بھی ثابت ہے۔کیونکہ حضرت ہارونؑ کی والدہ اور ان کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام جب دونوں نوع انسان سے تھے۔تو پھر حضرت ہارونؑ کسی دوسری نوع سے ہو نہیں سکتے۔

۹۷۔﴿ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ O اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ O فَقَالُوْا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾

پھر ہم نے موسیٰؑ اور اسکے بھائی "ہارونؑ" کو اپنی نشانیوں اور واضح روشن دلیل کیساتھ فرعون اور اسکے گروہ کیطرف رسول بنا کر بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا۔اور وہ تھے ہی بڑے سرکش لوگ۔چنانچہ انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی مثل کے دو انسانوں "کی نبوت اور رسالت" پر ایمان لائیں۔حالانکہ ان دونوں کی قوم تو ہماری خدمت گزار ہے۔(سورۃ المومنون ۲۳۔آیت نمبر ۴۵،۴۶)

اس آیت میں بھی حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کا بھائی کہا گیا ہے۔جو مثل سابق حضرت ہارونؑ کے نوع انسان سے ہونے کی دلیل ہے۔نیز بنی اسرائیل کو دونوں پیغمبروں کی قوم کہا گیا ہے۔جو دونوں کے نوع انسان سے ہونے کی دلیل ہے۔

نیز ﴿اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ کے الفاظ سے اس پر دلالت ہوتی ہے کہ فرعون اور اس کے اتباع کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ انسان نبی اور رسول نہیں ہو سکتا۔مگر بار ہا واضح ہو چکا کہ ہر نبی اور رسول نوع انسان سے ہی ہوتے ہیں۔سارا قرآن پاک اس کی دلیل ہے اور فرعون وغیرہ کفار کا مزعومہ غلط اور باطل ہے۔

۹۸۔﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا﴾

بے شک ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی۔اور اسکے بھائی ہارونؑ کو اسکا وزیر بنایا۔

(سورۃ الفرقان ۲۵۔آیت نمبر ۳۵)

یہ آیت بھی مثل آیات سابقہ حضرت ہارونؑ کے نوع انسان سے ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں بھی تصریح ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ اور حضرت موسیٰ کا انسان ہونا سابقاً بہت سی آیات سے ثابت ہو چکا۔ لہذا موسیٰ علیہ السلام کا بھائی بھی یقیناً نوع انسان سے ہی ہو سکتا ہے۔

۹۹۔ ﴿وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ﴾

اور میرے ذمہ ان کا ایک جرم عائد ہے۔ لہذا مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

(سورۃ الشعراء ۲۶۔ آیت نمبر ۱۴)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا فرعونیوں سے ڈرنا کہ وہ انہیں قتل کر دیں گے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نوع انسان سے تھے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام نوع انسان سے نہیں کسی مافوق نوع سے ہوتے تو انہیں یہ ڈر لاحق نہ ہوتا۔

۱۰۰۔ ﴿فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَّجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ "جب مجھے تم سے "قتل کر دینے کا" ڈر لاحق ہوا تو میں تم سے بھاگ گیا۔ پھر" کچھ عرصہ کے بعد" میرے پروردگار نے مجھے نبوت عطا فرمائی اور مجھے مرسلین میں سے بنایا۔ (سورۃ الشعراء ۲۶۔ آیت نمبر ۲۱)

اس آیت میں بھی اس کا تذکرہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعونیوں سے یہ ڈر لاحق ہو گیا تھا کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ اور اس ڈر کا لاحق ہونا ان کے نوع انسان سے ہونے کی دلیل ہے۔ کیونکہ ایک انسان ہی یہ ادراک کر سکتا ہے۔ کہ چونکہ میں نے فرعونیوں کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ مجھے قتل کر دیں گے۔

نیز اس آیت میں ان لوگوں کے مذہب کے بطلان کی بھی دلیل موجود ہے۔ جو کہتے ہیں کہ انسان نبی کی جنس ہوتی ہے۔ اور نبوت اس کے لئے فصل اور اس طرح وہ نبی کی

نوع انسانی نوع سے الگ قرار دیتے ہیں۔ مگر اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت نبی کے لیے فصل ممیز نہیں۔ کیونکہ فصل نوع کی جز اور ذاتی ہوتی ہے۔ اس لیے نوع کے تحقق کی صورت میں اس کا تحقق ضروری ہوتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ نوع جنس اور فصل دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور یہ دونوں نوع کی جزیں ہوتی ہیں۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ جز کے بغیر کل متحقق اور موجود ہو جائے۔ مگر یہ آیت بتاتی ہے کہ فرعونیوں کے ڈر سے بھاگ جانے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے نبی نہیں بنایا تھا۔ "فوھب لی ...." کیا الفاظ اس مطلب پر واضح طور پر دلالت کرتے ہیں۔ حرف "فا" جو "فوھب لی" میں موجود ہے یہ صراحتاً اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس بھاگ جانے سے پہلے ان کو نبوت عطا نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے کچھ عرصہ بعد آپ کو نبوت عطا ہوئی۔ اس لیے نبوت ان کے لیے فصل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے معلوم ہوا کہ نبوت نبی کے لیے فصل ممیز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ اس کے لیے خاصہ ممیزہ ہوتا ہے۔ جو ممیز ذاتی نہیں بلکہ عرضی ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے نبی کی نوع کو بطریق مذکور الگ خیال کیا ہے۔ انہوں نے اپنی کم علمی اور جہالت کا ثبوت دیا ہے۔

علاوہ اس کے یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انسان جنس حقیقی بن سکے۔ کیونکہ "انسان" زید، عمر، بکر وغیرہ کی نوع حقیقی ہے۔ اور کوئی نوع حقیقی جنس حقیقی ہرگز نہیں ہو سکتی۔ ان دونوں میں باہم تباین کلی متحقق ہے۔ لہٰذا انسان کو جنس حقیقی بنانے والوں نے اپنی لاعلمی اور کم فہمی کا ثبوت پیش کیا ہے۔ بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام مثل دیگر انبیاء کے نوع انسان سے تھے۔ وہ نبوت کے عطا ہونے سے پہلے بھی نوع انسان سے تھے۔ جب انہوں نے فرعونیوں کے آدمی کو قتل نہیں کیا تھا تو بھی نوع انسان سے ہی تھے۔ جب قتل کر دیا تو بھی انسان ہی تھے۔ اور جب انہیں یہ خطرہ لاحق ہوا کہ فرعونی انہیں قتل کر دیں گے تو بھی وہ نوع انسان سے ہی تھے۔ جب اس ڈر کے باعث مدین کی طرف بھاگ گئے تو بھی وہ نوع انسان سے ہی

تھے۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم عطا کیا اور مرسلین میں بنایا۔ اور وہ نبی ہو گئے تو بھی وہ نوع انسان سے ہی تھے۔ کیونکہ ہر انسان کی نوع ایک ہی ہوتی ہے۔ البتہ اس کے اوصاف اور مدارج بدلتے رہتے ہیں مگر نوع نہیں بدلتی۔ کیونکہ لفظ نوع اہل منطق کی اصطلاح ہے۔ اور یہ ہر ایسے لفظ پر صادق آتی ہے جس کے تحت متفق الحقیقت افراد ہوں۔ جیسے مثلاً انسان، اونٹ، گھوڑا وغیرہ۔ ان الفاظ میں سے ہر ایک جداگانہ نوع ہے۔ کیونکہ ہر ایک ان میں سے ایسے افراد پر بولی جاتی جو متفق الحقیقت ہوتے ہیں۔ اور کسی نوع کے کسی فرد کے اوصاف بدل جائیں تو اس سے اس کی نوع نہیں بدل سکتی۔ مثلاً ایک جاہل نوع انسان کا فرد ہے اور اگر وہ جاہل عالم بن جائے تو اس کا وصف بدل جائے گا مگر اس کی نوع نہیں بدلے گی۔ کیونکہ وہ جاہل تھا تو بھی وہ انسان تھا۔ عالم دین ہو گیا تو بھی وہ نوع انسان سے ہی ہے۔ علی ہذا القیاس اگر کوئی انسان کافر تھا اور پھر مومن ہو گیا۔ تو اسکا وصف بدل گیا کہ وہ پہلے کافر تھا اور اب کافر نہیں مومن بن گیا لیکن اس کی نوع نہیں بدلی۔ کیونکہ کافر تھا تو بھی نوع انسان تھا اور مومن بنا تو بھی نوع انسان سے ہی ہے۔ اسی طرح اس کے برعکس اگر کوئی مومن تھا اور پھر مرتد ہو کر کافر بن گیا تو اس کا وصف بدلا ہے نوع نہیں بدلی۔ کیونکہ جب وہ مومن تھا تب بھی انسان تھا اور کافر بنا تو بھی نوع انسان سے ہی ہے۔ بس اسی طرح کوئی فاسق متقی بن جائے یا متقی فاسق ہو جائے تو اس کی نوع نہیں بدلتی وصف بدلتا ہے۔ جو اس کا ذاتی نہیں عرضی کہلاتا ہے۔

اسی طرح آیت مبارکہ ﴿فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب نبوت اور رسالت عطا ہوئی تو وہ نبی اور رسول تھے۔ اور ان کے عہدہ اور وصف کمال میں تبدیلی ہوئی لیکن انکی نوع نہیں بدلی۔ کیونکہ نوع ان کی نبوت سے پہلے بھی انسان تھی اور نبوت کے بعد بھی انسان ہی رہی۔

بحث نوع کے متعلق مزید توضیح انشاء اللہ بعد کو اپنے مقام پر آ جائے گی۔

۱۰۱۔﴿قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۔ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ﴾

فرعون کے درباریوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام اور اسکے بھائی کے معاملہ کو کسی قدر موخر کر دیجیے۔ اور تمام شہروں میں اپنے کارندے بھیج دیجیے۔ جو تمام ایسے جادوگروں کو اکٹھا کر کے تیرے پاس لے آئیں جو اپنے فن جادوگری میں ید طولیٰ رکھنے والے واقف کار ہوں۔ (الشعرآ ۲۶۔ آیت نمبر ۳۶،۳۷)

اس آیت میں حضرت ہارونؑ کو حضرت موسیٰؑ کا بھائی کہا گیا ہے۔ جو حضرت ہارونؑ کے انسان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ سابقاً بارہا تحریر ہو چکا۔

۱۰۲۔﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾

اور ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تم اسے دودھ پلالو۔ اور پھر جب تمہیں اس کے متعلق کوئی خطرہ لاحق ہو تو اسے دریا میں ڈال دو۔ اور نہ ہی کوئی خوف و خطرہ محسوس کرو اور نہ ہی افسوس کرو۔ کیونکہ ہم اسے پھر تیری طرف لوٹائیں گے اور اسے انبیاء مرسلین سے بنائیں گے۔

(سورۃ القصص ۲۸۔ آیت نمبر ۷)

اس آیت میں بھی اس امر کا تذکرہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو حکم ہوا کہ اسے دودھ پلائیے۔ اس کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نوع انسانی سے تھے۔ کیونکہ ان کے ماں باپ نوع انسان سے ہی تھے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وہ بچپنے کا زمانہ تھا۔ جس میں ان کو دیگر انسانی بچوں کی طرح دودھ کی ایسی نرم غذا حاصل کرنے کی ضرورت تھی۔

۱۰۳۔﴿وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾

اور مادر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دل بے قرار ہو گیا۔ قریب تھا اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو وہ حضرت موسیٰ کا حال ظاہر کر دیتی۔ اور یہ ڈھارس ہم نے اسے اسلئے بندھوائی کہ اسے ہمارے وعدہ کا یقین حاصل ہو جائے۔ اور مادر موسیٰ نے ان کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جاؤ۔ تو دور سے یکسو ہو کر وہ اسے اس طرح دیکھتی رہی کہ فرعونیوں کو اس کا پتہ بھی نہ تھا۔ (سورۃ القصص ۲۸۔ آیت نمبر ۱۰،۱۱)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں اور ان کی بہن کا تذکرہ اس کی دلیل ہے کہ وہ نوع انسانی سے تھے۔ کیونکہ جس کی ماں، بہن اور بھائی، باپ انسان ہوں تو وہ خود بھی انسان ہی ہوتا ہے۔

۱۰۴۔ ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾

اور جب موسیٰ علیہ السلام اپنی جوانی کی تندی کو پہنچے اور ان کے اعضاء پایہ تکمیل کو پہنچ کر درست اور ٹھیک ہو گئے۔ یا یہ کہ ان کے ریش مبارک پیدا ہو گئی تو ہم نے ان کو نبوت اور علم عطا کیا۔

(سورۃ القصص ۲۸۔ آیت نمبر ۱۴)

جوانی اور اعضاء کے بالتدریج پایہ تکمیل کو پہنچنے کا تذکرہ بھی اس کی دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ نوع انسانی سے تھے۔ پھر یہ کہ نبوت اور علم نبوت ان کو جوانی میں عطا ہوا۔ اور ظاہر ہے کہ نبوت اور علم نبوت عطا ہونے سے پہلے وہ نوع انسان ہی سے تھے۔ لہذا نبوت عطا ہونے کے بعد بھی جہاں وہ نبی ہو گئے ساتھ ہی انسان بھی رہے۔ کیونکہ نبوت عطا ہو جانے سے ان کی نوع نہیں بدل سکتی۔ وہ نبوت سے پہلے جس طرح نوع انسان سے تھے بعد میں بھی اسی طرح انسان ہی رہے۔ البتہ پہلے نبی نہ تھے پھر نبی ہو گئے۔ لیکن ان کا انسان ہونا ہر حال میں متحقق رہا۔

یہ آیت بھی اس کی دلیل ہے کہ نبوت اور وحی فصل ممیز نہیں۔ بلکہ نبی کا خاصہ ہے۔ اس لیے جو لوگ وحی اور نبوت کو فصل ممیز بناتے ہیں اور انسان کو جنس قرار دیتے ہیں۔ اور اس طرح وہ نبی کی نوع الگ خیال کرتے ہیں۔ وہ لوگ غلط کار اور صراط مستقیم سے بہکے

ہوئے ہیں۔ یہ آیت ان کے اس نظریہ کے بطلان پر دلالت کرتی ہے۔

۱۰۵۔ ﴿فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس شہر سے خوفزدہ ہونے کی حالت میں نکل پڑے۔ جبکہ انہیں دوسری جانب کی امید بھی لاحق تھی۔ اس وقت آپ نے فرمایا پروردگار! مجھے ظالم قوم سے نجات عطا فرما۔

(سورۃ القصص ۲۸۔ آیت نمبر ۲۱)

۱۰۶۔ ﴿قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ـ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِیْ اِنِّیْ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ـ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ اِلَيْكُمَا﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پروردگار! میں نے فرعونیوں کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا۔ لہذا میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دینگے۔ اور بھائی ہارونؑ کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے۔ لہذا اسے میرا مددگار بنا کر بھیجئے کہ وہ میری تصدیق کریگا۔ کیونکہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ مجھے یقیناً جھٹلا دینگے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا! کہ ہم تیرے بھائی ہارونؑ کے ذریعہ ضرور تیرے بازو کو مضبوط کرینگے۔ اور تمہیں معجزات کے ذریعہ ایسا غلبہ عطا کرینگے کہ وہ تم تک پہنچ ہی نہ سکیں گے۔ (سورۃ القصص ۲۸۔ آیت نمبر ۳۳ تا ۳۵)

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ ڈر تھا کہ فرعونی اسے قتل کردیں گے۔ کیونکہ آپ نے ان کا ایک آدمی قتل کیا ہوا تھا۔ اس ڈر کا احساس دلیل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ انسان سے ایسے ڈر کا ادراک انسان ہی کو لاحق ہوتا ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی دوسری نوع سے ہوتے تو ان کو یہ خیال پیدا نہ ہوتا کہ میں نے ان کا آدمی قتل کیا ہوا ہے۔ اس لیے وہ مجھے قتل کردیں گے۔ نیز اس آیت میں بھی تصریح ہے کہ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے بھائی تھے۔ لہذا حضرت ہارونؑ کا انسان ہونا اسی طرح ضروری ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نوع انسان سے ہونا ضروری ہے۔

۱۰۷۔ ﴿وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ ۔ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ﴾

بے شک ہم نے حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام پر احسان کیا۔ اور ان دونوں کو بھی اور ان کی قوم کو بھی بہت بڑی مصیبت سے نجات دی۔ (سورۃ الصّٰفّٰت ۳۷۔ آیت نمبر ۱۱۴)

اس آیت میں بھی موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ اور وہ انسان کی نوع سے تھے۔ لہذا حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کا بھی انسانی نوع سے ہونا ضروری ہے

۱۰۸۔ ﴿وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ﴾

آلِ فرعون سے اس ایماندار مرد نے کہا جو اپنے ایمان کو چھپائے رکھتا تھا کہ کیا تم ایک مرد کو صرف اس لیے قتل کرنا چاہتے ہو۔ کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے۔ حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس واضح اور روشن دلیلیں لے کر آیا ہے۔ (سورہ المؤمن ۴۰۔ آیت نمبر ۲۸)

اس آیت میں دو دفعہ لفظ "رجل" وارد ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ کے لفظ "رجل" سے مراد حزقیل ہے۔ جو قوم فرعون میں سے ایک مرد مومن تھا۔ جو تقیہ کے باعث اپنا ایمان چھپائے رکھتا تھا۔ اور دوسری مرتبہ لفظ "رجـــــل" سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور "رجـــل" کا معنی ہے مرد۔ لہذا قرآنی نص ہوگئی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نوع انسان سے ایک مرد تھے۔ لفظ "رجل" جس طرح حزقیل کے متعلق یہ دلالت کرتا ہے کہ وہ نوع انسان سے تھے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق بھی دلیل قاطع ہے کہ وہ انسان تھے۔ اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت آدمؑ کی اولاد ہونیکے باعث خاکی تھے۔ اور اولی العزم انبیاء میں سے ایک ذیشان نبی ہونے کے باعث نوری تھے۔ نوری اور خاکی میں کوئی منافات نہیں جیسا کہ بارہا تحریر ہو چکا۔

۱۰۹۔ ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ﴾

بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب "توریت" حکومت اور نبوت عطا کی۔ اور عمدہ عمدہ

چیزیں کھانے کیلئے بھی انہیں عطا کیں۔اور ان کے زمانہ میں تمام عالمین پر ان کو فضیلت دی۔(سورۃ الجاثیہ ۴۵۔آیت نمبر ۱۶)

اس میں شک نہیں کہ توریت ،حکومت اور نبوت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی تھی۔ ساری قوم بنی اسرائیل کو یہ چیزیں عطا نہیں ہوئی تھیں۔اور اسی طرح فضیلت بھی حضرت موسیٰ کو عطا کی گئی تھی۔بنی اسرائیل تو بہت سے کافر اور فاسق تھے۔حالانکہ کفار اور فاسقین کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔مگر تاہم اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف ان عطیات کو منسوب کرتے ہوئے فرمایا! کہ توریت ،حکومت ،نبوت اور فضیلت یہ سب نعمتیں ہم نے بنی اسرائیل کو عطا کی تھیں۔اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم بنی اسرائیل کے ایک فرد تھے۔اسلئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کچھ عطا ہوا وہ بنی اسرائیل کا عطیہ قرار دیا گیا۔

اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کا فرد تھے تو یقیناً وہ نوع انسان سے تھے۔کیونکہ بنی اسرائیل سارے نوع انسان سے تھے۔اور سب حضرت آدمؑ کی اولاد تھے اسلئے سب خاکی تھے۔لیکن خاکی ہونے کے باوجود حضرت موسیٰ حضرت ہارون علیہما السلام اور جو ان پر ایمان لانے والے تھے وہ نوری بھی تھے۔ہاں جو کفار اور مشرکین تھے وہ ایسے خاکی تھے جو نوری نہیں ناری اور ظلماتی تھے۔

۱۱۰۔﴿وَاِذْقَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِیْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ﴾

اور اس وقت کا ذکر کیجئے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! تم مجھے کیوں اذیت پہنچاتے ہو۔حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔(سورۃ الصف ۶۱۔آیت نمبر ۵)

اس آیت میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔جو یقیناً نوع انسان سے تھے۔لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی نوع انسان سے تھے۔کیونکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نوع انسان سے نہ ہوتے تو بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نہ کہا جاتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی انسانیت

۱۱۱۔﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ﴾

فرزند حضرت مریم حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بس رسول ہی تھے۔ان سے پہلے بھی تو رسول گزر چکے۔اوران کی والدہ صدیقہ تھیں۔دونوں طعام کھاتے تھے۔(سورۃ المائدہ ۵۔آیت نمبر ۷۵)

اس آیت میں اس امر کا تذکرہ کہ ﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ کہ وہ دونوں طعام کھاتے تھے۔اس امر کی واضح دلیل ہے کہ وہ دونوں انسان تھے اگرچہ وہ نوری تھے۔مگر ان کے نوری ہونے کا یہ مطلب نہیں سمجھا جاسکتا کہ وہ انسان ہی نہ تھے۔بلکہ وہ ایسے نوری تھے کہ نوری ہونے کے ساتھ انسان بھی تھے۔کیونکہ جو نوری طعام کھاتا ہو وہ انسان ہی ہوسکتا ہے فرشتہ نہیں ہوسکتا۔اوران الفاظ کا جو معنی آئمہ علیہم السلام نے بیان فرمایا ہے۔اُس سے اس مطلب پر مزید روشنی پڑتی ہے۔چنانچہ ملاحظہ ہو۔تفسیر البرہان ج ا۔ص ۳۰۰ وتفسیر المیزان ج ۶۔ص ۸۶ بحوالہ معانی الاخبار وتفسیر صافی ص ۱۳۶ بحوالہ عیون الرضا وبحوالہ تفسیر قمی۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی مسند حدیث منقول ہے جو آپ نے اپنے آباؤ اجداد آئمہ معصومین علیہم السلام کی سند سے حضرت جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے بیان کی ہے۔کہ حضرت جناب امیرؑ نے فرمایا"ومعناہ انھما کان اینغوطان" کہ ﴿كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ کا معنی یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اوران کی والدہ ماجدہ دونوں قضائے حاجت کے محتاج ہوتے تھے۔جس طرح کہ دیگر انسانوں کو کھانا کھانے سے قضائے حاجت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔صاحب تفسیر البرہان نے تفسیر عیاشی کا بھی حوالہ دیا ہے۔کہ تفسیر عیاشی میں بھی ان الفاظ کا یہی معنی بذریعہ حدیث مرفوع منقول ہے۔نیز تفسیر مجمع البیان ج ۳ ص ۲۳۰ میں بھی یہ معنی ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔"ان

ذلك كناية عن قضاء الحاجة ۔لان من اكل الطعام لابدله من الحدث .....“ کہ ﴿كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ﴾ کے الفاظ قضائے حاجت سے کنایہ ہیں۔ کیونکہ جو شخص طعام کھاتا ہے اسے حدث کا لاحق ہونا ضروری ہے۔ نیز ملاحظہ ہو اسی معنی کیلئے تفسیر البیان ج ا۔ص ۵۶۵ آیت اور حدیث دونوں کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام طعام بھی کھاتے اور انہیں قضائے حاجت کی ضرورت بھی لاحق ہوتی تھی۔ تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ انسان تھے۔ کیونکہ یہ مسلّم ہے کہ وہ نوری بھی تھے۔ تو ایسا نوری انسان ہی ہوسکتا ہے جو کھانا بھی کھاتا ہے۔ اور قضائے حاجت کی ضرورت بھی اسے لاحق ہوتی ہے۔

۱۱۲۔ ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾

ہم نے تم سے پہلے بھی گاؤں کے رہنے والے لوگوں میں سے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔ جنکی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۱۰۹)

اس آیت میں لفظ ”رِجَالًا“ اس کی دلیل ہے کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو بھی اللہ کی طرف سے انسانوں کیلئے رسول ہوکر آیا وہ انسان ہی تھا۔ کیونکہ رجال رجل کی جمع ہے۔ اور ”رجل“ کا معنی ہے مرد۔ اور مرد اس انسان کو کہا جاتا ہے کہ جو عورت کے مقابلہ میں ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی چونکہ مثل دیگر انبیاء کے آنحضرتؐ سے پہلے مبعوث برسالت ہوئے تھے۔ اس لئے اس آیت کی رو سے وہ بھی انسان ہی تھے۔

۱۱۳۔ ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾

اور ہم نے تم سے پہلے بھی ہمیشہ ایسے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ لہذا اگر تمہیں اس کا علم نہیں تو اہل علم سے دریافت کرو۔ (سورۃ النحل ۱۶۔ آیت نمبر ۴۳)

اس آیت سے بھی مثل آیت سابقہ یہی مقصد ثابت ہے کہ سرکار رسالت مآب آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر انبیاء مبعوث برسالت ہوئے۔ وہ سب مرد

اور انسان ہی تھے۔

لہذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انسان ہی تھے۔ کیونکہ وہ بھی آپ سے پہلے مبعوث برسالت ہوئے۔ اور ان ہر دو آیتوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی نوع انسان سے ہونے کی دلیل موجود ہے۔ کیونکہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ اس مقصد کو بیان فرمانا چاہتا ہے۔ کہ اے نبیؐ اور میرے حبیبؐ! لوگوں کو آپ کی نبوت سے اس لئے انکار نہیں کرنا چاہئے کہ آپ نوع انسان سے ہو۔ کیونکہ آپؐ سے پہلے بھی ہم نے جس قدر انبیاء مبعوث کئے وہ نوع انسان ہی سے تھے۔

یہ ہر دو آیتیں حضرت آدمؑ سے لیکر آنحضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک ہر نبی کے نوع انسان سے ہونے کی دلیل ہیں۔ اور اسی مضمون پر درج ذیل آیت بھی دلالت کرتی ہے۔

۱۱۴۔ ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ﴾

اور ہم نے تم سے پہلے بھی ہمیشہ ایسے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا جن کیطرف ہم وحی کرتے تھے۔ لہذا اگر تمھیں اسکا علم نہیں ہے تو اہل علم سے پوچھ لو۔ اور ہم نے ان تمام انبیاء کو ایسا جسم "رکھنے والا" نہیں بنایا تھا کہ وہ طعام ہی نہ کھاتے ہوں۔ بلکہ وہ سب کے سب طعام کھاتے تھے۔ اور وہ دنیا میں ہی ہمیشہ رہنے والے بھی نہ تھے۔ (سورہ انبیاء ۲۱۔ آیت نمبر ۷،۸)

بلکہ آیت ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ﴾ کیمطابق ہر نبی نے بھی موت کا ذائقہ چکھ کر دنیا سے کوچ کیا۔

یہ آیت اسی مضمون پر دلالت کرتی ہے جس پر سابقہ ہر دو آیتیں دلالت کرتی ہیں۔ کہ ہر نبی انسان اور پھر نوع انسان سے مرد ہوتا ہے۔ نیز اس مضمون پر بھی دلالت کرتی ہے جس پر آیت مبارکہ ﴿وَكَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ﴾ کرتی ہے۔ اور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی گذشتہ حدیث جس پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ جو شخص طعام کھاتا ہے اسے قضائے حاجت کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔

آنحضرت سید الانبیاء محمد مصطفٰے ﷺ کی انسانیت

۱۱۵۔﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾

کیا ان لوگوں کو اس سے تعجب ہوا کہ ہم نے ان میں سے ہی ایک مرد کی طرف یہ وحی کی کہ تم لوگوں کو ڈراؤ۔ اور جو ایمان لا چکے ان کو یہ بشارت وخوشخبری دے دو کہ ان کیلئے ان کے پروردگار کی بارگاہ میں بلند مرتبہ ہے۔ لیکن یہ سن کر کافروں نے کہہ دیا کہ یہ شخص تو واضح طور پر جادوگر ہے۔ (سورۃ یونس ۱۰۔ آیت نمبر ۲)

اس آیت میں "رجل منهم" کے الفاظ اس مطلب پر نص ہیں کہ آنحضرت محمد مصطفٰے ﷺ نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ؐ کو ایک تو "رجل" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور سابقاً گزر چکا کہ "رجل" کا معنی ہے مرد۔ اور پھر کہا "منهم" ۔اس ضمیر "منهم" کا مرجع "الناس" ہے۔ اور "الناس" سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ وہی کفار والا تھا جسکا ذکر سابقاً بارہا گزر چکا کہ نبی نوع انسان سے نہیں ہوسکتا۔ مگر جب اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت سرکار نبوت ورسالت ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ اور ان لوگوں نے دیکھا کہ آنحضرت محمد مصطفٰے ﷺ ہیں۔ ان کی ہی نوع انسان میں سے۔ اور نبی اور رسول ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ تو ان لوگوں کو حیرت لاحق ہوئی کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نوع انسان سے ہو اور پھر نبی ہو۔ اس لئے ان کافروں نے نبی پاک ﷺ کو جادوگر قرار دے دیا۔

مگر سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ان بدعقیدہ کفار میں سے ایک مرد کیوں فرمایا؟ تو ظاہر ہے کہ صرف اسی اعتبار سے فرمایا کہ لفظ ''انسان'' کا معنی ایسا عام ہے کہ جو کفار ومشرکین پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور انبیاء ومرسلین حتی کہ خاتم المرسلین پر بھی صادق

آتا ہے۔ایک طرف انسان کافر،مشرک،فاسق اور فاجر بھی ہوسکتا ہے۔اور دوسری طرف وہ مومن،صالح،متقی،پرہیز گار حتی کہ امام اور نبی بھی ہوسکتا ہے۔اور سید الانبیاء بھی ہوسکتا ہے۔لہذا معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نوع انسان سے ہی تھے۔کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے حق میں "رجل منھم" کے الفاظ ہرگز نازل نہ ہوتے۔

۱۱۶۔﴿قٓ ۔ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۔ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ﴾

قرآن مجید کی قسم "کہ محمد مصطفےٰ ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔لیکن ان "کافروں" کو اس وجہ سے تعجب لاحق ہوگیا کہ ان کے پاس "عذاب الٰہی سے "ڈرانے والا" "نبی" ایسا آگیا جو ان ہی میں سے ہے۔لہذا ان کافروں نے کہہ دیا کہ یہ عجیب چیز ہے "کہ نبی ایسا آیا جو ہم میں سے ہی ہے"۔(سورۃ ق۵۰۔آیت نمبر۱،۲)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کو ان لوگوں میں سے قرار دیا ہے جو کافر تھے۔اور یہ ظاہر ہے کہ نبی پاک تمام مومنین کے نہ صرف سردار اور سرتاج تھے۔بلکہ وہ ایسی شخصیت کے مالک تھے کہ جو ان کی نبوت پر ایمان نہ رکھے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔لہذا نبی پاک کو ان لوگوں میں سے قرار دینا اسی اعتبار سے ہے کہ وہ نوع انسان سے تھے۔اگر نبی پاک نوع انسان سے نہ ہوتے تو اس آیت میں بھی لفظ "منذر منھم" نازل نہ ہوتا۔

۱۱۷۔﴿كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾

جیسے کہ ہم نے تم میں رسول بھیجا جو تم میں سے ہی ہے۔جو تمہارے سامنے ہماری آیات پیش کرتا ہے۔اور تمہارے نفوس کو پاکیزہ کرتا۔تمہیں کتاب خدا اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔اور تمہیں اس چیز کی تعلیم دیتا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔(سورۃ البقرۃ۲۔آیت نمبر۱۵۱)

اس آیت میں بھی عام انسانوں کو خطاب فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی شان پاک میں فرمایا! ﴿رَسُوْلاً مِّنْكُمْ﴾ کہ ہمارا رسول تم میں سے ہے۔ عام لوگوں میں سے رسول کو قرار دینا اس کی دلیل ہے کہ وہ انسان ہونے کے لحاظ لوگوں میں سے ہیں۔ لہٰذا اس آیت سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرتؐ نوع انسان سے تھے۔ اگر وہ نوع انسان سے نہ ہوتے تو ان کے حق میں ﴿رَسُوْلاً مِّنْكُمْ﴾ کے الفاظ نہ ہوتے۔

۱۱۸۔ ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں ان کے نفسوں میں سے ہی ایک رسول مبعوث کیا۔ جو ان کے پاس اس کی آیتیں پیش کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (سورۃ آل عمران ۳۔ آیت نمبر ۱۶۴)

اس آیت میں ﴿رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے رسولؐ پاک کو مومنین کے نفسوں سے قرار دیا ہے۔ یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ حضورؐ نوع انسانی سے تھے۔ کیونکہ مومنین نوع انسانی سے ہی تھے۔ اور پھر یہ کہ اس سے سابق آیت میں حضورؐ کو عام لوگوں میں سے قرار دیا ہے۔ وراس سے سابقہ آیات میں کفار میں سے قرار دیا ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ ان سب آیات میں آنحضرتؐ کو نوع انسانی کے لحاظ سے ہی ملحوظ رکھتے ہوئے یہ سب فیصلے فرمائے ہیں۔ کیونکہ اسی نوعی لحاظ سے آنحضرتؐ کو مومنوں کے نفسوں سے کہنا درست ہو سکتا ہے۔ اور اسی کے اعتبار سے آپ کو عام لوگوں میں سے بھی کہنا درست اور کفار وغیرہ سے کہنا بھی درست ہے۔ کیونکہ یہی نوعی معنی یعنی انسانیت ہی سب میں مشترک ہے۔ ورنہ آنحضرتؐ تمام مخلوقات کے سرتاج اور سردار ہیں۔ اور تمام ممکنات کی علت غائیہ ہیں۔

۱۱۹۔ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

لوگو! بے شک تمہارے پاس رسول آ چکا ہے۔ جو تمہارے ہی نفوس سے ہے۔ تمہارا تکلیف اور مشقت میں ہونا اسے نہایت ناگوار ہے۔ تمہاری بہبودی کا خواہاں ہے۔ اور مومنوں کیلئے بڑا شفیق اور مہربان ہے۔ (سورۃ التوبہ ۹۔ آیت نمبر ۱۲۸)

اس آیت میں ﴿رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ کے الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے حق میں نازل فرمائے ہیں۔ اور ظاہر ہے رسول پاکؐ کے لوگوں کے نفسوں میں سے ہونے کا یہی معنی ہے کہ آپ ان کی نوع میں سے ہیں۔ یعنی وہ انسان ہیں۔

۱۲۰۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

وہی تو وہ خدا ہے۔ جس نے ان پڑھ جاہلوں میں ایسا رسول بھیجا جو ان میں سے ہی ہے۔ وہ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں پیش کرتا ہے۔ ان کے نفسوں کا تزکیہ کرتا اور انہیں کتاب خدا اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (سورۃ الجمعہ ۶۲۔ آیت نمبر ۲)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے بارے میں ﴿فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ کے الفاظ نازل فرمائے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ "الأمیین" کا معنی ہے ان پڑھ۔ اور آنحضرتؐ کے علم کی اس قدر وسعت تھی کہ بروئے احادیث معصومینؑ تمام مخلوق کا علم انکے علم کے مقابلہ میں ایک قطرہ تھا۔ اور ان کا علم سمندر۔ لہٰذا العیاذ باللہ حضورؐ کو ان پڑھ جاہل کہنا ہرگز درست نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں انکو ان پڑھ جاہلوں میں سے قرار دیا ہے۔ تو اسکا سوائے اسکے اور کوئی معنی نہیں ہو سکتا کہ آنحضرتؐ اسی نوع انسان سے تھے۔ جس سے وہ ان پڑھ جاہل لوگ بھی تھے۔

بعض لوگوں نے اس آیت میں لفظ "الأمیین" کا معنی کیا ہے "ام القری" یعنی

مکہ کے رہنے والے مگر یہ قرین صواب نہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ صرف اہل مکہ کی طرف ہی رسول ہو کر نہیں آئے تھے بلکہ وہ تمام بنی نوع انسان کی طرف رسول ہو کر آئے تھے۔ جیسے کہ ارشاد قدرت ہے۔ ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا .....﴾

''کہ اے نبی کہہ دیجیے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں۔

(پ۹۔ سورۃ الاعراف۔ آیت ۱۵۸)

لہٰذا اس آیت میں رسول پاکؐ کے ''امیین'' میں سے ہونے کا معنی یہی ہے کہ آپ نوع انسان میں سے تھے۔ جو حضورؐ کی بھی نوع ہے اور ان اَن پڑھوں کی بھی نوع ہے۔ کیونکہ انسان کا معنی ایسا عام ہے کہ جو جاہل پر بھی صادق آتا ہے اور عالم پر بھی صادق آتا ہے۔ اور کافر وغیرہ پر بھی صادق آتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ آیت بھی آنحضرتؐ کے نوع انسان سے ہونے کی دلیل ہے۔

۱۲۱۔ ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾

''حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے اپنی دعا میں کہا'' اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنا سچا فرمانبردار قرار دے۔ اور ہماری اولاد میں سے ایک جماعت پیدا کر جو تیری سچی فرمانبردار ہو۔ اور ہمیں ہماری عبادات سمجھا دے اور ہماری توبہ قبول کر۔ کیونکہ تو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور اے ہمارے پروردگار! اس جماعت میں ایک رسول مبعوث فرما جو ان ہی میں سے ہو۔ تیری آیات انکے پاس پیش کرے۔ اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔ اور ان کے نفسوں کو پاکیزہ رکھے۔ بیشک تو بڑی عزت والا اور حکمت والا ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۱۲۸، ۱۲۹)

ان آیات میں ﴿فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ کے الفاظ میں جس رسول کا تذکرہ ہے۔ اس سے مراد آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات پاک ہے۔ جیسا کہ خود آنحضرتؐ

کے فرمان پاک سے ثابت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا! "انا دعوۃ أبی ابراھیم" میں اپنے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا ثمرہ ہوں۔

(دیکھو تفسیر البرہان: جلد نمبر ۱: ص ۹۹، تفسیر صافی: ص ۴۶ پر دو بحوالہ تفسیر قمی: نیز دیکھو تفسیر مجمع البیان: جلد نمبر ۱: ص ۲۱۰، تفسیر البیان: جلد نمبر ۱: ص ۱۵۸، تفسیر آلاء الرحمٰن: ص ۱۲۸ اور تفسیر المیزان: جلد نمبر ۱: ص ۲۸۹)۔

اور ﴿أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ کے الفاظ میں جس جماعت مسلمہ کا تذکرہ ہے۔ اس سے مراد جناب رسولؐ خدا اور ان کی آلؑ اطہار ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو: تفسیر صافی: ص ۴۶ پر تحریر ہے۔ ہم اہلبیتؑ!

﴿اَلَّذِیْنَ اَذْهَبَ اللّٰهُ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَ طَهَّرَهُمْ تَطْهِیْرًا﴾ کذاعن الصادق کہ اس امت مسلمہ سے مراد وہ اہل بیتؑ اطہار ہیں۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے معصیت کی خباثت کو دور کر دیا۔ اور انہیں ایسے پاک کر دیا جیسے پاک کرنے کا حق ہے۔

نیز ملاحظہ ہو! امت مسلمہ سے آنحضرتؐ اور ان کی اہلبیت معصومینؑ ہی مراد لیے ہیں۔ لہٰذا اس آیت کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آنحضرت محمد مصطفیٰؐ اور انکی آل پاکؑ سب نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ یہ نفوس مقدسہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا انسان ہونا سابقاً ثابت ہو چکا۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ باپ دادا انسان ہوں۔ اور ان کی اولاد نوع انسان سے نہ ہو۔ (تفسیر المیزان: جلد نمبر ۱: ص ۳۰۰)

۱۲۲۔ ﴿اَلرَّحْمٰنُ ۔ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۔ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ﴾

اللہ جل شانہٗ بڑا مہربان ہے۔ اسی نے قرآن کی تعلیم دی۔ اسی نے انسان کو پیدا فرمایا۔ اسی نے اسے بیان کی تعلیم دی۔ (سورۃ الرحمٰن ۵۵۔ آیت نمبر ۱ تا ۴)

ان آیات میں ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ کے ذریعہ جس انسان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سے مراد احادیث معصومین علیہم السلام کے رو سے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ہیں۔

چنانچہ ملاحظہ ہو! سعد بن عبداللّٰہ عن ابراھیم بن ھاشم عن علی بن معد عن الحسین بن خالد عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام قال سألته عن قول اللّٰہ عزوجل ﴿الرحمن علم القران﴾ قال ان اللّٰہ علم القرآن علم القرآن قلت ﴿خلق الانسان علمه البیان﴾ قال ذاك علی بن ابیطالبؑ علمه بیان کل شیء ممایحتاج الناس الیه۔

حسین بن خالد نے بسند مذکور حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے متعلق روایت کی ہے کہ! کہا میں نے حضرت سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ﴾ کے متعلق سوال کیا۔ تو فرمایا! کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تعلیم دی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے پھر ارشاد ربی! ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ﴾ کے متعلق سوال کیا۔ فرمایا کہ وہ انسان علی بن ابیطالبؑ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر اس شے کے بیان کی تعلیم دی جس کی لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے۔ (تفسیر البرہان: جلد نمبر ۱: ص ۱۰۶۸)

اس روایت کے لئے ملاحظہ ہو۔ جبکہ ثابت ہوا کہ اس آیت کی رو سے حضرت جناب امیر المومنینؑ انسان ہیں تو ثابت ہوا کہ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ بھی انسان ہیں۔ کیونکہ علیؑ اور نبیؐ دونوں کی نوع ایک ہے۔ وہ ایک نور سے پیدا ہوئے۔ ان کا علم یکساں ہے۔ سوائے نبوت کے ان کے تمام کمالات برابر ہیں۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ علیؑ تو نوع انسان سے ہوں مگر آنحضرتؐ اس نوع سے نہ ہوں۔ ان کی نوع علیؑ کی نوع سے جداگانہ ہو۔ (تفسیر قمی: ص ۳۴۴ طبع ایران و تفسیر صافی: ص ۴۳۷)

بعض لوگوں نے اس آیت مبارکہ ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ﴾ میں جس انسان کا ذکر ہے۔ اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی ذات بابرکات ہی مراد لی ہے۔ اور یہ بھی بے جا نہیں۔ کیونکہ علیؑ آنحضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ دونوں ذوات قدسیہ انسان ہیں۔ لہٰذا دونوں ہی مراد ہو سکتے ہیں۔ ان کا علم اور دیگر کمالات برابر ہیں۔ صرف نبوت کا فرق ہے۔

''تقدم ذکر تقدم وجود کو مستلزم نہیں''

بعض لوگ آیت مبارکہ ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ کے تحت کہتے ہیں کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ نے انسان کو پیدا بعد میں کیا اور اسے قرآن کی تعلیم پہلے دی۔ اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ پہلے ﴿علم القرآن﴾ کا جملہ واقع ہے۔ اور اسکے بعد ﴿خلق الانسان﴾ فرمایا ہے۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تعلیم دی تھی۔

مگر یہ دلیل ناقص ہے۔ کیونکہ تقدم ذکر تقدم وجود کو مستلزم نہیں ہوسکتا ہے۔ کہ بیان کرتے وقت اس امر کا ذکر پہلے آجائے جو بعد کو وجود پذیر ہوا۔ اور اس چیز کا ذکر بعد کو آئے جو پہلے وقوع پذیر ہوئی۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔ ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾

''منکرین حشر ونشر کفار نے کہا کہ!'' بس یہ ہماری دنیا ہی کی زندگی ہے کہ اس میں ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں۔ قیامت کو ہم ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے۔ (پ۱۸۔ سورۃ المومنون۔ آیت نمبر ۳۷)

دنیا میں پہلے انسان زندہ ہوتا ہے اور پھر موت آتی ہے۔ لیکن کفار نے ذکر کرتے وقت موت کا ذکر پہلے اور زندگی کا بعد کو کیا ہے۔ حالانکہ وہ گو کافر تھے مگر اہل زبان تھے۔ اور موت وحیات کے تقدم وتاخر کا علم رکھنے والے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا جس چیز کا وجود سابق ہو اسے ذکر میں بھی سابق رکھنا ضروری نہیں۔

اسی طرح دوسرے مقام پر فرمایا! ﴿وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ﴾ '' کہ انہوں نے کہا بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ اس کے بعد قیامت کو زندہ ہونے کا خیال درست نہیں۔ اور ہمیں بس صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے۔

(پ۲۵۔ سورۃ الجاثیہ۔ آیت نمبر ۲۴)

اس آیت میں بھی انہوں نے موت کا ذکر حیات سے پہلے کیا ہے۔ حالانکہ دنیا میں پہلے زندگی وقوع پذیر ہوتی اور بعد کو موت وارد ہوتی ہے۔ لہٰذا صرف تعلیم قرآن کا پہلے ذکر آ جانا اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتا کہ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے قرآن کی تعلیم دی گئی تھی۔ تاوقتیکہ اس کی کوئی دلیل قاطع متحقق نہ ہو جائے۔

نیز ارشاد قدرت ہے! ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾
"وہ خدا کہ جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے سب سے زیادہ اچھے عمل کرنے والا کون ہے؟ (پ۲۹ سورۃ الملک۔ آیت نمبر۲)

یہ دنیا کی موت وحیات کی خلقت کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ عمل کے ذریعہ آزمائش دنیا میں ہی واقع ہے۔ یہ دنیا ہی دارالابتلاء ہے دارالجزا نہیں۔ اس لیے عمل کے ذریعہ آزمائش کا باعث دنیا کی ہی موت اور حیات ہے۔ اور ظاہر ہے کہ دنیا میں پہلے حیات ہے اور بعد کو موت وارد ہوتی ہے۔ مشاہدہ شاہد ہے۔ نیز ارشادِ معصومؑ سے بھی یہی امر ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو!
"القمی قال قدرهما ومعناه قد رالحيوة ثم الموت وفى الكافى عن الباقر عليه السلام ان الله خلق الحيوة قبل الموت" "صاحب تفسیر قمی نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو مقدر کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حیات کو مقدر کیا اور پھر موت کو۔
(تفسیر صافی، ص ۴۵۷)

اور کافی شریف میں حضرت امام باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے موت سے پہلے حیات کو پیدا کیا۔ نیز "محمد بن يعقوب باسناده عن فضاله عن موسى بن بكر عن زرارة عن ابى جعفرؑ قال قال الحيوة والموت خلقان من خلق الله فاذاجاء الموت فدخل فى الانسان ولم يدخل فى شىء ألاوقد خرجت منه الحيوة"

حضرت محمد بن یعقوب کلینی رحمۃ اللہ نے اپنے اسناد کے ذریعہ موسیٰ بن بکر سے۔اور انہوں نے حضرت زرارہ سے۔اور انہوں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے۔کہ زندگی اور موت بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں سے پیدا کردہ مخلوق ہیں۔جب موت وارد ہوتی ہے اور انسان کے بدن میں داخل ہوتی ہے۔تو اس کے جس جز میں داخل ہوتی ہے اس سے زندگی نکل جاتی ہے۔

(تفسیر صافی: ص ۴۵۷ تفسیر البرہان: جلد نمبر ۲ ص ۱۱۳۲)

حضرت امام باقر علیہ السلام کی ان دونوں حدیثوں سے ظاہر قرآن پاک کے مطابق جہاں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حیات اور موت کے درمیان عدم وملکہ کا تقابل نہیں۔جیسا کہ اکثر متکلمین کا خیال ہے۔بلکہ ان کے درمیان تقابل تضاد متحقق ہے۔یہ دونوں وجودی امر ہیں۔اور خدا کی مخلوق ہیں۔وہاں یہ امر بھی نہایت وضاحت سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے حیات کو پیدا کیا۔اور اس کے بعد موت کو پیدا فرمایا۔لیکن آیت مبارکہ ﴿خلق الموت والحیوۃ﴾ میں پہلے موت کی پیدائش کا ذکر ہے۔اور بعد کو حیات کے پیدا فرمانے کا تذکرہ ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ تقدم ذکر تقدم وجود کو مستلزم نہیں۔اور کسی شئے کو پہلے ذکر کردینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کا وجود بھی پہلے متحقق ہوا۔اس لئے ارشاد ربی!

﴿علم القرآن﴾ کا پہلے اور ﴿خلق الانسان﴾ کا بعد کو ذکر ہونا۔اس امر کو مستلزم نہیں کہ انسان کو پیدا بعد میں کیا گیا ہو۔اور قرآن اسے پیدا کرنے سے پہلے تعلیم کر دیا گیا ہو۔

تعلیم قرآن بعد از پیدائش انسان

قرآن کریم واحادیث معصومینؑ کی روشنی میں

آنحضرت ﷺ اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کو خدا تعالیٰ نے عالم انوار میں بروئے اخبار اگرچہ بہت سے علوم ومعارف سے نواز اور سرفراز فرمادیا تھا۔ لیکن قرآن کریم کی تعلیم کے متعلق جہاں تک خود قرآن پاک اور احادیث معصومین علیہم السلام کا تعلق ہے۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو عالم اجسام کی پیدائش کے بعد مرحمت فرمائی۔ بکثرت آیات واحادیث اس مطلب پر دال ہیں۔

چنانچہ ارشاد خداوندی ملاحظہ ہو!

﴿قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾

اے نبیؐ! کہہ دیجیے کہ جو شخص حضرت جبرائیلؑ امین کا دشمن ہو۔ "خدا اس کا دشمن ہے" کیونکہ جبرائیلؑ نے خدا کے ہی حکم سے قرآن پاک کو تیرے دل پر نازل کیا۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۹۷)

﴿علی قلبك﴾ کے الفاظ اس کی دلیل ہیں کہ قرآن پاک کی تعلیم اللہ تعالیٰ نے رسولؐ پاک کو عالم اجسام میں مرحمت فرمائی۔ کیونکہ جبرائیلؑ نے قرآن پاک کو آنحضرتؐ کے قلب مبارک پر نازل کیا۔ اور وہ بدن کا ٹکڑا ہوتا ہے۔ کیونکہ قلب سینے میں ہوتا ہے اور سینہ کمر سے اوپر، سر و گردن سے نیچے اور شانے بازؤں کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا قلب یعنی دل کا ہونا مستلزم جسمیت ہے۔ اور عالم انوار میں یہ اجسام نہیں تھے بلکہ وہاں تو ارواح تھے۔ لہٰذا قرآن پاک کی تعلیم انسانی خلقت کے بعد عالم اجسام میں ہوئی۔ عالم ارواح میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ قرآن پاک کا ایک جزیہ آیت بھی ہے۔ جس سے یہ ثابت ہے کہ قرآن پاک جبرائیلؑ امین نے قلب رسولؐ پر نازل کیا۔ اور عالم ارواح میں قلب رسول کا وجود ہی نہ

تھا۔اس لئے اگر عالم ارواح میں اس آیت کا نزول فرض کیا جائے تو یہ آیت اس وقت کے اعتبار سے خالی از معنی متصور ہو کر رہ جاتی ہے۔

نیز عالم ارواح میں جو علوم اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ اور ان کی آلِ پاکؑ کو عطا فرمائے۔ان میں بظاہر جبرائیلؑ کا واسطہ ہونا ثابت نہیں۔وہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان ذوات مقدسہ تک پہنچتے تھے۔بلکہ اس عالم کے متعلق جو احادیث وارد ہیں ان سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جبرائیلؑ امین اور دیگر ملائکہ بھی محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے واسطے سے علوم معارف الہیہ حاصل کرتے تھے۔وہاں معاملہ برعکس تھا۔لہٰذا اس عالم میں جبرائیلؑ کے واسطے سے قرآن کی تنزیل بر حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متصور نہیں ہو سکتی۔

بہرحال یہ آیت قرآن پاک کا ایک جز ہے۔بنابریں پورے قرآن کی تعلیم عالم ارواح میں اسی وقت متصور ہو سکتی ہے جب اس آیت کی بھی ساتھ ہی تعلیم ہو۔اور اس آیت کی تعلیم اس وقت متصور ہی نہیں ہو سکتی۔کیونکہ اس وقت رسول پاک کا جسم مطہر متحقق الوجود نہ تھا۔تا کہ ان کا قلب مبارک متحقق ہو سکے۔لہٰذا رسول پاک کا اس وقت قلب متحقق الوجود نہیں ہو سکتا۔اس لئے اس آیت کا العیاذ باللہ مطابقت واقع سے خالی ہونا لازم آتا ہے جو کہ محال ہے۔نیز درج ذیل آیت سے بھی یہی استحالہ لازم آتا ہے۔

﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ﴾

قرآن پاک کو روح الامین جبرائیلؑ نے تیرے قلب مبارک پر نازل کیا۔تا کہ تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ جو عذاب الٰہی سے ڈرانے والے تھے۔(سورۃ الشعراء ۲۶۔آیت نمبر ۱۹۲، ۱۹۳)

اس آیت سے بھی یہی استحالہ لازم آتا ہے کہ اگر قرآن مجید کی تعلیم کا عالم ارواح میں متحقق ہونا فرض کیا جائے۔تو یہ اسی وقت متصور ہو سکتا ہے جب کہ اس آیت کی بھی ساتھ تعلیم ہو۔حالانکہ اگر اس آیت کی بھی اس وقت تعلیم کو فرض کیا جائے تو آیت کا مطابقت

واقع سے خالی ہونا لازم آتا ہے۔ حالانکہ ہر آیت مطابقِ واقع ہوتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تعلیم عالم اجسام میں واقع ہوئی۔ نیز وہ تمام آیات بھی عالم ارواح میں تعلیم قرآن کے واقع ہونے کی نفی پر دلالت کرتی ہیں جن میں انبیاء ماسبق کے وہ واقعات بیان کئے گئے ہیں جو عالم اجسام میں ان پر گزرے۔ اور وہ آیات اس کثرت سے ہیں کہ ان کا احصاء اس وقت طاقت راقم سے باہر ہے۔ بطور نمونہ چند آیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

یہ پچیس آیتیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ جن کی ابتداء اس آیت سے ہوئی ہے۔

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ﴾

کہ بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ ''ان سے کہے کہ'' میں تمہارے لئے واضح طور پر عذاب خدا سے ڈرانے والا ہو کر آیا ہوں۔ (سورۃ ہود۔ آیت نمبر ۲۵ تا ۴۹)

ان آیات میں بہ صیغہائے ماضی حضرت نوحؑ کی زندگی کے بہت سے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں حضرت نوحؑ کا اپنی قوم کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی دعوت دینا۔ ان کا حضرت نوحؑ اور ان پر ایمان لانے والوں کو جھوٹا قرار دینا۔ ان کی دعوت کو قبول نہ کرنا۔ اور یہ کہنا کہ تم جس عذاب سے ہمیں ڈراتے ہو اگر سچے ہو تو وہ عذاب لا دکھایئے۔ پھر قدرت کا حضرت نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دینا۔ کشتی کا تیار ہو جانا۔ تنور سے پانی کا ابل پڑنا۔ طوفان کا آ جانا۔ حضرت نوحؑ کا اپنے ساتھیوں کو کشتی پر سوار ہو جانے کا حکم دینا۔ ان کا سوار ہو جانا اپنے بیٹے کو بھی سوار ہو جانے کا حکم دینا۔ اس کا انکار کر کے سوار نہ ہونا۔ پھر اس کا بھی دیگر غرق ہونے والوں کے ساتھ غرق ہو جانا وغیرہ۔ واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

ان واقعات کا قرآن کریم میں صیغہ ماضی کے ساتھ بیان ہونا اس کی دلیل ہے کہ قرآن پاک نازل ہوا تو اس سے پہلے یہ واقعات گزر چکے تھے۔ اور اگر فرض کیا جائے

کہ قرآن پاک کی تعلیم عالم ارواح میں رسول پاک کو دی گئی تھی تو پورے قرآن کی تعلیم یقیناً اسی وقت متحقق ہوگی۔ جبکہ ان آیات کی بھی انہیں تعلیم دی جائے۔ حالانکہ اس وقت نہ حضرت نوحؑ پیدا ہوئے تھے۔ اور نہ ہی ان سے متعلق یہ واقعات رونما ہوئے تھے۔ لہٰذا اس وقت اگر ان آیات کی تعلیم فرض کی جائے تو لازم آئے گا کہ یہ سب آیات ایسے اخبار ہوں جو مطابقت واقع سے خالی ہوں۔ حالانکہ قرآن پاک اس نقص سے مبرا اور منزہ ہے۔ اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ عالم ارواح میں نہیں قرآن پاک کی تعلیم عالم اجسام میں ہوئی۔

نیز ان آیات کے خاتمے پر یہ آیات: ﴿تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ کہ یہ واقعاتِ نوحؑ غیب کی خبریں ہیں۔ جن کی ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ ہمارے اس وحی کرنے سے پہلے نہ تو خود ان خبروں کو جانتا تھا۔ اور نہ ہی تیری قوم جانتی تھی۔ لہٰذا تم صبر کیجئے۔ کیونکہ انجامِ خیر متقیوں کیلئے ہی ہوا کرتا ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ یہ آیت بھی اور اس کے ماقبل والی حضرت نوحؑ کے ساتھ تعلق رکھنے والی دیگر آیتیں بھی رسول پاکؐ کے پاس اس زمانے میں پہنچیں۔ جس میں حضرت رسولؐ پاک کی قوم بھی پیدا ہو چکی تھی۔ کیونکہ قدرت نے فرمایا ﴿وَلَا قَوْمُكَ﴾ کہ ان اخبار کو وحی سے پہلے نہ تو جانتا تھا۔ اور نہ ہی تیری قوم جانتی تھی۔ اور ظاہر ہے کہ عالم ارواح میں حضرت رسولؐ پاک کی قوم اس شان سے پیدا نہیں ہوئی تھی۔ کہ رسولؐ پاک کی طرف قرآن کی وحی ہو جانے سے ان کی قوم کو بھی حضرت نوحؑ کے واقعات کا علم ہو جاتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ یہ تعلیم رسولؐ پاک کو عالم اجسام میں دی گئی۔ عالم ارواح میں رسولؐ پاک کو یہ خطاب کرنا کہ اس وحی سے پہلے ان اخبار کو نہ آپ جانتے تھے نہ آپ کی قوم ایک بے معنی کلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ کیونکہ اس وقت آنحضرتؐ کی قوم پیدا ہی نہ ہوئی تھی۔

جس طرح حضرت نوحؑ کے واقعات بہ صیغہائے ماضی بیان کئے گئے ہیں۔ اسی

طرح حضرت آدمؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت اسماعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ۔ حضرت یعقوب۔ حضرت یوسفؑ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت عیسیٰؑ وغیرہ دیگر بہت سے انبیاءؑ کے واقعات بھی قرآن پاک میں بہ صیغہائے ماضی بیان کئے گئے ہیں۔ جو سب کے سب اس کی دلیل ہیں کہ قرآن پاک ان کے زمانے کے بعد رسولؐ پاک کو پہنچا۔ لہٰذا اگر عالم ارواح میں تعلیم قرآن تسلیم کی جائے تو قرآن پاک کا بیشتر حصہ بوقت تعلیم مطابقت واقع سے خالی تسلیم کرنا پڑے گا۔ حالانکہ قرآن پاک اس نقص سے پاک و پاکیزہ ہے۔ اس لئے قرآن پاک خود گواہ ہے کہ اس کی تعلیم رسول پاک کو عالم ارواح میں نہیں عالم اجسام میں بذریعہ وحی ربانی مرحمت فرمائی گئی۔ قرآن پاک میں جو آیات اس کی شاہد ہیں منجملہ ان کے ایک آیت یہ بھی ہے۔

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۔ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۚ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ۚ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

انسان کی شان سے یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے تین طریقوں کے علاوہ کسی اور طریقے سے کلام کرے۔ یعنی انسان سے خدا کے کلام کرنے کے بس تین ہی طریقے ہیں۔ اوّل وحی کے ذریعے، یعنی کسی مخفی طریقے جیسے "مثلاً القاء فی القلب اور الہام کے طریقہ" سے اپنا مقصد بندے تک پہنچائے۔ دوسرا پردہ کے پیچھے سے، مثلاً ہاتف کی ندا کے ذریعہ۔ تیسرا کوئی قاصد یعنی فرشتہ بھیج کر۔ پس وہ فرشتہ حکم خدا کے ساتھ اس چیز کی وحی کرے جسے خدا چاہتا ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی شان بلند رکھنے والا اور صاحب حکمت ہے۔ (سورۃ الشوریٰ ۴۲۔ آیت نمبر ۵۱،۵۲)

اور اسی ضابطہ کے مطابق ہم نے تیری طرف اے میرے حبیب! اپنے حکم سے ایک روح بھیجا تو "اس سے پہلے" نہ کتاب کو جانتا تھا۔ اور نہ ہی "اس کتاب کے تفاصیل پر

''ایمان رکھنے سے واقف تھا۔ لیکن ہم نے اسے ایک ایسا نور بنایا ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے اسے ہدایت کرتے ہیں جسے چاہتے ہیں۔ اور بیشک تو راہ راست کی رہبری کرتا ہے۔

(اس آیت میں جو لفظ روح وارد ہوا ہے اس کے متعلق ملاحظہ ہو۔ اصول کافی: جلد نمبر ۱:ص ۲۷۳، ۲۷۴ ۔مرآۃ العقول شرح اصول الکافی: جلد نمبر ۱: ص ۱۹۷۔ تفسیر البرہان: جلد ۲: ص ۹۷۸۔ تفسیر صافی طبع جدید تہران: ص ۴۸۲ ۔اصول الشریعہ مصنفہ فاضل جلیل علامہ محمد حسین نجفی صاحب ڈھکو مدظلہ: ص ۴۳، ۵۶ طبع اول)۔

"محمد بن یحیٰ عن عمران بن موسٰی عن موسٰی بن جعفر عن علی بن اسباط عن محمد بن الفضیل عن أبی حمزه قال سئلت اباعبدالله علیہ السلام عن العلم أهو شیء یتعلم العالم من افواه الرجال أم فی الکتاب عندکم تقرؤنه فتعلمون منه قال الامر اعظم من ذلك و أجل۔ أماسمعت قول الله عزوجل و کذلك اوحینا الیك روحا من أمرنا ماکنت تدری ماالکتاب ولاالایمان ۔ثم قال ای شیء یقول اصحابکم فی هذه آلایة أیقرون انه کان فی حال لایدری ماالکتاب ولاالایمان ۔ فقلت لاأدری جعلت فداك مایقولون فقال بلی قد کان فی حال لایدری ما الکتاب ولا ایمان حتی بعث الله عزوجل الروح التی ذکرها فی الکتاب فلمااوحیهاالیه علم العلم والفهم وهی الروح یعطیهاالله عزوجل من شاء فاذااعطاهاعبداعلمه الفهم"

بسند مذکور ابوحمزہ سے روایت ہے کہا کہ! میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم کے متعلق سوال کیا کہ وہ عالم کو کیسے حاصل ہوتا ہے۔ کیا وہ ایسی شئے ہے کہ جسے عالم لوگوں کی زبان سے حاصل کرتا ہے۔ یا تمہارے پاس کوئی کتاب ایسی موجود ہے جس میں وہ علم موجود ہے۔ تم اس کتاب کو پڑھتے ہو تو تمہیں علم حاصل ہو جاتا ہے؟ حضرت نے فرمایا! کہ درحقیقت معاملہ اس سے زیادہ باعظمت اور زیادہ شاندار ہے۔ پھر فرمایا کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا! ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ

امرنا ما کنت تدری ما الکتب ولا الایمان ﴾ پھر کہا تمہارے علماء اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ کیا وہ اقرار کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ ایک وقت ایسی حالت میں بھی تھے کہ اس وقت آپ کو نہ قرآن کا علم حاصل تھا اور نہ ایمان بالقرآن؟ تو میں عرض گزار ہوا کہ میرے ماں باپ حضور پر قربان! مجھے تو نہیں معلوم کہ وہ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ تو آپؑ نے فرمایا! کہ ہاں آنحضرتؐ ایک وقت ایسی حالت میں تھے کہ جس میں نہ ان کو علم قرآن حاصل تھا۔ اور نہ ایمان بالقرآن۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وہ روح ارسال کیا جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ذکر کیا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس روح کو آنحضرتؐ کی طرف بھیجا تو ان کو علم و فہم دونوں حاصل ہو گئے۔ اور یہ ایسی روح ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو اس روح کا شرف عطا کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ یہ روح کسی شخص کو عطا کرتا ہے تو اسے فہم عطا کرتا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو اس وقت تک علم قرآن حاصل نہ تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنی اس مخلوق خاص کو نہیں بھیجا جو جبرائیل و میکائیل علیہما السلام سے بھی زیادہ عظمت والی ہے۔ جیسا کہ دیگر بہت سی احادیث سے ثابت ہے۔ اور جس کے حضورؐ کی خدمت میں پہنچنے کے بعد حضور کے علم و فہم کا کمال انتہائی عروج اور بلندی پر پہنچ گیا۔ جیسا کہ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ اس مخلوق یعنی روح اعظم کا خاصہ ہے کہ جسے اس روح اعظم کی تائید از جانب پروردگار حاصل ہوتی ہے۔ اس کے کمال علم و فہم کے منازل انتہائی رفعت اور بلندی حاصل کر جاتے ہیں۔

اس روح کے متعلق بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جن میں اس کا بیان ہے کہ وہ ایک ملکوتی مخلوق ہے۔ وہ حضرت جبرئیل و میکائیل علیہما السلام سے بھی زیادہ عظمت رکھنے والی ہے۔ اس کی تائید کا شرف اللہ کی جانب سے صرف محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو حاصل ہوا۔ سابق انبیاء و اوصیاء میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔ وہ آنحضرتؐ کی زندگی میں حضورؐ کی خدمت میں رہا۔ اور حضورؐ کی وفات کے بعد جناب امیرؑ کی طرف منتقل ہوا۔ اور اس طرح وہ یکے بعد دیگرے ہر امام کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اس وقت وہ حضرت

حجۃ العصرؑ کی خدمت میں ہے۔وہ مصلحت ایزدی کے تحت کبھی کبھی خدمت سے جدا بھی ہوجاتا ہے۔اور پھر وہ حکم خدا اوراس کی مصلحت کے مطابق عود بھی کرتا ہے۔ایسانہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو حاضر ہوجائے۔کافی شریف میں اس روح کے متعلق ایک مستقل باب قائم ہے۔جس میں چھ احادیث آئمہ علیہم السلام نقل کی ہیں۔جن میں سند اصحیح بھی موجود ہیں اور حسن بھی موجود۔لیکن اس وقت ان احادیث کونقل کرنا مقصود مطلوب نہیں۔صرف اتنا بیان کرنا مقصود ہے کہ محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام کواس روح کی تائید عالم ارواح میں حاصل ہوگئی تھی۔یااس عالم اجسام میں وجود پذیر ہونے کے بعد حاصل ہوئی۔

سابقاً بیان ہوچکا کہ بروئے اخبار آئمہ اطہار علیہم السلام معلوم ہوتا ہے کہ عالم ارواح میں ملائکہ وغیرہ نے بھی علوم ومعارف ارواح محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام کے توسط سے حاصل کئے۔کیونکہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کے انوار وارواح کو اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوقات سے پہلے پیدا فرمایا تھا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے روح اعظم کوآنحضرت ﷺ کی تائید وتسدید کیلئے عالم ارواح میں نہیں بلکہ اس عالم اجسام میں ارسال کیا۔اور حضورؐ کی ولادت باسعادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کواس شرف سے مشرف کیا۔ارشادات آئمہ ہدیٰ علیہم السلام سے یہی ثابت ہوتا ہے۔(چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر المیزان: جلد نمبر ۱۸،ص ۸۴ معنفہ حضرت آقا سید محمد حسین طباطبائی بحوالہ نہج البلاغہ تحریر فرماتے ہیں)۔

"وفی النهج ولقد قرن اللّٰه به صلی اللّٰه علیه وآله وسلّم من لدن کان فطیما اعظم ملك من ملٓئکة یسلك به طریق المکارم ومحاسن اخلاق العالم لیله ونهاره"

حضرت جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا! کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے ساتھ اپنے ملائکہ میں سے سب سے زیادہ عظمت والا فرشتہ اس وقت سے ملا دیا تھا جب

سے آپ کا دودھ چھڑایا گیا۔ وہ فرشتہ شب وروز آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ اور تمام عالم کے اخلاق وعادات میں سے برگزیدہ اور افضل ترین اخلاق کے رستہ پر گامزن ہونے میں وہ آپ کی مدد کرتا تھا۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دودھ بڑھائی کی عمر کو پہنچے۔ اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے وہ روح اعظم حضورؐ کی خدمت میں بھیج دیا۔ عالم نبیل فاضل جلیل جناب علامہ محمد حسین نجفی صاحب ڈھکو اپنی کتاب اصول الشریعہ صفحہ ۵۶ میں رقمطراز ہیں۔

اور بعض آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وقت ولادت سے روح القدس انکے ہمراہ کردیا جاتا ہے۔ نیز اسی صفحہ کے آخر میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔ بصائر الدرجات صفحہ ۱۳۶ پر وہی روایت متعدد طرق سے مروی ہے جو ہم صفحہ ۴۳ پر تفسیر صافی۔ تفسیر البرہان اور کافی سے نقل کر چکے ہیں۔ کہ معصومؑ نے آنحضرتؐ کے متعلق فرمایا: "قد کان فی حال لایدری ماالکتاب ولاالایمان حتی بعث اللّٰہ تلك الروح فعلم بھاالعلم والفھم وکذلك تجری تلك الروح اذابعثھاألی عبد علم بھاالعلم و الفھم"

آنحضرتؐ ایک ایسی حالت میں تھے کہ کتاب وایمان بالقرآن کا علم نہیں رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ خدا نے اس روح القدس کو بھیجا۔ بس اس کے ذریعے ان کو "دو مخصوص" "علم وفہم عطا فرمایا۔ اسی طرح اس روح کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جب خدا سے اپنے عبد خاص کے پاس بھیجتا ہے تو اسے مخصوص علم وفہم عطا فرما دیتا ہے۔

حضرت جناب مولانا اسی کتاب کے صفحہ ۵۷ پر بصائر الدرجات کی ایک اور روایت نقل فرما کر اس کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔ یہ جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام سے بھی عظیم الشان ایک مخلوق ہے۔ سوائے سرور کائناتؐ کے گذشتہ انبیاءؑ واوصیاء میں سے کسی کے ہمراہ نہ تھا۔ البتہ آنحضرتؐ کے بعد یہ روح القدس آئمہ علیہم السلام کے ہمراہ برائے تسدید ہوتا ہے۔ "انتھی بقدر الحاجۃ"

نیز حضرت علامہ نے اسی کتاب کے صفحہ ۵۶ میں بھی بصائر الدرجات صفحہ ۱۳۵ سے آیت مذکور ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِيْ ..... ﴾ کے تحت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے۔ اور اس کے تحت اس کا ترجمہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ! یہ ایک فرشتہ ہے جب سے اترا پھر آسمان پر نہیں گیا۔ پہلے جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا پھر ان کے بعد آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے ہمراہ رہ کر ان کی تائید وتسدید کرتا ہے۔ اس کے بعد سرکار مولانا مدظلہ نے اسی صفحہ پر بصائر الدرجات سے نقل کر کے ایک اور حدیث کے ترجمہ میں فرمایا ہے۔ جب جناب رسولؐ خدا کا انتقال ہو گیا تو روح القدس امام برحق حضرت علی علیہ السلام کی طرف منتقل ہو گیا۔

نیز حضرت مولانا مدظلہ نے اصول الشریعہ صفحہ ۴۳ پر تحریر فرمایا ہے۔ مگر محتاط سے محتاط لفظوں میں بھی اتنا اس آیت مبارکہ سے بعبارۃ نص واضح ہوتا ہے کہ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔ لیکن وحی نبوت کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا" انتہی"

خلاصۃ المرام

مندرجات بالا کو بغور مطالعہ کرنے سے دو چیزیں بخوبی سمجھ آجاتی ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات کے رو سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس عالم آب وگل میں انسانی باعظمت صورت وہیئت پر پیدا کرنے کے بعد قرآن پاک کی تعلیم دی۔ اس سے پہلے نہیں دی۔

دوسری چیز یہ کہ حضرت علامہ محمد حسین صاحب قبلہ ڈھکو مدظلہ اسی عقیدہ کے معتقد ہیں۔ اور اسی نظریہ کو قرین صواب سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اصول الشریعہ کے مندرجہ بالا اقتباسات سے مثل روز روشن واضح ہے۔

لہٰذا مولانا موصوف مدظلہ العالی کی ان تحریروں کے باوجود رسالہ "نور یا خاک" شائع کردہ ادارہ انوار۔ مکتبہ جعفریہ بلاک نمبر ۷ سرگودھا کے صفحہ ۲۰ پر مولانا موصوف کی تقریر قرار دیتے ہوئے جو درج ذیل عبارت شائع کی گئی ہے۔ اسے کیسے باور کیا جائے کہ یہ مولانا ہی کی تقریر ہے۔ عبارت یہ ہے۔

آؤ قرآن کی روشنی میں پہلے سورہ الرحمٰن کی تلاوت کریں۔ خالق فرماتا ہے۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ: اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾

میں خداوند علیم ہوں کہ جس نے انسان کو تعلیم پہلے عطا فرمائی۔ اور پیدا بعد میں کیا۔۔۔۔

خالق فرماتا ہے انسان کامل نے ابھی اس عالم آب وگل میں قدم نہیں رکھا تھا۔ ابھی وہ عالم انوار اور حجج سماویہ کی سیر کر رہا ہے کہ میں نے اپنے علوم لدنیہ اس کو پڑھا دیئے تھے۔ اور اس کے بعد اس کو عالم فاضل بنا کر دنیا میں بھیجا تھا۔ ہمارے مفکرین تو متفق ہیں کہ یہاں انسان سے مراد ہیں سرور موجودات علت غائی کائنات یعنی حسنینؑ کے نانا بزرگوار۔ لیکن اگر پیغمبر خدا معاذ اللہ انسان نہیں ہیں تو ذرا مجھے بتایا جائے کہ وہ انسان کون ہے کہ جس کی خلقت بعد میں ہوئی۔ اور اللہ نے سب کچھ پہلے پڑھا دیا۔ "انتھی"

مولانا کی اس تقریر کا لب لباب یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو قرآن کریم کی تعلیم پہلے دی۔ اور عالم اجسام میں پیدا بعد کو کیا۔ مگر یہ دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اس کی دلیل مولانا نے کوئی پیش نہیں کی۔ لہذا یہ کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ یہ مولانا کی تقریر ہے۔ جبکہ آپ اپنی کتاب اصول الشریعہ میں مدلل طور پر آیات اور احادیث کے ذریعہ صراحۃً ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضورؐ پر نور کو اس عالم آب وگل میں پیدا فرمایا تو اس کے بعد انکی طرف روح اعظم کو بھیجا۔ اور جب تک روح اعظم ان کے ہمراہ نہ ہوئی تھی تو کم از کم اس وقت تک ان کو نہ قرآن کا علم تھا نہ ایمان بالقرآن کا۔

رسالہ مذکورہ ''نوریا خاک'' میں جو کچھ شائع کیا ہے اگر اسے مولانا کی ہی فی الواقع تقریر قرار دیا جائے تو مولانا کی تقریر اور تحریر میں منافات قائم ہو جاتی ہے۔ لہٰذا رسالہ مذکورہ میں جو امر مولانا کی طرف سے منسوب کیا گیا ہے اسے اس وقت تک تسلیم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ اس کی حتمی دلیل متحقق نہ ہو جائے کہ فی الواقع یہ مولانا کی تقریر ہے۔ اور بالفرض اگر یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ بھی جائے۔ تو بھی صحیح وہ ہے جو مولانا نے اصول الشریعہ میں تحریر فرمایا ہے۔ جیسا کہ آیات واحادیث کی روشنی میں ہم نے وضاحت کر دی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے عالم اجسام میں پیدا کرنے کے بعد قرآن کریم کی تعلیم سے آنحضرتؐ کو مشرف فرمایا۔

ہم نے آیت مبارکہ ﴿الرحمٰن علم القران خلق انسان علمه البیان﴾ کی توضیح میں اس لیے طول دیا کہ مسئلہ تعلیم قرآن کی وضاحت ہو جائے۔ اور مولانا محمد حسین صاحب دام عزہ کی طرف رسالہ ''نوریا خاک'' میں جو اس مسئلہ سے متعلق نسبت دی گئی ہے۔ اس کے مالہٗ وماعلیہ پر روشنی پڑ جائے۔ لہٰذا پھر ہم اصل مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی انسانیت کے مزید دلائل سپرد قلم کرتے ہیں۔

۱۲۳۔ ﴿وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا﴾

اور زمین اپنے خزانے باہر نکال دے گی۔ اور ایک انسان کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟

(سورۃ الزلزال ۹۹۔ آیت نمبر ۲)

احادیث ائمہ معصومینؑ کے مطابق اس آیت میں جو لفظ "الانسان" واقع ہے۔ اس سے مراد حضرت جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ ہیں۔ (چنانچہ ملاحظہ ہو ترجمہ مولانا فرمان علی مرحوم ص ۹۵۴ حاشیہ نمبر ۳ تحریر ہے) احادیث سے ثابت ہے اور مفسرین کا قول بھی ہے کہ اس آیت میں انسان سے مراد حضرت علیؑ ہیں۔ چنانچہ جب آپ کے سامنے یہ سورہ پڑھا گیا تو آپ نے فرمایا! میں ہی وہ انسان ہوں جس سے زمین حالات

بیان کرے گی۔"انتھی"

"ابن بابویہ۔ قال حدثنا احمدبن محمدعن ابیہ عن محمدبن احمد قال حدثنا ابوعبداللّٰہ الرازی عن احمدبن محمدبن ابی نصرعن روح بن صالح عن ھارون بن خارجہ رفعہ عن فاطمۃ علیہاالسلام قالت اصاب الناس زلزلۃ علی عہدابی بکروفزعواألی ابی بکروعمر فوجدوھماقدخرجافزعین ألی علیؑ فتبعھماالناس ألی ان انتھوألی علیؑ فخرج الیھم علیؑ غیر مکنوث لماھم فیہ فمضٰی فاتبعہ الناس حتی انتھی الی تلعۃ نقعد الیھاوقعد واحولہ وھم ینظرون ألی حیطان المدینہ ترتج جائیۃ وذاھبۃ فقال لھم علیؑ انکم قدھالکم ماترون قالوا کیف لایھولناولم نرمثلھاقط فحرك شفتیہ ثم ضرب الارض بیدہ ثم قال مالك اسکنی فسکنت فعجبوامن ذلك اکثرمن تعجبھم اولاحیث خرج الیھم قال فانکم تعجبتم من صنعی قالوا نعم قال اناالرجل الذی قال اللّٰہ تعالٰی ﴿اِذَازُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَھَاوَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَھَاوَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَھَا﴾فاناالانسان الذی یقول لھامالك ۔ یومئذ تحدث اخبارھاایای تحدث اخبارھا"

بسند مذکورہ ہارون بن خارجہ نے مرفوعاً جناب سیدہ خاتون فاطمۃ زہراؑ سے روایت کی ہے! کہ زمانہ ابوبکر میں ایک مرتبہ سخت زلزلے نے لوگوں کو آلیا۔لوگ گھبرا کر ابوبکر اور عمر کے پاس گئے۔تو انہوں نے دیکھا کہ وہ دونوں تو گھبرا کر نکلے ہیں۔اور حضرت علیؑ کی خدمت میں جارہے ہیں۔سب لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے ہوئے۔تا آنکہ سب جناب امیرؑ کے در دولت پر پہنچے تو'' اطلاع پاکر'' جناب امیرؑ نہایت بے پرواہی کے عالم میں اپنے گھر سے باہر تشریف لائے۔ جو گھبراہٹ لوگوں کو لاحق تھی اس کا جناب امیرؑ پر کوئی اثر نہ تھا۔آپ ایک طرف چل پڑے۔سب لوگ بھی حضورؑ کے پیچھے پیچھے چل پڑے حتیٰ کہ آپ ایک ٹیلے پر پہنچے اور اس پر بیٹھ گئے۔لوگ آپؑ کے گرداگرد بیٹھ گئے۔اور وہ مدینہ کی دیواروں کو دیکھ رہے تھے کہ وہ متحرک جھولے کی طرح ادھر ادھر ہچکولے کھا رہی تھیں۔

جناب امیرؑ نے لوگوں سے فرمایا! کہ جو حالت تم دیکھ رہے ہو اس نے تمہیں خوفزدہ کر دیا ہے۔ سب عرض گذار ہوئے کہ ہم خوفزدہ کیسے نہ ہوں حالانکہ ہم نے تو اس شان کا زلزلہ کبھی دیکھا ہی نہیں۔ حضرتؑ نے اپنے لب ہائے مبارکہ کو حرکت دی۔ اور زمین پر اپنا ہاتھ مار کر فرمایا! کہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ سکون اختیار کر! پس حضرتؑ کا یہ فرمانا تھا کہ فوراً وہ ٹھہر گئی۔ تو لوگوں کو اس قدر تعجب لاحق ہوا کہ جس قدر جناب امیرؑ کے بے پرواہی کے ساتھ دردولت سے باہر آنے پر بھی لاحق نہ ہوا تھا۔ حضورؑ نے لوگوں کے تعجب کو دیکھ کر فرمایا! کہ تمہیں میرے افعال سے تعجب لاحق ہو گیا ہے۔ تو لوگوں نے عرض کیا۔ جی ہاں! تو حضرتؑ نے فرمایا کہ میں ہی تو وہ مرد ہوں جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَالَهَا﴾ میں ہی تو وہ انسان ہوں جو زمین سے کہے گا! کہ تجھے کیا ہو گیا ہے۔ وہ اس دن اپنے حالات بیان کرے گی۔ فرمایا کہ میں ہی وہ انسان ہوں زمین جس سے اپنے حالات بیان کرے گی۔

"فی الخرائج عن الباقرؑ انه قرأت هذه السورة عند امیر المومنینؑ فقال انا الانسان و ایای تحدث اخبارها"

کتاب الخراج میں حضرت امام محمد باقرؑ سے منقول ہے! کہ یہ سورۃ ایک مرتبہ جناب امیرؑ کی خدمت میں پڑھی گئی۔ تو آپؑ نے فرمایا وہ انسان میں ہی ہوں۔ اور زمین مجھ سے ہی اپنے حالات بیان کرے گی۔ (تفسیر صافی ص ۴۸۶)

تفسیر البرہان میں بہت سی دیگر احادیث اسی مضمون پر دلالت کرنے والی منقول ہیں۔ خوف تطویل کے باعث انہیں ترک کیا جاتا ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام نوع انسان سے تھے۔ اور آیت مبارکہ ﴿وَقَالَ الْاِنْسَانُ﴾ ان کی شان والاشان میں نازل ہوئی ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جناب امیرؑ اور جناب رسالتمآبؐ ہر دو کی نوع ایک ہی تھی۔ لہٰذا ان احادیث اور اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ جناب رسولؐ خدا انسان تھے۔

۱۲۴۔ ﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ "یا خدا نے جو "کامل" انسانوں کو فضیلت عطا فرمائی۔اس کے باعث وہ ان باکمال لوگوں سے حسد کرتے ہیں"۔

(سورۃ النساء ۴۔آیت نمبر ۵۴)

لفظ "الناس" کا معنی ہوتا ہے لوگ یعنی انسان۔اور احادیث آئمہ معصومین علیہم السلام کے مطابق یہاں عام انسان مراد نہیں ہیں۔بلکہ اہلبیتِ رسول مقبولؐ مراد ہیں۔جو کہ سب سے زیادہ باکمال انسان ہیں۔چنانچہ ملاحظہ ہو حاشیہ ترجمہ مولانا فرمان علی صاحب۔ ص ۱۳۶ تحریر ہے۔کہ ابوالحسن مغازلی نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے۔کہ اس آیت میں "الناس" سے مراد عام لوگ نہیں۔بلکہ مخصوص ہم اہلبیتِ پیمبرؐ ہیں۔جن پر لوگ رشک و حسد کرتے ہیں۔(دیکھو صواعق محرقہ علامہ ابن حجر عسقلانی قلمی آیت ۶ فضائل اہلبیت ۱۲۔ابن مغازلی کی روایت کیلئے ملاحظہ ہو تفسیر المیزان: جلد نمبر ۴:ص ۴۰۹،تفسیر المیزان: جلد نمبر ۴:ص ۴۰۸،نیز تفسیر البرہان جلد نمبر ۱:ص ۳۷۵ طبع ثانی)

بروایت کافی شریف حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی ایک طولانی حدیث منقول ہے۔ جس میں حضرتؑ کے یہ الفاظ مرقوم ہیں۔﴿ام یحسدون الناس علی ما اٰتٰھم اللّٰہ من فضلہ﴾ نحن الناس المحسودون علی ما آتانا اللّٰہ من الامامۃ دون خلق اللّٰہ اجمعین"

کہ ہم وہ لوگ ہیں جن سے اس فضیلت امامت کے باعث حسد کیا جاتا ہے۔جو ساری مخلوق کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔

نیز تفسیر مذکور جلد نمبر ۱:ص ۳۷۶ بروایت کافی شریف ہی حضرت ابوالحسن علیہ السلام کی حدیث منقول ہے۔"عن ابی الحسن علیہ السلام فی قول اللّٰہ تبارک و تعالٰی ام یحسدون الناس علی ما آتٰھم اللّٰہ من فضلہ قال نحن المحسودون"

فرمایا کہ ہم ہی وہ لوگ ہیں جن سے حسد کیا جاتا ہے۔اور جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں "الناس" کے لفظ سے فرمایا ہے۔

نیز تفسیر البرہان مذکور صفحہ مذکورہ بالا بروایت کافی شریف میں منقول ہے۔ "عن ابی الصباح قال سئلت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن قول اللہ عزوجل ام یحسدون الناس علی ما آتاھم اللہ من فضلہ" فقال یا ابا الصباح نحن المحسودون"

ابوالصباح سے روایت ہے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ .....﴾ کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا! کہ اے ابوالصباح ہم ہی وہ لوگ ہیں جن سے حسد کیا جاتا ہے اور جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے۔

نیز تفسیر مذکورہ صفحہ مذکورہ "عن ابی الصباح قال ابو عبد اللہ نحن قوم فرض اللہ طاعتنا لنا الانفال ولنا صفو المال ونحن الراسخون فی العلم ونحن المحسودون الذین قال اللہ ﴿ام یحسدون الناس علی ما آتھم اللہ من فضلہ﴾"

(تفسیر مجمع البیان: جلد نمبر ۲: ص ۶۱ بحوالہ تفسیر عیاشی، نیز تفسیر البرہان)

بروایت کافی شریف ابوالصباح سے ہی مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا! کہ ہم ہی وہ قوم ہیں جن کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ انفال ہمارے لئے ہی مخصوص ہیں۔ اور مال غنیمت میں برگزیدہ مال حاصل کر لینا ہماری ہی خصوصیت ہے۔ اور ہم ہی راسخین فی العلم ہیں۔ اور ہم ہی وہ لوگ ہیں جن سے حسد کیا جاتا ہے۔ کہ جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ.....﴾

"عن الرضا علیہ السلام فی حدیث طویل: فی صفۃ الامام قال فی الائمۃ من اھلبیت نبیہ وعترتہ وذریتہ: ﴿ام یحسدون الناس علی ما آتاھم اللہ من فضلہ﴾ (انتھی بقدر الحاجۃ)

کہ بروایت کافی شریف ہی حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے آپ کی ایک طولانی حدیث میں وارد ہے۔ جس میں آپ شان امام بیان فرما رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ رسول خدا کے اہلبیت اور آپ کی عترت اور ذریت میں سے جو آئمہ ہیں۔ ان کی شان والا شان میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا ہے۔ ﴿اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ﴾

"عن ابی حمزة الثمالی عن ابی عبداللّٰہ فی ھذہ الآیۃ ﴿ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللّٰہ من فضلہ فقد اتینا ال ابراھیم الکتاب والحکمۃ واتیناھم ملکاعظیما﴾ فقال نحن الناس الذین قال اللّٰہ ونحن واللّٰہ المحسودون ونحن اھل الملک الذی یعود الینا"

ابوحمزہ ثمالی نے اس آیت مبارکہ ﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاس .....﴾ کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے۔ فرمایا ہم وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا۔ ﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاس .....﴾ قسم بخدا ہم ہی وہ ہیں۔ جن سے حسد کیا جاتا ہے۔ اور ہم ہی اس ملک عظیم کے مالک ہیں۔ اور وہ ہماری طرف ہی لوٹے گا۔ (نیز تفسیر البرہان: جلد نمبر ا: ص ۳۷۷)

"عن جابر عن ابی جعفر علیہ السلام ﴿ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللّٰہ من فضلہ﴾ قال نحن الناس"

جابر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے آیت مبارکہ ﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاس .....﴾ کے متعلق فرمایا! کہ ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ (تفسیر المیزان: جلد ۴: ص ۳۰۸، نیز تفسیر البرہان: جلد نمبر ا ص ۳۷۷ بروایت امالی شیخ علیہ الرحمۃ)

نیز تفسیر البرہان: جلد نمبر ا۔ ص ۳۷۷ بروایت تفسیر عیاشی امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طولانی حدیث میں یہی مضمون منقول ہے۔

بروایت سلیم بن قیس ہلالی حضرت جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی طولانی حدیث منقول ہے۔ جس میں جناب امیرؑ کے یہ الفاظ مرقوم ہیں۔ "نحن الناس ونحن المحسودون" کہ فرمایا! ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کا ذکر ﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاس﴾ کی آیت میں آتا ہے۔" اور ہم ہی وہ لوگ ہیں جن سے حسد کیا جاتا ہے"۔

(تفسیر البرہان: جلد نمبر ا ص ۳۷۵)

مرقوم ہے۔ "عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ ﴿ام یحسدون الناس علی

ما اتاهم اللّٰه من فضله﴾ نزلت فی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم وفی علی علیہ السلام" کہ ابن عباس سے اس آیت مبارکہ ﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ ..... ﴾ کے متعلق منقول ہے۔ کہ ابن عباس نے فرمایا! کہ یہ آیت رسولؐ خدا اور جناب امیرالمومنینؑ کی شان والاشان میں نازل ہوئی۔ (تفسیر البرہان. جلد نمبر ا ص ۳۷۸،۳۷۹ بروایت ابن شہر آشوب)

"فی مجمع البیان المراد بالناس النبی و آلہ وقال ابو جعفر علیہ السلام المراد بالفضل النبوۃ وفی علی الامامۃ" کہ تفسیر مجمع البیان میں تحریر ہے کہ لفظ "الناس" سے مراد جناب رسولؐ خدا اور ان کی آلِ پاک ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا! کہ اس آیت میں جو لفظ "فضل" وارد ہوا ہے۔ نبیؐ پاک کے حق میں اس سے مراد نبوت ہے۔ اور علی بن ابیطالب علیہ السلام کے حق میں اس فضل سے مراد امامت ہے۔ (تفسیر البرہان: جلد نمبر ا: ص ۳۷۹)

"ومن طریق المخالفین مارواہ ابن المغازلی یرفعہ الی محمد بن علی الباقرؑ فی قولہ تعالیٰ: ﴿ام یحسدون الناس علی ما اتاھم اللّٰه من فضله﴾ قال نحن الناس واللّٰہ"

اہل سنت کے طریقہ سند کے اعتبار سے وہ روایت ہے۔ جسے ابن مغازلی نے مرفوع طور پر امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ کہ آپؑ نے اس آیت مبارکہ ﴿اَمْ یَحْسُدُوْنَ النَّاسَ ..... ﴾ کے متعلق فرمایا کہ قسم بخدا اس آیت میں لفظ "الناس" سے ہم اہل بیت مراد ہیں۔ (تفسیر البیان: جلد نمبر ا: ص ۳۳۷ تفسیر مجمع البیان. جلد نمبر ۲: ص ۹۱ و تفسیر البرہان: جلد ا: ص ۳۷۹)

میں لفظ "الناس" کے معنی کے متعلق کہ جو اس آیت "وافیۃ الھدایۃ" میں وارد ہوا ہے۔ یہی مضمون کافی شریف اور تفسیر العیاشی وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ (تفسیر صافی: ص ۱۰۷)

مذکورہ احادیث سے مثل روز روشن واضح ہے کہ لفظ "الناس" سے اس آیت میں مراد آنحضرتؐ اور ان کے اہل بیت اطہار علیہم السلام ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام انسان تھے۔

۱۲۵۔ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ﴾

اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو خداوند عالم کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان فروخت کر دیتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ (سورۃ البقرۃ۲۔ آیت نمبر ۲۰۷)

یہ آیت مبارکہ حضرت جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی شان والا شان میں نازل ہوئی ہے۔

"وفی امالی الشیخ عن علی بن الحسین علیہ السلام فی قولہ تعالی ﴿ومن الناس من یشری نفسہ﴾ الآیۃ قال نزلت فی علیم حین بات علی فراش رسول اللّٰہ ۔اقول وقد تکاثرت الروایات من طریق الفریقین انھا نزلت فی شان لیلۃ الفراش ورواہ فی تفسیر البرھان بخمس طرق عن الثعلبی وغیرہ"

روایت جناب امام زین العابدینؑ سے اس آیت مبارکہ ﴿من الناس من یشری.....﴾ کے متعلق منقول ہے۔ کہ یہ حضرت جناب امیر المومنین علیہ السلام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی۔ جبکہ آپؑ نے بستر رسول مقبولؐ پر شب بسر کی۔ صاحب تفسیر المیزان فرماتے ہیں۔ کہ فریقین کے طرف سے بکثرت روایات اس بارے میں وارد ہوئی ہیں کہ یہ آیت جناب امیرؑ کے بستر رسولؐ پر شب باشی کرنے کی شان میں نازل ہوئی۔ تفسیر البرہان میں اس امر کو ثعلبی وغیرہ سے پانچ طریقوں کے ذریعہ روایت کیا ہے۔ (تفسیر مجمع البیان: جلد نمبر ا: ص ۳۰۱)

سدی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ "نزلت ھذہ الآیۃ فی علی بن ابیطالبؑ حین ھرب النبیؐ عن المشرکین الی الغار ونام علیؑ علی فراش النبیؐ ونزلت الآیۃ بین مکۃ والمدینۃ" کہ یہ آیت مبارکہ حضرت جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان میں اسوقت نازل ہوئی۔ جبکہ آنحضرتؐ مشرکین کے خوف سے غار کی طرف، چلے گئے۔ اور حضرت علی علیہ السلام بستر نبی پر سو گئے۔ اور یہ آیت مکہ اور مدینہ کے درمیان نازل ہوئی۔

ثعلبی نے اپنی تفسیر میں، ابن عقبہ نے اپنے ملحمہ میں، ابو السعادت نے فضائل

العترۃ میں، اور غزالی نے الاخبار میں اپنی روایات کے ساتھ ابوالیقظان سے روایت کی ہے۔ اور ہمارے علماء اثناء عشریہ میں سے شیخ صدوق علیہ الرحمہ، ابن شاذان، محمد بن یعقوب الکلینی، شیخ محمد بن حسن الطوسی، ابن عقدہ، برتی، ابن فیاض العبدکی، جفوانی اور ثقفی نے اپنے اپنے اسانید کے ساتھ ابن عباس، ابورافع اور ہند بن ابی ہالہ سے روایت کی ہے۔ کہ آنحضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دو مقرب فرشتوں جبرئیل اور میکائیل کی طرف وحی کی کہ "انی احیت بینکماو جعلت عمر احد کما اطول من عمر صاحبه فایکمایوثر احاہ" کہ میں نے تم دونوں کے مابین مؤاخات اور برادری قائم کر دی ہے۔ اور تم دونوں میں سے ایک کی عمر لمبی بنادی ہے۔ لہٰذا تم میں سے کون ہے جو اپنی عمر اپنے بھائی پر قربان کر دے۔ اور بھائی کو اپنے اوپر ترجیح دے۔ دونوں میں سے کسی فرشتے نے موت کو پسند نہ کیا۔

تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا!" انکنتمامثل ولی علی بن ابیطالبؑ" کہ تم دونوں نے میرے ولی علی بن ابیطالب علیہ السلام کی سیرت کو اختیار کیوں نہ کیا؟

میں نے علیؑ اور نبیؐ میں مؤاخات قائم کی تھی۔ تو علیؑ نے نبی کو اپنے نفس پر ترجیح دے دی ہے۔ کہ وہ ان کے بستر پر سو کر نبی کی جان بچانے کی سعی اور کوشش میں مصروف ہے۔ لہٰذا تم دونوں زمین پر جاؤ! اور علیؑ کی حفاظت کرو۔ چنانچہ جبرئیلؑ نازل ہو کر جناب امیرؑ کے سرہانے بیٹھ گئے اور میکائیلؑ جناب کے پائینتی کی جانب بیٹھ رہے۔ اور جبرئیل فرمانے لگے۔ "بخ بخ من مثلك یابن ابیطالبؑ و اللّٰه یباهی بك الملا ئكة" کہ مبارک مبارک! اے فرزند حضرت ابوطالبؑ تیری مثل کون ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تیرے ذریعہ فرشتوں پر فخر و مباہات کرتا ہے۔ ﴿فانزل اللّٰه و من الناس من یشری .....﴾ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿و من الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات﴾ نازل فرمائی۔

ان روایات سے دو دلیلیں اس مطلب پر قائم ہیں۔ کہ جناب امیر المومنین علیہ السلام

انسان تھے۔ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ "ومن الناس" کے ذریعہ جناب امیرؑ کولوگوں میں سے ایک شخص قرار دیا۔ اور ظاہر ہے کہ لوگوں میں سے وہی ہوسکتا ہے جو انسان ہو۔اور دوسرے یہ کہ حضرت جبرئیلؑ نے جناب امیر المومنینؑ کو "یاابن ابی طالب" کے الفاظ سے خطاب فرمایا! کہ اے فرزند ابوطالبؑ۔اور حضرت ابوطالبؑ انسان تھے۔لہٰذا ان کے فرزند جناب امیر المومنینؑ کا بھی انسان ہونا ضروری ہے۔

"وفی نھج البیان نزلت ھذہ الآیۃ فی علی ابن ابیطالبؑ حین بات علی فراش رسول اللہؐ" کہ نہج البیان میں تحریر ہے کہ یہ آیت ﴿ومن الناس من یشری.....﴾ حضرت جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی شان والا شان میں اس وقت نازل ہوئی۔جبکہ انہوں نے رسول خداؐ کے بستر پر شب بسر کی۔(تفسیر البرہان طبع ثانی جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۰۷)

اس کے بعد کفار کا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کے قتل کا منصوبہ بنانا۔اور جبرائیلؑ کا آنحضرتؐ کو ان کے اس منصوبہ کی خبر دینا۔اور یہ حکم دینا کہ اپنے بستر پر اپنے چچازاد حضرت جناب امیرؑ کو سلادیجئے کا واقعہ درج ہے۔اور آخر میں مرقوم ہے۔ "روی ذلک عن ابی جعفرؑ وابی عبد اللہ علیہ السلام"

کہ یہ سب کچھ جناب امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام ہر دو اماموں سے مروی ہے۔

سالم بن ابی جعد سے روایت کی ہے۔کہ وہ مرفوع طور پر حضرت ابوذر رحمہ اللہ سے بیان کرتے ہیں کہ عمر بن خطاب نے اپنی وفات سے پہلے جبکہ اسے ضرب لگ چکی تھی۔چھ اشخاص علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کو حکم دے دیا تھا۔کہ وہ سب اسکی وفات کے بعد ایک گھر میں داخل ہوجائیں۔اس گھر کا دروازہ بند کردیا جائے۔وہ اس کے اندر امر خلافت کے متعلق باہم مشورہ کریں۔اور عمر نے ان کیلئے تین دن کی میعاد مقرر کردی۔اور کہا کہ اگر پانچ اشخاص ان میں سے کسی ایک رائے پر متفق

ہو جائیں۔ اور ایک مخالفت کرے تو اس مخالفت کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ اور اگر چار اشخاص کا اتفاق ہو جائے۔ اور دو ان کی مخالفت کریں تو ان دونوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ جب ان سب کا ایک رائے پر اتفاق ہو گیا جس کے متعلق تفصیل دوسری کتب میں موجود ہے۔ تو حضرت جناب امیرالمومنین علی بن ابیطالبؑ نے ان سب سے خطاب کر کے فرمایا! کہ میں چاہتا ہوں کہ تم سے کچھ واقعات بیان کروں جن کو تم بغور سماعت کرو۔ اور جو کچھ میں بیان کروں گا وہ اگر برحق اور ٹھیک ہو تو تم اسے تسلیم کرو اور قبول کرو۔ اور اگر العیاذ باللہ وہ باطل ہو تو بے شک تم اس کا انکار کر دو۔ سب نے کہا کہ کہئے آپؑ کیا بیان کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ جناب امیرالمومنینؑ نے اپنے بہت سے فضائل بیان فرمائے۔ اور وہ سب ان کا اعتراف کرتے رہے۔ ان فضائل میں جناب امیرالمومنین علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا! کہ کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کے شان میں یہ آیت ﴿ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله﴾ نازل ہوئی ہو سوائے میرے۔ کیونکہ یہ آیت میری شان میں اسوقت نازل ہوئی جبکہ میں نے بستر رسولؐ پر سو کر آنحضرتؐ کی جان بچائی۔ تو سب نے اعتراف کیا کہ بیشک یہ آیت آپؑ ہی کی شان میں نازل ہوئی۔ سوائے آپؑ کے ہم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ہو۔

(تفسیر البرہان: جلد نمبر ۱، ص ۲۰۶ طبع ثانی بحوالہ مجالس شیخ مفید)

فائدہ

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیرؑ کو شب ہجرت رسولؐ پاک کا یہ حکم دینا کہ تم میرے بستر پر سو جائیے۔ اور خداوند عالم کا آنحضرتؐ کو اس پر مامور کرنا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ امت محمدؐ کو یہ سمجھانا چاہتا تھا کہ شب ہجرت رسول پاکؐ کے

بستر پر جو سویا۔ اور اپنی جان قربان کر کے جس نے رسول خدا ﷺ کو دشمنوں کے وار سے بچایا۔ وہی اس کا حقدار ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد ان کی خلافت کا مالک ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ یوم شوریٰ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ان پانچ اشخاص سے یہ اعتراف لے کر اتمام حجت قائم کی کہ آیت مبارکہ ﴿ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله﴾ آپؑ ہی کی شان والا شان میں نازل ہوئی۔ اصحاب شوریٰ میں سے دیگر کسی کی شان میں نازل نہیں ہوئی۔

بے شک اللہ تعالیٰ کا جناب رسول خدا کو شب ہجرت مامور کرنا کہ اپنے بستر پر علی علیہ السلام کو سلا جایئے۔ اس عجیب حکم میں سوائے اس کے اور کوئی مصلحت نہیں ہو سکتی کہ قدرت کو یہ سمجھانا مقصود تھا۔ کہ رسول خداؐ کے بعد خلافت مصلیٰ اور منبر رسولؐ کے مالک علیؑ ہوں گے۔ دوسرا کوئی اس کا حقدار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ علیؑ کو بستر رسولؐ پر سلانے کی غرض کیا تھی؟ اگر کہا جائے کہ غرض ربانی اس سے یہ تھی کہ علیؑ بہت بڑے بہادر اور شیر خدا ہیں۔ وہ کفار سے جنگ کر کے ان کو بھگا دیں گے۔ دوسرے کسی صحابی کو یہ جرأت حاصل نہ تھی۔ تاکہ اسے بستر نبویؐ پر سونے کا حکم دیا جاتا۔ تو یہ غرض قرین صواب نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اگر یہ غرض ہوتی تو جناب رسولؐ خدا کو ہجرت کر کے غار میں جا کر پناہ لینے کا حکم نہ دیا جاتا۔ بلکہ ان سے کہا جاتا کہ آپؐ اپنے گھر میں آرام سے سو جائیں۔ اور اپنے روزمرہ کے بستر پر علیؑ کو سلا دیں۔ وہ کفار کو مار کر بھگا دیں گے۔ مقصد اینکہ اس تقدیر پر جناب رسولؐ کو ہجرت کی تکلیف دینا۔ اور وہ بھی اس طرح کے رات کو غار میں جا چھپیں۔ اور پھر کئی دن کے بعد وہاں سے مدینہ کی طرف چلے جائیں۔ یہ حکم ربی عبث قرار پاتا ہے۔ اور رسولؐ پاک کو یہ تکلیف دینا فضول اور بے جا ہو جاتا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ بستر رسولؐ پر شب ہجرت علیؑ کو سونے کا حکم اس لئے دیا گیا

تھا۔ کہ کفار کے حملہ سے علیؑ قتل ہو جائیں۔ اور اس طرح نبی کی جان بچ جائے۔ تو یہ بھی قرین قیاس نہیں۔ کیونکہ اس مطلب کیلئے تو چاہیے تھا کہ خدا کی طرف سے کسی بوڑھے صحابی کو بستر رسولؐ پر سونے کا حکم صادر ہوتا۔ جو اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزار چکا تھا۔ اور دنیا کی زندگی کا مقاد زیادہ تر حاصل کر چکا تھا۔ علی علیہ السلام تو ابھی نوجوان تھے۔ تقریباً بائیس برس کی ہی عمر تھی۔ ابھی تو شادی بھی نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا ان کو قتل کے منہ میں دینا اور دیگر تمام صحابہ رسول کو بچا لینا۔ یہ حکمت ربی اور مصلحت الٰہی کا تقاضا نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص جبکہ اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ علیؑ کے ہاتھوں بعد کو بڑے بڑے کارنامے انجام پذیر ہوں گے۔ بڑے بڑے معرکے ان کے ذریعہ سر ہوں گے۔ جنگ احد، خندق، خیبر وغیرہ کی فتح علیؑ کے ہاتھوں پر ہی انجام پذیر ہونی تھی۔ ان تمام امور کے پیش نظر جناب امیر علیہ السلام کو قتل کرا دینا قرین صواب نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ شب ہجرت علیؑ کو بستر نبویؐ پر سونے کا حکم اسی لیے دیا گیا تھا کہ استحقاق خلافت کا اظہار ہو جائے۔

رجوع الی المطلب

انس بن مالک سے روایت ہے کہ کہا جب رسول خداؐ شب ہجرت غار کی طرف چلے۔ اور ان کے ساتھ ابوبکر بھی تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے علیؑ کو حکم دیا کہ وہ انکے بستر پر سو جائیں۔ اور حضورؐ کی چادر اپنے اوپر اوڑھ لیں۔ چنانچہ امیر المومنین علی علیہ السلام اپنے آپ کو قتل ہو جانے کیلئے تیار کر کے بستر رسولؐ پر محو خواب ہو گئے۔ قریش کے مختلف قبائل کے لوگ جناب رسول خداؐ کے قتل کے ارادہ سے آ گئے۔ اور وہ اپنے مقام پر یقین رکھتے تھے کہ بستر پر سونے والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ ہی ہیں۔ جب ارادہ کیا کہ اپنی تلواریں جناب رسولخداؐ کے جسم مبارک میں رکھ دیں۔ اور ان کا کام تمام کر ڈالیں۔ تو انہوں نے ایک

دوسرے سے کہا کہ اسے بیدار کرو۔ تا کہ اسے قتل کی تکلیف اور اذیت کا احساس ہو۔ اور ہماری تلواروں کا مزہ چکھے۔ مگر جب انہوں نے جگایا تو دیکھا کہ وہ محمد مصطفے ﷺ نہیں۔ بلکہ علی مرتضے علیہ السلام ہیں۔ تو انہوں نے علیؑ کو چھوڑ دیا اور رسول خداؐ کی تلاش کیلئے متفرق ہو گئے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ﴿ومن الناس من یشری.....﴾ کی آیت نازل فرمائی۔

(تفسیر البرہان: جلد نمبر ۱ ص ۲۰۶ طبع ثانی۔ بحوالہ امالی شیخ علیہ الرحمہ)

ابن عباس سے روایت ہے۔ کہا کہ جس رات کو جناب رسول خداؐ مشرکین کے شر سے بچنے کیلئے مکہ سے باہر تشریف لے گئے۔ اس رات جناب امیر المومنین علیہ السلام بستر رسول خداؐ پر سو گئے تا کہ حقیقت حال قریش سے مخفی رہے۔ اس واقعہ کے متعلق آیت مبارکہ ﴿من الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰہ﴾ نازل ہوئی۔

(تفسیر البرہان۔ جلد نمبر ۱ ص ۲۰۶ بحوالہ شیخ علیہ الرحمہ)

ابن فارسی نے روضہ میں نقل کیا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے ''شب ہجرت'' علیؑ کو حکم دیا کہ وہ انکے بستر پر سو جائیں۔ نبی پاکؐ خود تشریف لے گئے۔ اور قریش آنے شروع ہوئے وہ علیؑ کو دیکھتے تھے کہ جو بستر رسولؐ پر محو خواب تھے۔ اور رسولؐ اللہ کی سبز رنگ کی چادر اپنے اوپر اوڑھ رکھی تھی۔ بعضوں نے کہا کہ اس پر ''یعنی رسولؐ اللہ'' پر حملہ کیجئے۔ تو دیگر کفار نے کہا کہ یہ شخص سویا ہوا ہے۔ اگر بھاگنا چاہتا تو بھاگ گیا ہوتا۔ اب کہاں جا سکتا ہے۔ صبح اٹھے گا تو قتل کر دیں گے''۔ جب صبح ہوئی تو بستر نبویؐ سے علیؑ اٹھے انہوں نے آپؐ سے دریافت کیا کہ ''این صاحبك'' وہ تیرا ساتھی کہاں گیا۔ کہا مجھے معلوم نہیں۔

''فانزل اللّٰہ فی علیّ .....'' تو اللہ تعالیٰ نے علیؑ کی شان میں جب کہ آپؑ بستر نبویؐ پر سوئے تھے۔ تو یہ آیت ﴿ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات اللّٰہ﴾ نازل فرمائی۔ (تفسیر البرہان۔ جلد نمبر ۱ ص ۲۰۶)

جناب جابر نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا! جب جناب امیر المومنینؑ نے اپنی جان اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے لیے قربان کردی۔ جبکہ قریش نے رسول خداؐ کو قتل کرنے کا ارادہ کرلیا تھا۔ اور جب امیرؑ حضورؐ کے بستر پر سو گئے۔ تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا ﴿ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله﴾ (تفسیر البرہان: جلد نمبر ا ص ۲۰۶ بحوالہ تفسیر عیاشی)

اس مضمون کی دیگر بہت سی احادیث بھی منقول ہیں۔ لیکن اختصار کے پیش نظر اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے جو نقل ہو چکی۔ کیونکہ ان سے مثل روز روشن ہے کہ آیت مبارکہ ﴿ومن الناس من یشری...﴾ جناب امیرؑ کی شان والا شان میں نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا اس سے مثل الشمس فی نصف النہار واضح ہے کہ جناب امیرؑ انسان تھے۔ اور اسی سے یہ امر بھی بڑی وضاحت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ جناب رسول خداؐ بھی انسان تھے۔ کیونکہ نبی پاکؐ اور علی پاکؑ ہر دو کی نوع ایک ہے۔ ان کی نوع الگ الگ نہیں ہو سکتی۔

۱۲۶۔ ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾

ہم نے انسان کو اس کے والدین سے بھلائی کرنے کا حکم دیا۔ اس کی والدہ رنج ہی کی حالت میں حاملہ ہوئی۔ اور رنج کی حالت میں اسے جنا۔ اس کے پیٹ میں رہنے اور دودھ بڑھائی ہر دو کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ اپنی جوانی کو پہنچے گا اور چالیس برس کی عمر کو پہنچے گا۔ تو کہے گا اے میرے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ میں تیرے اس احسان کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے۔ اور مجھے ایسے عمل صالح کرنے کی توفیق عطا فرما جس پر تو راضی ہو۔ اور میری اولاد میں تو صلاح و تقویٰ کے حامل اشخاص "پیدا کر۔ میں نے تیری ہی طرف رجوع کیا ہے اور میں تیرے

فرمانبرداروں میں سے ہوں۔ (سورہ الاحقاف ۴۶۔ آیت نمبر ۱۵)

احادیث ائمہ معصومینؑ کے مطابق یہ آیت امام حسینؑ کی شان والا شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے اس آیت میں جو لفظ "الانسان" وارد ہوا ہے اس سے مراد امام حسینؑ ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو: "واعلم انه قد وردت فی الآیة اخبار تطبقها علی الحسینؑ بن علیؑ و لادته لستة اشهر"

جاننا چاہیے کہ اس آیت کریمہ کے متعلق ائمہ معصومینؑ کی ایسی احادیث وارد ہوئی ہیں۔ جو اس آیت کو امام حسین علیہ السلام اور ان کی چھ ماہ کی مدت حمل کے ساتھ ولادت پر منطبق کرنے کا باعث ہوتی ہیں۔ (تفسیر المیزان: جلد نمبر ۱: ص ۲۲۵)

حضرت محمد بن یعقوب کلینی نے مسند طور پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کی کہ فرمایا! جب سیدہ خاتون فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا جناب امام حسین علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں۔ تو حضرت جبرئیلؑ امین جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے۔ اور کہا کہ جناب سیدہ خاتون فاطمہ زہرا علیہا السلام ایک ایسا فرزند جنیں گی۔ جسے آپؐ کے بعد آپ کی امت قتل کر دیگی۔ لہذا جناب سیدہؑ جب حضرت امام حسینؑ کے ذریعہ حاملہ ہوئیں تو بھی حالت رنج میں تھیں۔ اور جب انہیں جنا تو بھی رنج ہی کی حالت میں تھیں۔ پھر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا! کہ دنیا میں کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی گئی جو فرزند جنے اور اس کے باعث وہ رنجیدہ ہو۔ لیکن جناب سیدہ خاتون صلوات اللہ علیہا ایک ایسی شہزادی ہیں۔ جو امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے باعث رنجیدہ ہوئیں۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں اس کا علم تھا کہ ان کا یہ فرزند عنقریب قتل کر دیا جائے گا۔ "وفیہ نزلت ﴿ووصینا الانسان بوالدیه حسنا حملته امه کرها ووضعته کرها وحمله وفصاله ثلثون شهرا﴾

کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ہی شان میں یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی۔ ﴿ووصّینا الانسان بوالدیہ﴾

یہی روایت تفسیر ہذا: ص ۱۰۰۶ پر کتاب کامل الزیارات سے بروایت ابو القاسم جعفر بن قولویہ منقول ہے۔ نیز تفسیر البرہان: جلد نمبر ۲: ص ۱۰۰۶ بروایت شیخ علیہ الرحمۃ در کتاب مجالس سند طور پر منقول ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا! "حمل الحسین ستة اشھر وارضع سنتین وھو قول اللّٰہ عزوجل ﴿ووصینا الانسان بوالدیہ حسنا حملته امه کرھا ووضعته کرھا وحمله و فصاله ثلثون شھرا﴾ کہ امام حسین علیہ السلام چھ ماہ تک شکم مادر میں بحالت حمل رہے۔ اور دو سال انکو دودھ پلایا گیا۔ اور امام حسین علیہ السلام کے متعلق ہی اللہ تعالیٰ کا یہ قول پاک نازل ہوا۔ ﴿ووصّینا الانسان بوالدیہ.....﴾

ابو القاسم جعفر بن محمد بن قولویہ ہی سے منقول ہے۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا! کہ حضرت جبرئیل امین آنحضرت جناب رسول خدا کی خدمت میں نازل ہوئے۔ اور بعد از سلام عرض کیا کہ اے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ میں آپ کو ایک ایسے فرزند "یعنی نواسے" کی خوشخبری نہ دوں۔ جسے آپؐ کے بعد آپ کی امت قتل کردے گی۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا "لاحاجة لی فیہ" مجھے ایسے فرزند کی ضرورت نہیں۔ حضرت جبرئیلؑ امین یہ جواب پاکر آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ اور پھر دوبارہ نازل ہو کر اسی طرح عرض کیا جس طرح پہلے عرض گزار ہوئے تھے۔ تو آنحضرتؐ نے دوبارہ وہی جواب دیا جو پہلی مرتبہ دیا تھا۔ اس پر حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا کہ آپ کا پروردگار اللہ جل شانہ آپؐ کے اس فرزند کی اولاد میں وصیت یعنی امامت وولایت کو جاری کرے گا۔ تو اس پر آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو پھر منظور ہے۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وہاں سے اٹھ کر جناب سیدہ خاتون فاطمہ زہراؑ کے ہاں تشریف لے گئے۔ اور ان سے تذکرہ کیا کہ میرے پاس جبرئیل امین آئے تھے۔ اور مجھے ایک فرزند کی خوشخبری دی تھی۔ جسے میرے بعد میری امت قتل کردے گی۔ تو جناب سیدہؑ

نے بھی یہی فرمایا کہ مجھے ایسے فرزند کی ضرورت نہیں۔ تو پھر آنحضرتؐ نے کہا کہ میرا پروردگار اللہ جل شانہٗ میرے اس فرزند کی اولاد میں امامت وولایت کو جاری کرے گا۔ تو جناب سیدہؑ نے فرمایا "نعم اذن" کہ اگر ایسا ہے تو پھر منظور ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی امر کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾ چونکہ جبرئیلؑ نے اس فرزند یعنی جناب امام حسین علیہ السلام کے قتل ہوجانے کی خبر دی۔ اس وجہ سے بوقت حمل بھی ان کو اپنے اس فرزند کے قتل ہوجانے کا رنج لاحق ہوا۔ اور بوقت ولادت بھی یہی صدمہ اور رنج لاحق ہوا۔ (تفسیر البرہان ص ۱۰۰۶)

محمد بن عباس مسند طور پر ائمہ علیہم السلام سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حضرت جبرئیلؑ امین نے نازل ہوکر عرض کیا۔ کہ اے محمد مصطفیٰؐ آپ کا ایک فرزند پیدا ہوگا۔ جسے آپ کی امت آپؐ کے بعد قتل کردے گی۔ تو حضرتؐ نے فرمایا مجھے ایسے فرزند کی ضرورت نہیں۔ "فقال یا محمد ان منه الائمة والاوصياء" جبرئیل نے عرض کیا کہ یا حضرتؐ آپ کے اس فرزند کی اولاد میں آئمہؑ اور اوصیاء ہوں گے۔ یہ خبر پاکر جناب رسول خداؐ جناب سیدہ خاتون فاطمہ زہراء صلوٰت اللہ علیہا کے پاس تشریف لائے۔ اور کہا کہ آپؑ ایک ایسا فرزند جنیں گیں۔ جسے میرے بعد میری امت قتل کردے گی۔ تو جناب سیدہؑ نے یہی فرمایا! کہ ایسے فرزند کی مجھے ضرورت نہیں۔ جناب رسول خداؐ نے تین مرتبہ اپنی شہزادی کو خطاب فرمایا! اور آخر میں یہ فرمایا کہ آپؑ کے اس فرزند سے آئمہؑ اور اوصیاء پیدا ہوں گے۔ تو شہزادی نے فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو مجھے منظور ہے۔ (تفسیر البرہان، جلد نمبر ۴ ص ۱۰۰۶)

چنانچہ جناب سیدہ خاتون جناب امام حسین علیہ السلام سے حاملہ ہوئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی شر شیطان سے محفوظ رکھا۔ اور ان کے اس بچے "یعنی امام حسینؑ" کو بھی محفوظ رکھا۔ جو ان کے بطن میں تھے۔ چھ ماہ کے بعد جناب سیدہؑ نے اپنے اس فرزند ارجمند امام

حسین علیہ السلام کو جنا۔ اور امام حسینؑ اور حضرت یحییٰ کے علاوہ کوئی ایسا بچہ نہیں سنا گیا جو چھ ماہ کی مدت حمل کے ساتھ ولادت پذیر ہوا ہو۔ جب امام حسینؑ پیدا ہوئے تو جناب رسولؐ خدا نے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں رکھ دی۔ جسے آپؑ نے چوس کر اپنی غذا حاصل کر لی۔ اور برابر اسی طریق سے جناب امام حسین علیہ السلام کی پرورش ہوئی۔ حتیٰ کہ آپؑ کا گوشت ،خون وغیرہ آنحضرتؐ کے لعاب دہن سے ہی پیدا ہوا۔ امام حسینؑ نے کسی بھی عورت کا دودھ کبھی نہ پیا۔ پس اپنے نانا کے لعاب دہن سے دودھ کے متبادل غذا حاصل کر کے پرورش پائی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے: ﴿ووصّینا الانسان بوالدیه .....﴾ امام حسینؑ کے متعلق نازل ہوا ہے۔

واضح ہو کہ بعض روایات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بجائے حضرت عیسیٰ بن مریم کا نام وارد ہوا ہے۔ لیکن بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی کا اشتباہ ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کہ ان کا حمل صرف نو ساعتیں رہا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مہینے کے بدلے ایک ساعت قرار دی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو: "عن ابی عبد اللہ ان مریم حملت بعیسٰی تسع ساعات کل ساعة شهر"

بعضے غلاۃ کے قول کا بطلان

مسلک غلاۃ کے دلدادہ بعض جہال کہتے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام بصورت حمل اپنی امہات کے بطن مبارک میں نہیں رہتے۔ بلکہ امام اپنی زوجہ کے ہاتھ کو مس کرتا ہے۔ تو فوراً فرزند پیدا ہو جاتا ہے۔

لیکن امام حسین علیہ السلام کے متعلق اس آیت کی تفسیر میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ان کے ذریعہ ثابت ہوتا ہے کہ ان جہلاء کا مذکورہ بالا مفروضہ باطل اور غلط ہے۔

کیونکہ ان احادیث سے حضرت امام حسینؑ کا چھ ماہ تک بطن مادر میں بصورت حمل رہنا ثابت ہے۔ اور اسی طرح دیگر آئمہؑ کا اپنی اپنی والدہ کے بطن میں بصورت حمل رہنا بھی ثابت۔ اور ان میں سے ہر ایک کی ولادت بھی ثابت ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کی ولادت کی تاریخیں مقرر ہیں۔ اور تاریخوں کو ہر اس امامؑ کا یوم میلاد منایا جاتا ہے جس کی اس تاریخ کو ولادت ہے۔ اس کی مزید توضیح انشاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر آ جائے گی۔

سورۃ الاحقاف کی اس آیت کے تحت احادیث مذکورہ بالا نیز دیگر بعض ان احادیث سے حضرت امام حسینؑ کا انسان ہونا ثابت ہے۔ جن کا تذکرہ موجب تطویل ہے۔ اور حضرت امام حسینؑ کا انسان کی نوع سے ہونا آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نوع انسان سے ہونے کو مستلزم ہے۔ کیونکہ امام حسین علیہ السلام اور ان کے جد امجد جناب رسالتمآبؐ دونوں کی نوع ایک ہے۔

۱۲۷۔ ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾

اے میرے پیارے حبیب! ان لوگوں سے ''کہہ دیجئے کہ میرا رب اللہ جل شانہٗ ہر نقص وعیب سے پاک ہے۔ میں تو بس ایک ایسا انسان ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آئی تو ان کو ایمان لانے سے صرف اس بات نے ہی روکا کہ انہوں نے کہا کہ! کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟'' ''اے نبی'' کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں فرشتے رہائش پذیر ہوتے کہ جو انسانوں کی طرح اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر ان پر نازل کرتے''۔ لیکن جب زمین میں فرشتے نہیں انسان آباد تھے۔ تو ہم نے ان کی طرف فرشتے کو نہیں انسان کو رسول بنا کر بھیجا''۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷، آیت ۹۳ تا ۹۵)

ان آیات میں ﴿ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ کے الفاظ اس مطلب کیلئے نص ہیں۔ کہ آنحضرت ﷺ انسان تھے۔ کیونکہ لفظ بشر اور انسان مترادف ہوتے ہیں۔ اور ان الفاظ سے عقیدہ کفار کے خلاف آپ کی بشریت اور رسالت کو بصورت حصر ثابت کیا گیا ہے۔

﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ ..... ﴾ کے الفاظ اس مطلب کی بڑی خوبی سے وضاحت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بھی کفار کا وہی عقیدہ تھا۔ کہ زمانہ نوحؑ سے کفار اپنی کج فہمی کے باعث جس کا شکار چلے آ رہے تھے۔ یعنی یہ کہ نبی اور رسول نوع انسان سے نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کے ذریعہ بتایا ہے کہ کفار کے بضد رہنے، اور ایمان قبول نہ کرنے کی علت اور ان کے قبولیت ایمان سے انحراف کرنے کی وجہ ہی ان کا یہ باطل عقیدہ تھا۔ کہ نبی اور رسول نوع انسان نہیں ہو سکتا۔ اور اسی وجہ سے جب آنحضرتؐ مبعوث برسالت ہوئے تو انہوں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

﴿ اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾ کہ کیا خدا نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس زعم باطل وخیال فاسد کی تردید فرمائی۔ اور انسان کو رسول بنا کر مبعوث کرنے کی حکمت اور مصلحت کا بیان فرمایا۔ کہ زمین میں جب انسان آباد تھے تو ان کی رہبری کیلئے انسان کو رسول بنا کر بھیجنا ہی حکمت کا مقتضا اور مصلحت کا تقاضا ہے۔ اگر زمین میں ملائکہ آباد ہوتے۔ اور ان کی رہبری کیلئے رسول مبعوث کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی تو پھر حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ ان کی طرف فرشتے کو رسول بنا کر بھیجا جاتا۔

تعجب ہے کہ "ادارہ الانوار" اور ان کے رہبر آج کے زمانہ تک اسی اعتقاد باطل کو اپنانے پر ہی بضد ہیں۔ جسے ہر دور میں کفار نے اپنایا۔ کفار کا تو قرآن کریم پر اعتقاد نہ تھا۔ لیکن یہ حضرات تو قرآن پاک پر بھی اور احادیث معصومینؑ پر ایمان رکھنے کے دعویدار ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک اور احادیث معصومینؑ کی رُو سے تو یہ مسئلہ حد بداہت اور ضرورت تک

پہنچا ہوا ہے۔ کہ نبی اور امام نوع انسان سے ہی ہوتے ہیں۔ انکو ذرا ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہئے کہ ایسے از روئے دین بدیہی اور ضروری مسئلہ کا انکار کر کے یہ دائرہ اسلام میں باقی کس طرح رہ سکتے ہیں؟

۱۲۸۔﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَـٰفِرِينَ يُجَـٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذَٰلِكَ فَضْلُ ٱللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَآءُ وَٱللَّهُ وَٰسِعٌ عَلِيمٌ﴾

اے وہ لوگو! جنہوں نے ایمان کا اعتراف کیا ہے۔ تم میں سے جو شخص اپنے دین سے منحرف اور مرتد ہو جائے۔ تو اللہ تعالیٰ عنقریب ایک ایسی قوم کو لائے گا جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں۔ مومنوں سے تو بڑی انکساری سے پیش آتے ہیں۔ مگر کافروں سے وہ بڑی سختی کرنے والے ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور مہربانی ہے۔ اور اللہ بڑی وسعت سے مہربانیاں کرنے والا اور صاحب علم و حکمت ہے۔ (سورۃ المائدۃ ۵۔ آیت نمبر ۵۴)

اس آیت میں مرتدین کے مقابلہ میں جس قوم کا تذکرہ کیا ہے۔ اور اس کے جو اوصاف بیان فرمائے ہیں۔ وہی اوصاف رسالتمآب ﷺ نے بروز جنگ خیبر جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کی شان والا شان میں اپنی زبان وحی ترجمان پر صادر فرمائے ہیں۔ جن کو شیعہ و سنی فریقین نے بیان کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح: ص ۵۶۳۔ صحیح مسلم باب من فضائل علی ابن ابی طالبؑ۔ نووی شرح صحیح مسلم: جلد نمبر ۲: ص ۲۷۸، ۲۷۹۔ صحیح بخاری: جلد نمبر ۲: ص ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۹۴۔ طبع مصر: جلد نمبر ۳: ص ۳۴۔ تاریخ طبری: جلد نمبر ۲: ص ۳۰۰ طبع مصر۔ الصواعق المحرقۃ: ص ۱۲۱ طبع قاہرہ مصر۔ تاریخ الخلفاء علامہ سیوطی: ص ۱۱۹ طبع مجتبائی دہلی (ہند)۔ تاریخ ابو الفداء: جلد نمبر ۱: ص ۱۲۸ طبع مصر۔ مدارج النبوۃ: جلد نمبر ۲: ص ۲۴۱۔ حیوۃ الحیوان للدمیری: ص ۲۷۳۔ ابن ماجہ: ص ۱۲ طبع مجتبائی دہلی (ہند)۔ الدمعۃ الساکبہ: جلد نمبر ۱: ص ۱۲۶۔ منتہی الآمال: جلد نمبر ۱: ص ۵۷ طبع

طبع کرشن نگر لاہور۔ حاشیہ قرآن مجید ترجمہ مولانا مقبول احمد: ص ۲۳۰ طبع کرشن نگر لاہور۔ حاشیہ قرآن مجید تہران ایران۔ حاشیہ قرآن مجید ترجمہ مولانا فرمان علی: ص ۱۸۵ طبع نظامی پریس لکھنؤ۔ تفسیر مجمع البیان: جلد نمبر ۲: ص ۲۰۸ طبع صیدا سوریا۔ تفسیر عمدۃ البیان: جلد نمبر ۱: ص ۳۰۷ طبع یوسفی دہلی۔ تفسیر صافی: ص ۱۳۰ طبع ایران۔ سفینۃ البحار: جلد نمبر ۱: ص ۳۷۳۔ تفسیر البیان: جلد نمبر ۱: ص ۵۴۵۔ تفسیر المیزان: جلد نمبر ۵: ص ۴۴۲ طبع ثانیہ تہران ایران۔ بحارالانوار: جلد نمبر ۲۱: ص ۵۰۳ طبع جدید تہران ایران۔

ان تمام کتابوں میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان الفاظ کے معمولی اختلاف کیساتھ مرقوم ہے۔ ذیل میں تاریخ طبری کے الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔ "عن بریدۃ الاسلمی قال لما کان حین نزل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلّم بحصن اہل خیبر اعطی رسول اللّٰہ اللواء عمر بن الخطاب و نہض من نہض معہ من الناس فلقوا اہل خیبر فانکشف عمر و اصحابہ فرجعوا الی رسول اللّٰہ یجبنہ اصحابہ و یجبنھم فقال رسول اللّٰہ لاعطین اللواء غدا رجلا یحب اللّٰہ و رسولہ و یحبہ اللّٰہ و رسولہ فلما کان من الغد تطاول ابوبکر و عمر فدعا علیاً و ھو ارمد فتفل فی عینیہ و اعطاہ اللواء" (انتھی بقدر الحاجۃ)

بریدہ اسلمی سے روایت ہے۔ کہا کہ جب رسول خدا ﷺ نے اہل خیبر کے قلعہ کے پاس نزول فرمایا تو حضورؐ نے عمر بن خطاب کو علم عطا کیا۔ "اور اسے یہود خیبر کے ساتھ جا کر جہاد کرنے کا حکم دیا"۔ تو عمر بھی اور دوسرے وہ لوگ بھی جو اس کے ہمراہ جانے والے تھے۔ "جہاد کیلئے" اٹھ کر چل پڑے اور اہل خیبر تک جا پہنچے۔ تو فوراً ہی عمر اور اسکے اصحاب نے شکست کھائی اور رسول خدا ﷺ کی خدمت میں واپس آ گئے۔ اور حالت یہ تھی حضرت عمر کے ساتھی کہتے تھے کہ اس نے بزدلی کی ہے اس لئے ہم شکست کھا کر واپس آ گئے ہیں۔ اور حضرت عمر کہتا تھا کہ ان ساتھ والے حضرات نے بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے اس لئے ہمیں شکست ہوئی ہے۔ تو آنحضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا۔ کہ کل ضرور میں ایک ایسے مرد کو علم عطا کروں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت

رکھتے ہیں۔ جب کل کا دن آیا تو ابوبکر اور عمر نے گردنیں بڑھا بڑھا کر رسول خداؐ کے سامنے خودنمائی کی۔ لیکن رسول خداؐ نے حضرت علی علیہ السلام کو بلایا۔ جبکہ آپ آشوب چشم کے عارضہ میں مبتلا تھے۔ حضورؐ نے ان کی چشمہائے مبارکہ میں اپنا لعاب دہن لگایا تو وہ فوراً شفایاب ہو گئے۔ اور پھر انکو علم عطا فرمایا۔ انتھی

صاحب تفسیر مجمع البیان کا ارشاد۔ آیت مذکورہ:۔ ﴿یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ.....﴾ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ اس قوم سے مراد حضرت جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام اور ان کے ساتھی ہیں۔ اور مرتدین سے مراد جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان والے لوگ ہیں۔ جن سے حضرت امیرؑ نے جنگ کی۔ یہ قول حضرت عمار یاسر، حضرت حذیفہ یمانی اور حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے۔ اور حضرت امام جعفر صادق اور حضرت امام محمد باقر علیہما السلام سے بھی یہی وارد ہے۔ اور اس قول کی تائید جناب رسول خداؐ کے اس ارشاد پاک سے ہوتی ہے جس کے ذریعہ حضورؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو ان اوصاف سے متصف کیا جو اس آیت مبارکہ میں مذکور ہیں۔ جبکہ حضورؐ نے جناب امیرؑ کو فتح خیبر کیلئے بلایا تھا اور حالت یہ تھی کہ اگلے روز علمِ رسولؐ کو اٹھا کر جو شخص یہود سے لڑنے کیلئے گئے تھے انہوں نے کئی بار علم کو یکے بعد دیگرے واپس کیا۔

"ھو یجبن الناس وھم یجبنونہ" وہ علمبردار ساتھ جانے والے لوگوں کو بزدلی کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اور ساتھ والے لوگ اسے بزدل کہتے تھے۔ تو اس وقت آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کی شان والا شان میں فرمایا۔ "لاعطین الرایة غدا رجلا یحب اللّٰہ ورسولہ ویحبہ اللّٰہ ورسولہ کرارا غیر فرار لا یرجع حتی یفتح اللّٰہ علی یدیہ ثم اعطاھا ایاہ"

کہ کل میں یہ علم ضرور اس مرد کو عطا کروں گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ بار بار حملہ کرنے والا ہے۔ راہ فرار اختیار

کرنے والا اور خوف کفار سے میدان چھوڑ کر بھاگ جانے والا نہیں۔ وہ میدان جنگ سے اس وقت تک واپس نہ ہوگا جب تک اللہ اس کے ہاتھوں پر فتح کی نعمت عطا نہ کردے گا۔ آنحضرتؐ نے یہ فرمایا اور پھر علم جناب امیرالمومنین علی علیہ السلام کو عطا فرما دیا۔

مذکورہ تمام کتب میں تھوڑے تھوڑے اختلاف سے اسی مضمون کو ادا کیا گیا ہے۔ اختصار کے پیش نظر ہر کتاب کے الفاظ کو نقل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تمام کتابیں شاہد ہیں کہ حضور والاشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس فرمان عالیشان "لاعطین الرایة غدار جلا ......" میں لفظ "رجـــــل" یعنی مرد سے مراد حضرت جناب امیرالمومنین علی ابن ابیطالبؑ کی ذات ہے۔ اور "رجل" کے انسان ہونے میں شک کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کے اس ارشاد پاک سے جناب امیرؑ کا انسان ہونا ثابت ہے۔ اور اسی سے جناب رسولؐ پاک کا انسان ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نبی پاکؐ اور ان کے وصی پاکؑ کی نوع ایک ہے۔

۱۲۹۔ ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾

اے مسلمانو! تم نے جن مشرکین سے عہد کیا تھا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے ان سے بیزاری "کا اعلان" ہے۔ (سورۃ توبہ ۹۔ آیت نمبر ۱)

اس سورہ کو سورہ "التوبہ" بھی کہا جاتا ہے۔ اور سورہ "البرآءة" بھی کہا جاتا ہے۔ اس سورہ کی ابتدائی آیات جبکہ نازل ہوئیں تو جناب رسول خداؐ نے یہ آیات ابوبکر کو دے کر بھیجا کہ مشرکین مکہ تک یہ آیات پہنچا دے۔ اور منیٰ میں ان کا اعلان کردے۔ جب ابوبکر صاحب آیات مذکورہ لے کر مدینہ سے مکہ کی جانب روانہ ہو گئے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ پر جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام پہنچایا۔

"یامحمد لایؤدی عنك الا رجل منك" کہ اے محمدؐ! تیری جانب سے دیگر

کوئی شخص آیات کی ادائیگی نہیں کرسکتا۔صرف وہ مرد ادائیگی کرسکتا ہے جو تجھ سے ہو۔جب جبرئیل امینؑ نے یہ پیغام خداوندی پہنچایا تو آنحضرت ﷺ نے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کو ابوبکر کی طرف بھیج دیا۔اور ان کو فرمادیا کہ ابوبکر سے جا کر وہ آیات لے لیں۔اور ابوبکر کی بجائے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام ان آیات کی تبلیغ کریں۔چنانچہ جناب امیرؑ حسب حکم سرکار رسالتمآب ﷺ ابوبکر کی طرف روانہ ہو گئے۔اور مقام روحاء میں ابوبکر صاحب سے جا ملے۔اور اسے آنحضرت ﷺ کا پیغام پہنچایا۔اور اس سے وہ آیات لے لیں۔

ابوبکر وہیں سے واپس رسولؐ اللہ کی خدمت میں پہنچے اور عرض گزار ہوئے کہ یا رسولؐ اللہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق کوئی چیز نازل کی ہے۔تو حضورؐ نے فرمایا نہیں اور تو کچھ نہیں۔﴿ان اللّٰہ أمرنی ان لایؤدی عنی الاانا أورجل منی﴾ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میری طرف سے آیات کی تبلیغ اور ادائیگی یا تو میں خود کروں یا ایسا مرد کرے جو مجھ سے ہو۔" اس لئے میں نے علیؑ کو اس ادائیگی کیلئے بھیجا ہے۔کیونکہ وہ "رجل منی" کا مصداق ہے" یہ واقعہ تفسیر البرہان: جلد نمبر ا:ص ۲۰۷ میں منقول ہے۔اور علاوہ ازیں شیعہ سنی فریقین کے علماء نے یہ تحریر کیا ہے۔جبرئیل امینؑ اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ پیغام لائے کہ اے نبیؐ! تمہاری طرف سے آیات کی تبلیغ و ادائیگی یا تم خود کرسکتے ہو یا وہ مرد کرسکتا ہے جو تم سے ہو۔تو جناب رسول خداؐ نے جناب امیر المومنینؑ کو یہ فریضہ انجام دینے کیلئے ارسال فرمایا۔چنانچہ ملاحظہ ہو۔تفسیر البرہان: جلد نمبر ا:ص ۴۰۹۔۴۱۰ بحوالہ مناقب ابن آشوب تحریر ہے کہ تمام مفسرین اور محدثین کا اجتماع ہے کہ سورہ براءت کی ادائیگی کیلئے جناب رسول خداؐ نے بحکم خدا ابوبکر کو معزول کر کے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کو اپنا نائب اور جانشین مقرر فرمایا۔اسے درج ذیل علماء نے تحریر کیا ہے طبری۔بلاذری۔ترمذی۔

واقدی ۔ شعبی ۔ سدی ۔ ثعلبی ۔ واحدی ۔ قرطبی ۔ تشیری ۔ سمعانی ۔ احمد بن حنبل ۔ ابن بطہ ۔ محمد بن اسحاق ۔ ابو یعلی الموصلی ۔ اعمش ۔ اور سماک بن حزب ان سب علماء نے اسے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے اور انہوں نے اس واقعہ کو عروہ بن زبیر ۔ ابو ہریرہ ۔ انس ۔ ابو رافع ۔ زید بن نفیع ۔ ابن عمر اور ابن عباس سے روایت کیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ۔

جب سورہ التوبہ کی ابتدائی نو آیتیں نازل ہوئیں تو جناب رسولؐ خدا نے ابوبکر کو ان کی ادائیگی کیلئے مکہ کی طرف روانہ کیا ۔ تو جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور کہا ۔ ﴿انـــــہ لایؤدیھا الا أنت أو رجل منك﴾ کہ ان آیات کو اے محمد مصطفےؐ یا آپ ادا کر سکتے ہیں یا وہ مرد ادا کر سکتا ہے جو آپ سے ہو ۔ تو آنحضرت ﷺ نے جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام سے فرمایا کہ میری ناقہ "اونٹنی" غضباء پر سوار ہو جاؤ ۔ اور ابو بکر کو جاملو ۔ "وخذ براءۃ من یدہ" اور سورہ براءت ان کے ہاتھ سے لے لو ۔ چنانچہ جناب امیرؑ نے سرکار رسالتؐ کے اس حکم کو پایہ تکمیل تک پہنچادیا" ابوبکر صاحب جب واپس آئے تو بڑی گھبراہٹ کا اظہار کیا ۔ اور کہا کہ یا رسولؐ اللہ حضور نے مجھے پہلے ایک ایسے امر کا اہل قرار دیا جس کے متعلق بکثرت لوگ اپنی گردنیں دراز کر کے خواہش کا مظاہرہ کر چکے تھے ۔ لیکن جب میں روانہ ہو گیا تو پھر حضورؐ نے اس قابل فخر امر کو مجھ سے واپس لے لیا اور مجھے رد کر دیا ۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کیطرف سے جبرئیل امینؑ نازل ہوئے اور انہوں نے یہ فرمان ربی پہنچایا ۔ ﴿انہ لایؤدی عنك الا أنت أو رجل منك﴾ کہ اے نبیؐ! تیری طرف سے یا تو خود ادائیگی کر سکتا ہے اور یا وہ مرد کر سکتا ہے جو تجھ سے ہو ۔ پھر سرکار رسالتؐ نے فرمایا "وعلیؑ منی ولا یؤدی عنی الا علیؑ" کہ علیؑ مجھ سے ہیں ۔ لہذا میری جانب سے میرے علاوہ علیؑ ہی ادائیگی کر سکتے ہیں دوسرا کوئی شخص ادائیگی نہیں کر سکتا ۔

مزید ملاحظہ ہو ۔ تفسیر مجمع البیان : جلد نمبر ۳ : ص ۳ ۔ تفسیر البیان جلد نمبر ۱ : ص ۸۱۳ ۔ تفسیر قمی :

ص ۱۵۲، ۱۵۳۔ تفسیر صافی: ص ۱۸۸۔ تفسیر المیزان: جلد نمبر ۹: ص ۱۶۶، ۱۶۷ اور تفاسیر اہلسنت میں سے بھی ملاحظہ ہو۔ تفسیر غرائب القرآن ورغائب الفرقان للنیشاپوری: جلد نمبر ۱۰: ص ۳۹۔ تفسیر جامع البیان ابن جریر: جلد نمبر ۱۰: ص ۴۱۔ تفسیر مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر فخر الدین الرازی: جلد نمبر ۴: ص ۳۹۴۔ تفسیر ابوالسعود العمادی برحاشیہ تفسیر کبیر رازی: جلد نمبر ۴: ص ۲۶۸۔ تفسیر مدارک التنزیل: جلد نمبر ۱: ص ۳۳۹۔ تفسیر کشاف زمخشری: جلد نمبر ۲: ص ۱۳۸۔

محل استدلال

جبرئیل امینؑ نے جب فرمان خداوندی ﴿لا یؤدی عنک الا انت أو رجل منک﴾ پہنچایا تو جناب رسولؐ خدا نے ایسے مرد کا مصداق جناب امیر المومنینؑ کو قرار دیا۔ لہذا ثابت ہوا کہ جناب امیر المومنینؑ انسان تھے۔ کیونکہ "رجل" مرد کو کہتے ہیں جو انسان کی ایک صنف کا نام ہے جیسا کہ سابقاً گزر چکا۔ اور جب جناب امیرؑ کا انسان ہونا ثابت ہوا تو جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انسان ہونا بھی ثابت ہو گیا۔ کیونکہ نبی اور ان کے ولی دونوں کی نوع ایک ہی ہے۔

۱۳۰۔ ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ﴾

"اے میرے حبیبؐ" کہہ دیجئے کہ میں بس تمہاری ہی مثل ایک انسان ہوں" مگر فرق یہ ہے کہ "میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس واحد یکتا اور یگانہ اور بے مثل و بے مثال ہے۔ لہذا تم اسی کی بارگاہ کی طرف متوجہ رہو۔ اور اس سے طلب مغفرت کرو۔ (سورۃ الکھف ۱۸۔ آیت نمبر ۱۱۰ اور سورۃ حم سجدہ ۴۱۔ آیت نمبر ۶)

محل استدلال۔ ﴿اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ.....﴾ کے الفاظ اس مطلب کیلئے نص ہیں کہ آنحضرتؐ نوع انسان سے تھے۔ کیونکہ انسان کا نوعی کلی معنی ہی ایک ایسا معنی ہے جس کے

اعتبار سے تمام انسان ایک دوسرے کی مثل ہیں۔ کیونکہ انسان اپنے اس معنی کے لحاظ سے کلی متواطی ہے۔ جو اپنے تمام افراد پر مساوی اور یکساں طور پر صادق آتی ہے۔ خواہ وہ افراد علماء ہوں یا جہلاء، نیک ہوں یا بد، صلحاء ہوں یا فساق، انبیاء ہوں یا غیر انبیاء، امراء ہوں یا مساکین، گورے ہوں یا کالے، بوڑھے ہوں یا جوان۔

غرض لفظ انسان اپنے تمام افراد پر برابر اور مساوی طور پر صادق آتا ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مامور فرمایا کہ آپ تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے کہہ دیں کہ میں تمہاری ہی مثل انسان ہوں۔ کیونکہ اگر یہ کلی نوعی معنی مراد نہ لیا گیا ہوتا تو حضور سرور کائنات کو ان الفاظ سے خطاب کرنے پر ہرگز مامور نہ کیا جاتا۔ کیونکہ حضور سرور کائناتؐ اپنے کمالات کے اعتبار سے اپنی ساری امت کے سردار ہیں۔ ان کی مثل ہرگز نہیں ہو سکتے۔ بلکہ وہ ساری مخلوق کے سرتاج ہیں۔ خواہ ملائکہ مقربین ہوں یا انبیاء ماسلف، حضرت جبرئیلؑ و میکائیلؑ ہوں یا حضرت اسرافیل و عزرائیل علیہما السلام، لوح و قلم ہو یا عرش و فرش۔ غرض وہ ساری مخلوق سے انتہائی بلند و بالا شان کے حامل ہیں۔ بلکہ وہ تمام کائنات عالم کی علت غائیہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انکو اور ان کی آل پاک کو خلعت وجود سے آراستہ نہ کرتا تو عالم دنیا و آخرت کی کوئی چیز وجود پذیر نہ ہوتی۔ ان کے وجود ذی جود کی خاطر ہی تو ہر شئی کو وجود عطا ہوا۔ اور ان پاکیزہ نفوس میں سے ہی جب تک حجت خدا باقی ہے تو جہان دنیا باقی ہے۔

لہذا انسان کا کلی نوعی معنی ہی ایک ایسا معنی ہے کہ جو حضور سرور کائنات کی ذات والا صفات پر بھی صادق آتا ہے۔ اور دیگر ہر فرد بشر بھی صادق آتا ہے اور اسی معنی کے لحاظ سے کبھی اللہ جل شانہٗ نے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ..... ﴾ کی آیت نازل فرما کر آنحضرتؐ کو مومنین میں سے قرار دیا اور کبھی ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ..... ﴾ کا فرمان نازل کر کے آپکو عام لوگوں میں

سے قرار دیا۔ اور کبھی ﴿كَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ کا ارشاد فرما کر حضورؐ پاک کو ان میں سے قرار دیا جو دین اسلام سے ہی متصف نہیں تھے۔ اور کبھی ﴿وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ.....﴾ کی آیت مبارکہ نازل فرما کر آنحضرتؐ کی ذات بابرکات کو اس بلند مرتبہ جماعت سے قرار دیا جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کی مثل۔ بلکہ ان سے بھی بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے صحیح معنوں میں تابعدار اور دین اسلام کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے۔ آیات مذکورہ بالا کے معانی سابقاً تفصیل سے گزر چکے ہیں۔

ان آیات کے معانی پر نگاہ رکھنے والا ایک معمولی عقل کا انسان بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسے مختلف اوصاف رکھنے والے انسانوں میں سے اللہ تعالیٰ کا اپنے حبیب کو قرار دینا اور ان کی مثل کہنا کہ جن میں سے کوئی مومن ہے کوئی کافر، کوئی متقی ہے کوئی فاسق، کوئی عالم ہے کوئی جاہل، کوئی امیر ہے کوئی غریب، کوئی سخی ہے کوئی کنجوس، کوئی بہادر ہے کوئی بزدل وغیرہ۔ یہ محض انسان کے کلی نوعی معنی کے اعتبار سے ہی ہو سکتا ہے۔ دیگر کسی لحاظ سے یہ صحیح اور درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہ سب صرف نوعی معنی میں ہی انسان کہے جا سکتے ہیں اور بس۔

ہم نے ایک صد انتیس سے زائد آیات اور احادیث تفصیلاً نقل کر دی ہیں۔ جن میں سے ہر ایک سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام نوع انسان سے ہوتے ہیں۔ ان آیات اور احادیث پر اطلاع حاصل کرنے کے بعد اس مطلب سے وہ شخص ہرگز انکار نہیں کرے گا جسے قرآن اور احادیث معصومین علیہم السلام پر ایمان ہو۔ ہاں وہی شخص انکار کرے گا جسے قرآن پاک اور معصومین علیہم السلام کی حقانیت پر ایمان ہی نہ ہوگا۔ اور ایسا شخص اسلامی نقطہ نظر سے پھر کس صف میں شمار ہو سکتا ہے؟ یہ محتاج بیان نہیں۔ بہرحال یہ امر مثل روز روشن واضح ہو گیا کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام کو نوع انسان سے شمار نہ کرنا قرآن پاک اور احادیث معصومین علیہم السلام کی مخالفت ہے۔ اس لئے یہ شیعہ اثناء عشریہ کا عقیدہ نہیں۔

بودے دلائل کی تردید

رسالہ نور یا خاک ص ۷،۸،۹ پر جہاں اپنا یہ خود ساختہ عقیدہ سپرد قلم کیا ہے کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام نوع انسان سے نہیں ہیں۔ وہاں اپنے اس خلاف قرآن وحدیث مزعومہ کے کچھ بودے دلائل بھی تحریر کئے ہیں۔ گذشتہ آیات واحادیث معصومین علیہم السلام پر اطلاع ہوجانے کے بعد ایک عقل سلیم رکھنے والے شخص پر اگرچہ ان بودے دلائل کا بطلان نہایت خوبی سے واضح ہوجاتا ہے۔ لیکن ممکن ہے کسی نادان کو پھر بھی یہ خیال پیدا ہوجائے کہ ان دلائل کا جواب نہیں دیا گیا۔ اور اس وجہ سے وہ اشتباہ کی تاریکی میں سرگرداں رہے۔ لہذا ذیل میں بقدرِ ضرورت ان دلائل باطلہ کا بھی تعرض کیا جاتا ہے۔

پہلی باطل دلیل

ابھی کائنات اور انسان خلق نہیں ہوئے تھے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ اس لامکان ولازمان کیفیت میں اللہ نے چودہ انوار کا نور اپنے نور عظمت سے خلق فرمایا۔ یہ پہلی مخلوق عرصہ دراز تک لامکان اور لازمان رہی۔ اس وقت نہ کوئی دیگر جنس تھی نہ نوع۔ انسان بہت بعد میں خلق فرمایا۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ انوار نوع انسان سے نہیں۔ (انتہی)

یہ دلیل متعدد مفاسد پر مشتمل ہے۔

اولیٰ:۔ اینکہ مستدل نے اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہ لاشریک کو بظاہر ایک ایسا نور سمجھ رکھا ہے جو تجزیہ قبول کرنے والا ہے۔ مرکب اور اجزاء رکھنے والی شے ہے۔ جیسا کہ اس کے ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے "اللہ تعالیٰ نے چودہ کا نور اپنے نور عظمت سے خلق فرمایا"۔ حالانکہ اللہ جل شانہٗ کی صفات سلبیہ میں سے ایک یہ صفت بھی ہے کہ وہ مرکب نہیں ہے یعنی وہ اجزاء رکھنے والی اور تجزیہ قبول کرنے والی شی نہیں۔ کیونکہ مرکب ہونا

اجزاء کی طرف محتاج ہونے کو مستلزم ہے۔ اور وہ ذات پاک کسی اعتبار سے محتاج نہیں۔ احتیاج ممکن الوجود کی شان ہے اور وہ ذات پاک ممکن الوجود نہیں واجب الوجود ہے۔ خلاصہ اینکہ صاحب دلیل ہذا معرفت خدا سے عاری ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ لفظ "نور عظمت" سے ایک ایسا باعظمت نور مراد لیا گیا ہے۔ جو اللہ تعالٰی کی پیدا کردہ ایک مخلوق تھی۔ اور اس سے چہاردہ انوار مبارکہ کا نور پیدا کیا گیا تو پھر پہلی مخلوق چودہ انوار نہ ہوں گے۔ بلکہ پہلی مخلوق وہ باعظمت نور ہوگا۔ حالانکہ مستدل نے پہلی مخلوق چودہ انوار مبارکہ کو قرار دیا ہے۔ جو اسکی دلیل ہے کہ مستدل نے "اپنے نور عظمت" کے الفاظ سے خداوند عالم کی ذات پاک مراد لی ہے۔

مفسدہ ثانیہ:۔ اینکہ حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت سے بہت پہلے انوار چہاردہ معصومینؑ کے پیدا ہونے کو چہاردہ معصومینؑ کے نوع انسان سے نہ ہونے کی دلیل قرار دی ہے۔ حالانکہ یہ استدلال صحیح نہیں۔ کیونکہ سوال اس زمانے کے متعلق ہے جبکہ چہاردہ معصومینؑ حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت کے بعد حضرت آدمؑ کی اولاد کی حیثیت سے اہل دنیا کے لیے ہادی ہو کر آئے کہ آیا اس زمانے میں وہ نوع انسان سے تھے یا نہیں؟ حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت سے قبل جو زمانہ تھا یا لامکان ولا زمان کی کیفیت تھی اس کے متعلق بحث ہی نہیں اور سوال ہی نہیں۔

اور حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت کے بعد جبکہ وہ اس عالم دنیا میں ہادی ہو کر آئے تو اس زمانہ کے لحاظ سے چہاردہ معصومینؑ بلکہ تمام انبیاء وآئمہ کا نوع انسان سے ہونا ہم گزشتہ آیات اور احادیث سے مثل روز روشن ثابت کر چکے ہیں۔ جس سے قرآن وحدیث پر ایمان رکھنے والا انکار نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ سابقاً تحریر ہو چکا۔

مقصدہ ثالثہ:۔اس میں یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت سے قبل اگر چہاردہ معصومینؑ کے ارواح وانوار مقدسہ کو انسان نہ کہا جا سکتا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت کے بعد جب ان کی اولاد میں شمار ہو کر عالم دنیا میں پیدا کئے گئے اس وقت بھی ان کو انسان نہ کہا جا سکے۔اور وہ نوع انسان میں شمار نہ ہوں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو قرآن کریم اور احادیث معصومینؑ میں ان کیلئے انسان اور بشر وغیرہ کے الفاظ ہرگز استعمال نہ کئے جاتے۔ حالانکہ یک صد بیس سے زائد آیات واحادیث کی تعداد تو ہم سابقاً نقل کر آئے۔اور جو رہ گئیں وہ علاوہ ہیں۔ان سب آیات واحادیث سے ان نفوس مقدسہ کا انسان ہونا ثابت ہے۔

چوتھا مقصدہ:۔اس دلیل سے یہ لازم آتا ہے کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ حضرت آدمؑ کی خلقت جسمانی سے قبل جو ارواح موجود تھے ان کو چونکہ اس وقت انسان نہیں کہا جا سکتا تھا اس لیے حضرت آدمؑ کی خلقت جسمانی کے بعد بھی ان کو انسان نہیں کہا جا سکے گا۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ بنی آدمؑ میں سے کسی کو بھی انسان نہ کہا جا سکے اور نوع انسانی بالکل دنیا میں مفقود اور معدوم قرار دی جائے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ احادیث معصومینؑ بتاتی ہیں کہ حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت سے ہزاروں سال پہلے تمام نوع بنی آدمؑ کے ارواح پیدا کئے گئے تھے۔ لہذا اگر یہ نظریہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ جو ارواح حضرت آدمؑ سے پہلے موجود تھے ان کو نوع انسان سے شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ اس وقت بھی موجود تھے جبکہ انسان ابھی پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ جیسا کہ ادارہ الانوار اور ان کے راہنماؤں کا عقیدہ ہے تو پھر لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ دنیا میں کوئی بھی انسان موجود نہیں۔ کیونکہ ہر انسان کا رُوح حضرت آدمؑ کی خلقت جسمانی سے پہلے

پیدا ہوا تھا۔

حالانکہ یہ امر بداہتہً باطل ہے۔لہذا جس طرح کہ دیگر افرادِ انسان نوعِ انسان میں شمار ہوتے ہیں حالانکہ ان کے ارواح حضرت آدمؑ کی خلقت جسمانی سے پہلے موجود تھے۔اسی طرح چہاردہ معصومینؑ کے ارواح بھی گو حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت سے بہت پہلے موجود تھے مگر اس عالم دنیا میں انسان ہی کہلاتے اور نوعِ انسان میں شمار ہوتے ہیں۔اور اسی وجہ سے ان کو آیات اور احادیث معصومینؑ میں انسان کہا گیا ہے۔اگرچہ چہاردہ معصومینؑ کے ارواح و انوار مقدسہ کو سب سے پہلے خلق فرمایا گیا اور دیگر ارواح کو ان کے بعد پیدا کیا گیا۔مگر حضرت آدمؑ کی خلقت جسمانی سے سب ہی ہزاروں برس پہلے پیدا ہوئے۔چنانچہ ملاحظہ ہو:"عن الفضل قال قال ابو عبداللّٰہؑ، ان اللّٰہ تبارک و تعالیٰ خلق الارواح قبل الاجساد بألفی عام فجعل اعلاھا و اشرفھا ارواح محمدؐ و علیؑ وفاطمةؑ والحسنؑ والحسینؑ من بعدھم صلوات اللّٰہ علیھم"(انتھی بقدر الحاجة)

مفضل سے روایت ہے کہا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام روحوں کو جسموں سے دو ہزار سال پہلے پیدا کیا۔اور سب سے بلند شان والا اور زیادہ شرف والا آنحضرت محمد مصطفیٰؐ، علیؑ مرتضیٰ، جناب فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ مجتبیٰ، امام حسینؑ شہید کربلا کو اور ان آئمہ ھدیٰ کو قرار دیا جو ان کے بعد پیدا ہونے والے تھے۔اس حدیث میں تصریح ہے کہ اجسام کے پیدا کرنے سے دو ہزار سال قبل اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو پیدا فرما دیا تھا۔

(کتاب منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ مصنفہ حضرت علامہ حبیب اللہ الخوئیؒ: جلد نمبر ۱ص ۱۷۱۔ بروایت بحار الانوار بحوالہ معانی الاخبار)

نیز ملاحظہ ہو: کتاب منہاج البراعہ: جلد نمبر ۱:ص ۱۲۷۔بحوالہ کتاب الانوار۔بحار الانوار سے جناب امیر المومنینؑ کی ایک طولانی حدیث منقول ہے۔جس میں اس امر کا بھی ذکر ہے کہ زمین و آسمان، شمس و قمر وغیرہ ہر شے آنحضرتؐ اور آئمہ ھدیٰ علیہم السلام کے ہی

انوار سے پیدا ہوئی ہے۔ اس حدیث میں حضرت جناب امیر المومنینؑ نے اشیاء کی پیدائش کے سلسلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے ارواح کو شمس وقمر سے بھی پہلے اور ستاروں، لیل ونہار، روشنی اور ملائکہ سے بھی پہلے پیدا کیا۔ چنانچہ فرمایا!" ثم خلق بعدهم ارواح المومنين من امة محمدؐ ثم خلق الشمس والقمر والنجوم والليل والنهار والضياء والظلام وسائر الملائكة من نور محمدؐ"

کہ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کے ارواح کو پیدا کیا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے تھے۔ اور اس کے بعد آفتاب وماہتاب، ستاروں، شب وروز، روشنی وتاریکی اور تمام ملائکہ کو آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور سے ہی پیدا کیا۔

اسکے بعد امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ جب تمام انوار کی پیدائش مکمل ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے نورِ محمدؐ کو تہتر ہزار سال عرش کے نیچے سکونت پذیر کیا۔ پھر حضورؐ کا نور جنت کی طرف منتقل ہوا۔ اور ستر ہزار سال جنت میں رہا۔ پھر یہ نور سدرۃ المنتھیٰ کی طرف منتقل ہوا اور ستر ہزار سال وہاں رہا۔ پھر وہاں سے ساتویں آسمان کی طرف۔ پھر ساتویں آسمان سے چھٹے آسمان کی طرف۔ پھر چھٹے آسمان سے پانچویں آسمان کی طرف۔ پھر پانچویں آسمان سے چوتھے آسمان کی طرف۔ پھر چوتھے سے تیسرے آسمان کی طرف۔ پھر تیسرے سے دوسرے آسمان کی طرف۔ پھر دوسرے سے پہلے آسمان کی طرف منتقل ہوا۔

"فبقى نوره فى سماء الدنيا الى ان اراد الله ان يخلق آدمؑ" پھر یہ نورِ محمدؐ پہلے آسمان ہی میں رہا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا۔

اس حدیث سے بھی یہی مطلب ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ کی خلقت جسمانی سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے امت آنحضرتؐ کے مومنین کی روحوں کو پیدا فرمادیا تھا۔ اگرچہ اس وقت ان روحوں کو انسان نہیں کہا جاسکتا تھا۔ لیکن جب ان روحوں کے

اجسام پیدا کئے گئے اور ہر روح کا اپنے جسم سے علاقہ قائم ہوا تو وہی انسان کہلانے لگا۔ معلوم ہوا کہ روحوں کا اپنے جسموں سے پہلے پیدا ہونا جسم کی پیدائش اور اس سے روح کے تعلق کے بعد اس کے انسان کہلانے سے مانع نہیں ہوسکتا۔ لہذا چہاردہ معصومین علیہم السلام کے ارواح کا اجسام سے پہلے پیدا ہونا بھی ان کے اجسام سے متعلق ہونے کے بعد انسان کہلانے کے منافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اور معصومینؑ نے اپنے ارشادات میں تمام انبیاء اور آئمہ معصومینؑ کو انسان کہا ہے۔ جیسا سابقاً بکثرت آیات واحادیث کے ذریعہ ثابت کیا جاچکا ہے۔

بلکہ پہلے انسان یعنی حضرت آدمؑ کی روح بھی ان کے جسم سے پہلے پیدا کی گئی تھی۔ اور پھر اس کے جسم کو پیدا کر کے اسے اس میں داخل کیا گیا تو وہ انسان کہلایا۔ اگر روح کا پہلے موجود ہونا انسان کہلانے کے منافی ہوتا تو حضرت آدمؑ کو ہی انسان نہ کہا جاتا۔ حالانکہ قرآن پاک کے نصوص شاہد ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بارہا حضرت آدمؑ کو انسان کہا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ﴾

کہ اس وقت کا تذکرہ کیجئے جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں گیلی مٹی سے انسان پیدا کرنیوالا ہوں۔ لہذا جب میں اسے درست بنادوں گا اور اس میں اپنی روح پھونک دونگا تو تم اس کیلئے سجدے میں گر جانا۔ (سورۃ الحجر ۱۵۔ آیت نمبر ۲۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو بشر یعنی انسان کہا ہے۔ حالانکہ حضرت آدمؑ کی روح جسم سے پہلے پیدا کی گئی تھی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو حضرت امام جعفر صادقؑ کی ایک طولانی حدیث جس میں تحریر ہے۔ "فلما خلق اللّٰہ تعالی روح آدمؑ

امر بغمسها فی جمیع الانوار ثم امرانٔ تدخل فی جسد آدمؑ "(انتھی بقدر الحاجۃ)
کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کی روح کو پیدا کیا تو اسے سارے انوار میں غوطہ زن کرنے کا حکم دیا۔ پھر اس کے بعد اس روح کو پروردگار نے حضرت آدمؑ کے جسم مبارک میں داخل ہونے کا حکم دیا۔
(تفسیر البرہان: جلد نمبر ا: ص ۵۴۹)

لہذا معلوم ہوا کہ روح کا جسم سے پہلے پیدا ہونا انسان کہلانے کے منافی نہیں۔ اس لئے صاحب رسالہ ''نور یا خاک'' کا استدلال قرین صواب نہیں ہے۔

رسالہ ہذا کی دوسری دلیل علیل

اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے کہا کیا تو نے تکبر کیا ہے یا تو عالین میں سے ہے۔ اس وقت یہ پانچ فریق تھے۔ اللہ، دوسرے عالین، تیسرا آدمؑ، چوتھے فرشتے، پانچواں ابلیس لعین۔ جب خلقت انسان سے قبل عالین موجود تھے تو ثابت ہوا کہ انوار نوع انسان سے نہیں ہیں۔ (انتھی)

یہ دلیل پہلی دلیل کا تتمہ ہے۔ لہذا اسے مستقل دلیل بنانا درست نہیں۔ کیونکہ اس دلیل کی بنیاد وہی ہے جو دلیل اول کی ہے۔ یعنی یہ کہ جب حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت سے قبل عالین یعنی ارواح چہاردہ معصومینؑ موجود تھے تو پھر ان کو انسان نہیں کہا جا سکتا۔ لہٰذا دلیل اول کے بطلان کی وضاحت سے اس دلیل کا بطلان بھی واضح ہو گیا ہے۔ کیونکہ اس نظریہ کو صحیح تسلیم کرنے سے قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم سب کی مخالفت لازم آتی ہے۔ تفاصیل کو مکرر تحریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ جبکہ حضرت آدمؑ کی خلقت جسمانی سے قبل تمام انسانی مخلوق کے ارواح موجود تھے۔ اور باوجود اس کے نہ صرف عامۃ الناس کو بداہۃً انسان کہا جاتا ہے بلکہ تمام آئمہ وانبیاء علیہم السلام کو قرآن پاک اور احادیث معصومینؑ میں انسان کہا گیا ہے۔ تو پھر کون عقلمند ہے جو ان ہر دو دلائل کو درست سمجھ سکتا ہے؟

رسالہ مذکور کی تیسری دلیل باطل

انسان دو چیزوں سے مل کر بنا ہے۔ پہلی روح انسانی دوسرا خاکی جسم۔ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام بھی دو چیزوں سے مل کر بنے ہیں پہلی روح نبوتی یا امامتی دوسرے جسم جو مشروب عرش سے بنے۔ چنانچہ نہ روح یکساں نہ جسم۔ لہذا ثابت ہوا کہ یہ انوار نوع انسان سے نہیں ہیں۔ یہ دلیل بھی متعدد اغلاط پر مشتمل ہے۔

اوّل ایکہ حضرت آدم علیہ السلام کا جسم مبارک مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سابقاً آیات و احادیث کے ذریعہ ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہذا حضرت آدمؑ کا جسم خاکی تھا۔ کیونکہ خاک بزبان فارسی مٹی کو ہی کہا جاتا ہے۔ اگر اس دلیل میں بظاہر حضرت آدمؑ کا جسم بھی مشروب عرشی سے ہی بنا ہوا شمار کیا گیا ہے۔ یہ قرآن پاک اور احادیث معصومینؑ کی مخالفت ہے۔

دوم:۔ اس دلیل میں ظاہر کیا گیا ہے کہ جو انسان روح انسانی اور جسم خاکی سے بنا ہو وہ نبی نہیں ہو سکتا حالانکہ حضرت آدمؑ پہلے نبی تھے جو روح انسانی اور جسم خاکی سے ہی پیدا کئے گئے تھے۔ چنانچہ سابقاً نصوص قرآنیہ اور احادیث معصومیہ کے ذریعہ واضح کیا جا چکا ہے۔ لہذا اگر اس دلیل کو صحیح مانا جائے تو یا ان آیات اور احادیث کی مخالفت لازم آتی ہے جن کے ذریعہ جسم حضرت آدمؑ کا مٹی سے پیدا ہونا ثابت ہے۔ حضرت آدمؑ کی نبوت کا انکار لازم آتا ہے۔ حالانکہ لازم کی ہر دو شقیں باطل ہیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ دلیل باطل ہے۔

سوم:۔ خاکی جسم سے کیا مراد لیا ہے؟ آیا وہ جسم جو براہ راست مٹی سے پیدا ہوا۔ جیسے حضرت آدمؑ کا جسم یا ایسا جسم مراد لیا ہے جس کی پیدائش کو کسی طرح سے مٹی کے ساتھ تعلق اور رابطہ حاصل ہو۔ اگر پہلی شق مراد لی ہے تو پھر حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کے علاوہ کوئی ایسا انسان دستیاب نہیں ہو سکتا جو روح انسانی اور جسم خاکی سے پیدا ہوا ہو۔ کیونکہ دنیا میں

ان دو شخصیتوں کے علاوہ جتنے انسان ہیں یا گزر چکے ہیں ان میں سے کسی کا جسم اللہ تعالیٰ نے اس طرح براہ راست مٹی سے پیدا نہیں کیا۔ جس طرح حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کا پیدا کیا ہے۔ حالانکہ صاحب استدلال نے لفظ ''انسان'' سے اپنے الفاظ میں بظاہر تمام انسان مراد لئے ہیں خواہ وہ موجود ہیں یا گزر چکے ہیں۔ لہٰذا اس شق کی تقدیر پر دلیل کے الفاظ صاحب دلیل کے مافی الضمیر کو ادا نہیں کر سکتے۔ اسلئے جسم خاکی سے ایسا جسم مراد نہیں ہو سکتا جو براہ راست مٹی سے پیدا کیا گیا ہو۔

اور اگر دوسری شق کو اختیار کیا جائے تو ہر نبی اور ہر امام کا جسم خاکی جسم کہلائے گا۔ کیونکہ ہر نبی اور ہر امام کے جسم کی پیدائش کو کسی نہ کسی اعتبار سے مٹی کے ساتھ تعلق اور رابطہ ضرور حاصل تھا۔ حضرت آدمؑ کا جسم براہ راست جب مٹی سے پیدا ہی کیا گیا تو ان کا مٹی سے رابطہ ظاہر ہے۔ اور دیگر انبیاء وآئمہؑ کو ایک رابطہ تو مٹی سے یہ حاصل ہے کہ وہ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ ابوالبشر جب خاکی ہیں تو ان کی اولاد کو بھی مجازاً خاکی کہا جا سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں بارہا عام انسانوں کی پیدائش کو اس لئے مٹی سے شمار کیا گیا ہے کہ ان کے جد امجد حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

﴿وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ﴾

کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر تم کو انسان بن کر ''زمین میں'' چلتے پھرتے اور پھیلے ہوئے ہو۔ (سورۃ روم ۳۰۔ آیت نمبر ۲۰)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو یہ خطاب کیا کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ حالانکہ براہ راست مٹی سے صرف حضرت آدمؑ کو پیدا کیا گیا تھا۔ اور دیگر انسان چونکہ ان کی اولاد ہیں اس لئے ان کو بھی مٹی سے ہی پیدا کردہ شمار کر دیا۔ ورنہ عامۃ الناس کے اجسام مٹی سے نہیں بلکہ اپنے اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ دوسری

آیت میں فرمایا۔

﴿واللهُ خلقكم مّن تراب ثم من نطفة ثم جعلكم ازواجاً﴾

کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پہلے مٹی سے پھر نطفہ سے پیدا کیا۔اور پھر تم کو جوڑے جوڑے بنادیا۔(سورۃ فاطر ۳۵۔آیت نمبر ۱۱)

اس آیت میں لفظ ﴿خلقكم مّن تراب﴾ سے سب انسانوں کو جو خطاب کیا ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے تو یہ اسی لحاظ سے ہے کہ انکے بابا حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا تھا۔اس لئے مجازاً تمام انسانوں کو مٹی سے پیدا کردہ شمار کردیا۔نیز فرمایا۔

﴿هُوَالَّذِیْ خَلَقَكُمْ مّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ.....﴾

کہ وہی ذات ہے جس نے تم کو پہلے مٹی سے پھر نطفے سے پھر خون منجمد سے پیدا کیا۔
(سورۃ غافر (مؤمن) ۴۰۔آیت نمبر ۶۷)

اس مضمون کی دلیل دیگر آیات بھی موجود ہیں مگر اختصار کے پیش نظر ان کو سپرد قلم نہیں کیا جاتا۔

غرض حضرت آدمؑ کی ساری اولاد کو اس لئے مجازاً خاکی کہا جاسکتا ہے کہ وہ حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔جن کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا تھا۔اور تمام دیگر انبیاء وآئمہ معصومین علیہم السلام یقیناً حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔اس لئے انکی پیدائش کو مٹی سے یہ رابطہ اور تعلق حاصل ہے۔

اور انبیاء اور آئمہ کو دوسرا تعلق مٹی سے یہ حاصل ہے کہ وہ مٹی سے پیدا شدہ غذا بھی تناول فرماتے تھے۔جس سے ان کے اجسام مطہرہ کی نشوونما حاصل ہوتی تھی۔اور یہ بھی قرآن پاک کے ذریعہ ثابت ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

﴿وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحى اليهم فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ۔
وما جعلناهم جسدا لا يأكلون الطعام وما كانوا خلدين﴾

اور اے نبی! ہم نے تم سے پہلے بھی جن کو رسول بنا کر بھیجا وہ ایسے مرد ہی تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ لہذا لوگو! اگر تمہیں اس کا علم نہیں تو اہل علم سے پوچھو۔ اور ہم نے ان تمام انبیاء و مرسلین کو ایسا جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ طعام ہی نہ کھاتے ہوں۔ اور وہ ہمیشہ رہنے والے بھی نہ تھے۔
(سورۃ الانبیاء ۲۱۔ آیت نمبر ۸)

اس آیت سے دونوں باتیں ثابت ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمام انبیاء انسان تھے۔ ﴿اِلَّا رِجَالًا﴾ کے الفاظ اس پر نص ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ مٹی ہی سے پیدا شدہ غذا بھی کھایا کرتے تھے۔ اسلئے انبیاء کے جسم کی پیدائش کو مٹی سے یہ دوسرا تعلق حاصل ہے۔ لہذا اس لحاظ سے بھی انبیاء کے جسم کو خاکی کہا جا سکتا ہے۔ ہاں مگر وہ صرف خاکی نہیں نوری بھی ہیں۔ جیسا کہ سابقاً گزر چکا اور آئندہ انشاء اللہ تفصیل سے آجائیگا۔ لہذا رسالہ ''نور یا خاک'' کا آئمہ اور انبیاء کو نوع انسان سے خارج اور ان کے اجسام کو کسی اعتبار سے بھی مٹی سے رابطہ رکھنے والا نہ قرار دینا یہ قرآن پاک کی مخالفت ہے۔ آنحضرت ﷺ کو کھاتا پیتا دیکھ کر ہی تو کفار اپنے زعم باطل کے باعث تعجب کرتے ہوئے کہتے تھے کہ یہ کیسا رسول ہے جو طعام بھی کھاتا ہے۔ اور بازاروں میں آتا جاتا ہے کاروبار بھی کرتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔
﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ﴾
(سورۃ الفرقان ۲۵۔ آیت نمبر ۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے متعلق قدرت نے فرمایا۔ ﴿كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ﴾ (سورۃ المائدہ۔ آیت نمبر ۷۵) کہ وہ دونوں طعام کھاتے تھے۔ ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء اور آئمہ مٹی سے ہی پیدا شدہ غذا کو تناول فرماتے تھے۔ لہذا اس اعتبار سے ان کے اجسام بھی خاکی ہی تھے۔ اور اس لحاظ سے وہ دیگر انسانوں سے شرکت رکھتے تھے۔ اس لئے صاحب رسالہ کا انبیاء و آئمہ کو نوع انسان سے خارج کرنا مخالفت قرآن پاک اور مخالفت آل رسول ہے۔

چہارم:۔ یہ کہ ''روح نبوتی یا اماستی'' کے الفاظ سے صاحب رسالہ نے نبی یا امام

کی روح مراد لی ہے۔ اور یہ ہر دو روحیں انسانی روح کی ہی باکمال فردیں ہوتی ہیں۔ ان کو انسانی روح سے خارج سمجھنا قرآن پاک کی مخالفت ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے فرمایا۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

کہ اللہ تعالیٰ کا مومنین پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ان میں انکے ہی نفوس سے رسول مبعوث کیا۔

(سورۃ آل عمران ۳۔ آیت نمبر ۱۶۴)

نیز فرمایا۔ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾ بے شک تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تمہارے ہی نفسوں میں سے ہے۔ (سورہ توبہ ۹۔ آیت نمبر ۱۲۸)

اس مضمون پر دلالت کرنے والی بہت سی آیات اور احادیث سابقاً نقل کی جا چکی ہیں۔ روح نبی یا امام کو روح انسانی قرار نہ دینا ان سب آیات اور احادیث کی مخالفت ہے۔ خوف طوالت کے باعث سب کو دوبارہ نقل نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا روح امام اور نبی کو روح انسانی سے خارج سمجھنا مخالفت قرآن واحادیث معصومینؑ ہے۔ البتہ کمالات، استعدادات اور مدارج ومراتب کے اعتبار سے ارواح انسانی میں فرق ضرور ہے۔ مگر اس فرق کے باعث کوئی روح خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ روح انسانی ہونے سے خارج نہیں ہو سکتی۔ نبی ہو یا امام، مومن ہو یا کافر، متقی ہو یا فاسق، عالم ہو یا جاہل، عادل ہو یا ظالم، بہادر ہو یا بزدل، سخی ہو یا کنجوس۔ بہر حال جب انسان ہے تو اس کی روح بھی روح انسانی ہوگی۔ اگرچہ مدارج ومراتب اور کمالات واستعدادات وغیرہ کے لحاظ سے ان میں امتیاز ضرور ہوگا۔ اور نبی اور امام چونکہ انسان ہوتے ہیں لہٰذا ان کے ارواح بھی ارواح انسانی ہوتے ہیں۔ نبی اور امام کا انسان ہونا سابقاً یک صد بیس سے زائد آیات اور احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ اگر امام اور نبی کی روح انسانی روح سے علیحدہ ہوتی تو قرآن کریم اور احادیث معصومینؑ میں نبی اور امام کو ہرگز انسان نہ کہا جاتا۔ حالانکہ بے شمار آیات اور احادیث میں ان کو انسان کہا گیا۔ ہاں روح امام ونبی تمام ارواح انسانیہ کی سردار اور سب کی سرتاج ہوتی ہے۔ وہ

اپنے کمالات کے لحاظ سے بہت بڑے امتیاز کی مالک ہوتی ہے مگر پھر بھی وہ ہوتی روح انسانی ہی ہے۔

پنجم:۔امام اور نبی کی خلقت جس پاکیزہ اور بابرکت نطفے سے ہوتی ہے وہ نطفہ طاہرہ مشروب عرشی یا ثمر بہشتی سے پیدا ہوتا ہے۔مگر ساتھ ہی امام اور نبی کے جسم مبارک کی نشوونما میں زمین سے پیدا شدہ غذا کو بھی دخل ضرور ہوتا ہے۔جیسا کہ ابھی ابھی آیات کے ذریعہ ثابت ہو چکا ہے کہ تمام انبیاء وآئمہ طعام کھاتے تھے جو زمین کی پیداوار ہے۔نیز جس پدر بزرگوار کی صلب مطہر اور جس مادر گرامی کے رحم مبارک میں اس پاکیزہ نطفے کی نشوونما ہوتی ہے۔اس پدر، مادر کے بدن مبارک کے اجزا اور غذا کو بھی اس کی نشوونما میں دخل ہوتا ہے۔ لہٰذا امام و نبی کے جسم کے مبارک کی ابتداء تو مشروب عرشی یا ثمر بہشتی سے پیدا شدہ نطفہ طاہرہ سے ہوتی ہے لیکن بعد میں عمومی نشوونما زمین سے پیدا شدہ غذاء ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔اگرچہ دوران زندگی بھی وقتاً فوقتاً بہشتی پھل ان کیلئے اترتے رہتے ہیں۔اور وہ تناول فرماتے رہتے ہیں۔مگر اس کے باوجود امام اور نبی کے بدن مبارک کے اجزا عموماً اسی طرح گوشت پوست، رگیں، استخوان، خون وغیرہ ہی ہوتے ہیں۔جس طرح عام انسانوں کے بھی اجزا ہوتے ہیں۔اور بدن کی ساخت بھی اسی وضع وہیئت پر ہوتی ہے جس پر کہ عام انسانوں کی ہوا کرتی ہے۔اس لئے جس طرح عام انسان نوع انسان سے شمار ہوتے ہیں اسی طرح انبیاء اور آئمہ بھی نوع انسان سے ہی شمار ہوتے ہیں۔

جس طرح عام انسانوں کی غذا مختلف ہوتی ہے کسی کی غذا گندم ہے تو کسی کی چاول، کسی کی عمومی غذا مچھلی ہوتی تو کسی کی دودھ، کسی کی مکئی اور باجرہ غذا ہے تو کسی کی گوشت، کسی سلاقے میں خرما، آم، انار وغیرہ کثرت سے کھائے جاتے ہیں تو کسی میں بادام، اخروٹ، چلغوزہ وغیرہ کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور کثرت سے کھائے جاتے ہیں۔اور ظاہر ہے کہ ہر انسان جو غذا کھاتا ہے اور اس کے بدن کا خون اور پھر اس سے مادہ

تولید بھی اسی ہی غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن غذا جس قسم کی بھی ہو ہر انسان کا بچہ اسی نوعیت کے بدنی اجزار کھنے والا ہوتا ہے۔ اور اسی ساخت پر اس کا بدن بھی مشتمل ہوتا ہے۔ جو اجزا اور جو عمومی ساخت ہر انسان کے بچے کی ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک خاص غذا کھانے والے انسان کا بچہ تو انسان کہلائے اور دوسری غذا کو استعمال کرنے والے انسان کا بچہ انسان نہ کہلائے۔ یہ قدرت خداوندی کا کرشمہ ہے کہ جو غذا انسان کھاتا ہے وہی اگر کسی دوسرے جانور کو کھلاتا رہے تو اس جانور کا بچہ کبھی انسان پیدا نہیں ہوگا۔ بلکہ صرف انسان کا بچہ انسان ہوگا۔

برعکس اس کے اگر دو انسانوں کی غذا مختلف ہو تو دونوں کا بچہ انسان ہی ہوگا۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک کا بچہ انسان کہلائے اور دوسرے کا بچہ انسان کی نوع سے ہی نہ ہو۔ اسی طرح آئمہ اور انبیاء کی غذا کا اگرچہ عام انسانوں سے کچھ اختلاف ضرور ہے لیکن اس غذا اور اس سے پیدا ہونے والے مادہ تولید کے باعث ایسا نہیں ہوسکتا کہ امام اور نبی کا فرزند انسان نہ کہلائے۔ بلکہ ہر امام اور نبی خود بھی انسان ہوتے ہیں اور ان کی اولاد بھی انسان ہوتی ہے۔ غذا کا جزوی اختلاف ان کو نوع انسان سے خارج کردینے کا باعث نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ اختلافِ غذا ان کے نوع انسان سے خارج ہوجانے کا باعث ہوتا تو قرآن کریم کی بیشمار آیات اور آئمہ ہدیٰ کی لاتعداد احادیث میں آئمہ اور انبیاء کو انسان نہ کہا جاتا۔ جیسا کہ سابقاً یک صد بیس کی تعداد سے زیادہ آیات اور احادیث سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ امام اور نبی انسان ہوتے ہیں۔ لہذا مشروب عرشی اور ثمر بہشتی سے امام و نبی کے جسم کی ابتداء ہونے کے باعث ان کو نوع انسانی سے خارج سمجھنا قرآن کریم و احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی مخالفت ہونے کے باعث غلط اور باطل ہے۔

چہاردہ معصومینؑ کی جسمانی پیدائش قرآن وحدیث کی روشنی میں

احادیث معصومینؑ اور قرآن کریم کے ذریعہ ثابت ہے کہ ہر امام اور نبی کی

جسمانی پیدائش اپنے پدر بزرگوار کے نطفہ مبارکہ سے ہوتی ہے۔ صرف حضرت آدمؑ ،حضرت حواؑ اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا فرمایا۔ ان تین شخصیتوں کے علاوہ ہر امام اور نبی کو اللہ تعالیٰ نے فطری ضابطہ کے مطابق اپنے ماں باپ کے نطفہ سے پیدا کیا ہے۔

مگر بعض ناقص العقل اشخاص نبی یا امام کی پیدائش اس کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ وہ امام اور نبی کی پیدائش اپنے والد کے نطفہ سے تسلیم نہیں کرتے۔ اسے وہ اپنے زعم باطل کے باعث قابل نفرت قرار دے کر اس سے انکار کرتے ہیں۔ اور پیدائش کے اس طریقہ کو وہ شان امام و نبی کے خلاف سمجھتے ہیں۔ مگر ان کا یہ تنفر اور یہ انکار غلط اور بے جا ہے۔ کیونکہ مذکورہ تین شخصیتوں کے علاوہ ہر امام اور نبی کا اپنے پدر بزرگوار کے بابرکت اور باعظمت نطفے سے پیدا ہونا احادیث اور آیات کے ذریعے ثابت ہے۔ ذیل میں ہم ان احادیث و آیات کی نشاندہی کرتے ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو ایک طولانی باسند حدیث: حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن حسین بن موسیٰ بن بابویہ قمی معروف بہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے فرمایا! کہ ہم سے ۳۵۲ھ میں ابوالحسن احمد بن علی بن ثابت دوالیننی نے مدینہ السلام میں بیان کیا کہ ہم سے محمد بن علی بن عبدالصمد کوفی نے بیان کیا۔ اور دوسرے نسخے میں ہے کہ ابوالحسن احمد مذکور سے کہا کہ ہم سے محمد بن فضل نحوی نے بیان کیا۔ اور اس نے کہا کہ ہم سے علی بن عبدالصمد کوفی نے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ ہم سے علی بن عاصم نے بیان کیا۔ اس نے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد امام جعفر صادق علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد امام محمد باقر علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد امام

علی زین العابدین علیہ السلام سے، انہوں نے اپنے والد ماجد امام حسین علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا میں ایک مرتبہ اپنے نانا بزرگوار جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں تھا اور ابی بن کعب موجود تھے۔ حضور سرکار رسالت پناہؐ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا۔ "مرحبابك یاابا عبد اللّٰه یازین السموات والارضین" "کہ مرحبا اے میرے فرزند! ابا عبداللہ اے تمام آسمانوں اور زمینوں کی زینت"۔

یہ سن کر ابی بن کعب نے کہا کہ یارسولؐ اللہ آپ کے علاوہ کوئی اور شخص تمام آسمانوں اور زمینوں کی زینت کیسے ہوسکتا ہے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا! کہ اے ابی میرے اس فرزند حسینؑ بن علیؑ کی شان زمین کی نسبت بھی آسمانوں پر زیادہ عظمت والی ہے۔ لاریب کہ عرش پروردگار کی دائیں جانب میرے اس فرزند کی شان میں یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ "مصباح هدایت وسفینة نجات" ایسا امام حق کہ کسی قسم کی کوئی کمزوری جس کی طرف کوئی راہ نہیں پاسکتی۔ وہ امام عزت ہے، امام فخر ہے، امام علم ہے، وہ ہر قسم کے کمالات عالیہ کا ذخیرہ ہے۔ "وان اللّٰه رکب فی صلبه نطفة طیبة مبارکه زکیة" اللہ تعالیٰ میرے اس فرزند کی صلب مبارک میں ایک پاکیزہ اور بابرکت اور طیبہ طاہرہ نطفہ ترکیب دیگا۔ اور میرے اس فرزند کو ایسی دعائیں تعلیم دی گئی ہیں کہ جو شخص ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے طلب حاجات کریگا۔ اللہ تعالیٰ اسے بروز قیامت میرے اسی فرزند کے ساتھ محشور کرے گا۔ اور میرا یہی فرزند بروز محشر اس کی شفاعت کریگا۔ اور اللہ تعالیٰ اسکی تمام تکالیف کو دور کر دیگا۔ ان دعاؤں کے طفیل خداوند عالم اس کے ہر قسم کے دین اور قرضے ادا کر دیگا۔ اور اسکے ہر معاملہ کو آسان کر دیگا۔ ہر راستہ اس کیلئے روشن کر دیگا۔ دشمن پر اسے غلبہ عطا کریگا۔ اور اس کے ہر عیب کو مستور اور پردہ پوش رکھے گا۔

اس پر ابی بن کعب عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! وہ دعائیں کونسی ہیں جو آپ

کے اس فرزند کو تعلیم کی گئی ہیں۔ تو فرمایا کہ! ابی جب تم نماز سے فراغت حاصل کر چکو۔ اور ابھی تم اپنی جائے نماز پر ہی بیٹھے ہو تو اس وقت یہ دعا پڑھو۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی دعا

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِکَلِمَاتِکَ وَمَعَاقِدِ عَرْشِکَ وَسُکَّانِ سَمٰوَاتِکَ وَاَنْبِیَآئِکَ وَرُسُلِکَ اَنْ تَسْتَجِیْبَ لِیْ فَقَدْ لَحِقَنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرٌ فَاَسْئَلُکَ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْ تَجْعَلَ لِیْ مِنْ اَمْرِیْ یُسْرًا۔

اے ابی! اس دعا کے پڑھنے کی برکت سے "اللہ تعالیٰ تیرے ہر معاملہ کو آسان کر دے گا۔ تیرا سینہ کھول دے گا۔ اور بوقت وفات تجھے کلمہ "لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ" کی شہادت نصیب کریگا۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی پیدائش اور انکی دعا

ابی ابن کعب نے عرض کیا یارسول اللہ! ماھذہ النطفۃ فی صلب حبیبی الحسینؑ کہ وہ نطفہ کیسا ہوگا۔" جسے اللہ تعالیٰ" میرے پیارے حبیب حضرت حسینؑ کی صلب میں ترکیب دیگا۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا! کہ اس نطفے کی مثال ایسی ہے جیسے روشن چاند۔ وہ اس امام حق کا مادہ تخلیق ہوگا جو بیان وتبیین کا مالک اور ہر شئے کی وضاحت کرنیوالا ہوگا۔ جو شخص اسکی اتباع کریگا وہ صاحب رشد ہوگا۔ اور جو اس کی اطاعت سے انحراف کریگا وہ تباہ اور ہلاک ہو جائیگا۔

ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ اس امام حق کا نام کیا ہوگا۔ فرمایا کہ اس کا نام علیؑ ہے۔ اور اس کی دعا یہ ہے۔ "یَادَائِمُ یَادَیْمُوْمُ یَاحَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا کَاشِفَ الْغَمِّ یَافَارِجَ الْھَمِّ یَا بَاعِثَ الرُّسُلِ وَ یَاصَادِقَ الْوَعْدِ"۔ جو شخص اس دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے طلب حاجات

کریگا اللہ تعالیٰ اسے بروز قیامت حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کیساتھ محشور کریگا۔ اور حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام جنت کی طرف اس کی قیادت کرنیوالے ہوں گے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی پیدائش اور انکی دعا

ابی ابن کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس امام حق کا کوئی جانشین اور کوئی وصی بھی ہوگا۔ فرمایا کہ ہاں! اسکا جانشین ہوگا۔ جسے آسمانوں اور زمین کے مواریث حاصل ہونگے۔ ابی نے کہا کہ وہ آسمانوں اور زمین کے مواریث کیا ہیں۔ انکا کیا معنی ہے۔ تو فرمایا! کہ اس سے مراد حق کیمطابق فیصلہ کرنا۔ ایسا حکم صادر کرنا جو دیانتداری پر مبنی ہو۔ احکام کی تاویل کرنا اور آنیوالے واقعات کو بیان کرنا ہے۔ ابی نے عرض کیا کہ اس امام حق کا نام کیا ہوگا؟ فرمایا! کہ اس کا اسم گرامی محمدؐ ہوگا۔ ملائکہ آسمانوں میں اسکے ذریعہ انس حاصل کریں گے۔ وہ اپنی دعا میں کہا کریگا۔ "اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ لِیْ عِنْدَکَ رِضْوَانٌ وَّ وُدٌّ فَاغْفِرْلِیْ وَلِمَنْ تَبِعَنِیْ مِنْ اِخْوَانِیْ وَشِیْعَتِیْ وَطَیِّبْ مَافِیْ صُلْبِیْ"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی پیدائش اور انکی دعا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اس امام برحق "حضرت امام محمد باقر علیہ السلام" کی صلب میں بھی ایک پاکیزہ بابرکت اور طیبہ طاہرہ نطفہ ترکیب دیگا۔ مجھے جبرائیلؑ آمین نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے طیب بنایا ہے۔ اور اس سے پیدا ہونیوالے امام کا نام اللہ تعالیٰ نے اپنی درگاہ میں جعفرؑ رکھا ہوا ہے۔ اور اسے اللہ پاک نے ہادی، مہدی، راضی اور پسندیدہ بنایا ہے۔ وہ اپنے رب کو پکارے گا تو اپنی دُعا میں یوں کہے گا۔

"یَادَانٍ غَیْرَ مُتَوَانٍ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اِجْعَلْ لِشِیْعَتِیْ مِنَ النَّارِ وِقَاءً وَلَھُمْ عِنْدَکَ رِضًا وَاغْفِرْ ذُنُوْبَھُمْ وَیَسِّرْ اُمُوْرَھُمْ وَاقْضِ دُیُوْنَھُمْ وَاسْتُرْ عَوْرَاتِھِمْ وَھَبْ لَھُمْ

الْكَبَائِرِ الَّتِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهُمْ يَامَنْ لَّا يَخَافُ الضَّيْمَ وَلَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ اِجْعَلْ لِّيْ مِنْ كُلِّ غَمٍّ فَرَجاً"

جو شخص اس دعا کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے اپنے حاجات طلب کریگا۔ اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت اسے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کیساتھ محشور کر کے اس حالت میں اسے جنت پہنچائے گا کہ اسکا چہرہ سفید نورانی ہوگا۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی پیدائش اور انکی دعا

بعدازاں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اے ابی! اس مبارک نطفہ پر ہی اکتفا نہیں بلکہ میرے فرزند جعفر صادق علیہ السلام کی صلب میں اللہ تعالیٰ ایک اور نطفہ ترکیب دیگا۔ جس پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاصہ نازل فرمائیگا۔ اسکا نام خداوند عالم نے موسیٰ علیہ السلام رکھا ہے۔

ابی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! گویا ان برگزیدہ ہستیوں کا آپس میں نسبی اتصال ہوگا۔ اور وہ سلسلہ وار ایک دوسرے کی نسل میں پیدا ہوں گے۔ اور ایک دوسرے کے وارث ہونگے۔ اور ان میں سے بعض دوسرے بعض کے اوصاف بیان کر کے مخلوق کو انکا تعارف کرائیں گے۔ تو آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔ اور مجھے جبرائیل امینؑ نے رب العالمین جل جلالہٗ کی طرف سے ان کے اوصاف کی خبر دی ہے اور ان کا تعارف کرایا ہے۔

ابی عرض گزار ہوئے کہ کیا حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی بھی کوئی مخصوص دعا ہوگی جو ان کے آباؤ اجداد کی دعاؤں کے علاوہ ہو۔ تو حضورؐ نے فرمایا ہاں وہ اپنی دعا میں یوں فرمایا کریں گے۔

"يَا خَالِقَ الْخَلْقِ وَيَا بَاسِطَ الرِّزْقِ وَفَالِقَ الْحَبِّ وَالنَّوىٰ وَبَارِئَ النَّسَمِ وَمُحْيِي الْمَوْتىٰ وَمُمِيْتَ الْاَحْيَاءِ وَدَائِمَ الثَّبَاتِ وَمُخْرِجَ النَّبَاتِ اِفْعَلْ بِيْ مَا اَنْتَ اَهْلُهٗ"

اس دعا کے ذریعہ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں داعی ہوگا اللہ تعالیٰ اس کی تمام حاجات پوری کر دیگا۔ اور بروز قیامت اسے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کیساتھ محشور کریگا۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی پیدائش اور آپ کی دعا

آنحضرتؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ میرے فرزند امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی صلب میں ایک بابرکت طیبہ، پاکیزہ، رضیہ، مرضیہ نطفہ ترکیب دیگا۔ جس کا نام اللہ تعالیٰ نے علیؑ رکھا ہے۔ وہ امام برحق اپنے علم اور حق بجانب فیصلہ کرنے کے اعتبار سے مخلوق خدا میں اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ اور پسندیدہ ہوگا۔ اور اسے خداوند عالم شیعہ کیلئے حجت قرار دیگا۔ جس کے ذریعہ وہ بروز قیامت حجت قائم کریں گے۔ اس امام برحق کی ایک مخصوص دعا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ اپنے پروردگار سے مناجات کریگا۔ اور وہ یہ ہے۔

"اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِی الْهُدٰی وَثَبِّتْنِیْ عَلَیْهِ وَاحْشُرْنِیْ عَلَیْهِ آمِناً آمِنَ مَنْ لَّاخَوْفَ عَلَیْهِ وَلَاحُزْنَ وَلَاجَزَعَ اِنَّكَ اَهْلُ التَّقْوٰی وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ"

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کی پیدائش اور آپکی دعا

فرمایا اللہ تعالیٰ میرے اس فرزند کی صلب میں ایک بابرکت طیبہ، زکیہ، راضیہ، مرضیہ نطفہ ترکیب دیگا۔ جس کا نام اللہ تعالیٰ نے محمدؐ بن علیؑ رکھا ہے۔ وہ اپنے شیعہ کی شفاعت کریگا۔ اپنے جد امجد کے علم کا وارث ہوگا۔ اور حق کی دلیل واضح اور حجت ظاہرہ ہوگا۔ جب وہ بطن مادر سے تولد پذیر ہوگا تو اس وقت اپنی زبان مبارک پر کلمہ کو جاری کریگا۔ اور وہ اپنی دعا میں یوں کہا کریگا۔

"یَامَنْ لَّاشَبِیْهَ لَهٗ وَلَامِثَالَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَلَاخَالِقَ اِلَّا اَنْتَ تُفْنِی

اَلْمَخْلُوْقِیْنَ وَتَبْقٰی اَنْتَ حَلُمْتَ عَنْ مَّنْ عَصَاكَ وَفِی الْمَغْفِرَۃِ رِضَاكَ "

جو شخص اس دعا کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریگا۔ حضرت امام محمد تقی بن امام علی رضا علیہما السلام بروز قیامت اس کی شفاعت کریں گے۔

حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی پیدائش اور دعا

فرمایا اللہ تعالیٰ میرے اس فرزند کی صلب میں ایک ایسا نطفہ ترکیب دیگا جو سرکشی اور طغیان سے پاک و پاکیزہ ہوگا۔ ہر مومن کیلئے مہربانی کرنیوالا ہوگا۔ بابرکت طیبہ اور طاہرہ ہوگا۔ اللہ جل شانہٗ نے اسکا نام علیؑ بن محمدؑ رکھا ہے۔ اسے خداوند عالم وقار اور سکینہ کے لباس سے ملبوس کریگا۔ اپنے علوم اس کو عطا فرمائیگا۔ اور اپنے مخفی رازوں کا رازدان بنائیگا۔ جو شخص میرے اس فرزند کی ملاقات کریگا اور اس کے دل میں کوئی بات ہوگی تو وہ اسے اسکی خبر دیگا۔ اور اسے اسکے دشمن سے خبردار کریگا۔ اور اپنی دعا میں یوں کہا کریگا۔

"یَانُوْرُ یَابُرْھَانُ یَامُنِیْرُ یَامُبِیْنُ یَارَبِّ اکْفِنِیْ شَرَّ الشُّرُوْرِ وَآفَاتِ الدُّھُوْرِ وَاَسْئَلُكَ النَّجَاۃَ یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ"

جو شخص اس دعا کے ذریعہ درگاہ پروردگار سے سوال کریگا۔ امام علی نقی بن امام محمد تقی علیہما السلام بروز قیامت اس کی شفاعت کریں گے۔ اور اسکی قیادت کرکے اسے جنت پہنچادیں گے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کی پیدائش اور دعا

فرمایا! اللہ تبارک وتعالیٰ میرے اس فرزند کی صلب میں ایک نطفہ ترکیب دیگا۔ جس کا نام اللہ جل شانہٗ نے حسنؑ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اسکے علاقہ جات میں نور

بنائیگا۔ اور اپنی زمین میں اسے اپنا خلیفہ اور اپنے نانے کی امت کیلئے عزت قرار دیگا۔ اور شیعوں کیلئے رہبر اور بروز محشر بارگاہ پرودگار میں شفاعت کنندہ بنائیگا۔ اور جو اسکی مخالفت کریگا اس کیلئے اسے باعث عذاب قرار دیگا۔ اور جو شخص اس سے محبت رکھے گا اس کیلئے اسے حجت اور جو اسے اپنا امام بنائیگا اس کیلئے اسے برہان قرار دیگا۔ اور میرا یہ فرزند اپنی دعا میں یوں کہا کریگا۔ "یَاعَزِیْزَالْعِزِّ فِیْ عِزِّہٖ مَا اَعَزَّ الْعِزِّ فِیْ عِزِّہٖ یَاعَزِیْزُ اَعِزَّنِیْ بِعِزِّكَ وَاَیِّدْنِیْ بِنَصْرِكَ وَاَبْعِدْ عَنِّیْ هَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَادْفَعْ عَنِّیْ بِدَفْعِكَ وَامْنَعْ عَنِّیْ بِمَنْعِكَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ خِیَارِ خَلْقِكَ یَا وَاحِدُ یَااَحَدُ یَا فَرْدُ یَاصَمَدُ"

جو شخص اس دعا کے ذریعے بارگاہ رب العزت میں التجاء کریگا اللہ تعالیٰ اسے روز محشر اسی امام برحق کے ساتھ محشور کریگا۔ اور آتش جہنم سے نجات دیگا۔ اگرچہ جہنم اس پر واجب ہی کیوں نہ ہو چکی ہو۔

حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی پیدائش اور حضور کی دعا

"وقال ان اللّٰہ تبارك ركب فی صلب الحسن نطفة مباركة ذكية طيبة طاهرة مطهرة"

آنحضرتؐ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے حضرت امام حسن عسکریؑ کی صلب میں ایک ایسا نطفہ ترکیب دیگا جو بابرکت، پاکیزہ، طیبہ، طاہرہ اور مطہرہ ہوگا۔ ہر وہ مومن اس بارہویں امامؑ سے خوش ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی ولایت کے بارے میں جس سے میثاق لیا ہے۔ اور جو شخص "بروزِ میثاق" انکار کرنیوالا تھا وہ اسکے متعلق کفر اختیار کریگا۔ وہ بارہویں لعل امامت ایسا امام ہوگا کہ جو تقی نقی، پارسا برگزیدہ، ہادی اور مہدی ہوگا۔ وہ عدل وانصاف پر مشتمل فیصلے کریگا۔ اور عدل وانصاف اختیار کرنیکا مخلوق کو بھی حکم دیگا۔ وہ ذات خداوند عالم کی تصدیق کریگا۔ اور خداوند عالم اپنے کلام میں اسکی تصدیق کریگا۔ وہ سرزمین

تھامہ سے اس وقت ظہور کریگا جب اسکے ظہور کے دلائل اور علامات قائم ہو چکے ہوں گے۔ اس امام حق کے بہت کچھ خزانے ہوں گے۔ لیکن وہ سونے چاندی کے خزانے نہیں بلکہ وہ نہایت عمدہ گھوڑے ہوں گے۔ جو سامان جنگ سے آراستہ اور تیار ہونگے۔ اور ایسے جوان ہوں گے جن کو بہادری اور شجاعت میں امتیازی شان رکھنے کے تمغے لگے ہوں گے۔ اللہ تعالٰی ان کیلئے دور دور کے علاقہ جات سے تین سو تیرہ مددگار جمع کریگا۔ جو تعداد میں جنگ بدر کے مجاہدین کی تعداد سے مطابقت رکھتے ہوں گے۔

اس "میرے فرزند" کے پاس ایک کتاب ہوگی جس پر قدرت کی طرف سے مہر لگی ہوگی۔ اس کتاب میں اسکے تمام اصحاب کے نام مع انکی ولدیت اور سکونت لکھے ہوئے ہوں گے۔ نیز انکے طبائع کی شناخت اور انکے حلیے اور کنیتیں بھی درج ہوں گی۔ وہ بڑے جفا کش اور انکی اطاعت اور تابعداری کو انتہائی کوشش سے بجالانے والے ہونگے۔

ابی بن کعب نے عرض کیا کہ یارسول اللہؐ اس امام حق کے دلائل اور علامات کیا ہوں گے۔ تو حضورؐ نے فرمایا! اس کے پاس ایک علم ہوگا۔ جب پردہ غیب سے آپ کے ظہور پذیر ہونیکا وقت آئیگا تو اس علم کا پھریرہ خود بخود منتشر ہو جائیگا۔ پھیل پڑے گا۔ اللہ تعالٰی اس علم کو گویا کریگا وہ حضرت صاحب الامر کو ندا دے کر کہے گا۔ "اخرج یاولی اللّٰہ فاقتل اعداء اللّٰہ"

اے ولی خدا! ظہور فرمایئے اور دشمنان خدا کو قتل کیجئے۔ یہ درحقیقت دو علم ہیں جو مستقل دو علامتیں ہیں۔ اور میرے اس فرزند قائم آلِ محمدؐ کے پاس ایک تلوار بھی ہوگی جو میان میں بند ہوگی۔ جب اس ولی خدا کے ظہور کا وقت قریب آئیگا تو وہ خود بخود میان سے باہر نکل پڑے گی۔ اس تلوار کو بھی اللہ تعالٰی گویائی عطا فرمادیگا۔ اور وہ ندا دے کر کہے گی۔ "یاولی اللّٰہ لایحل لک ان تقعد عن اعداء اللّٰہ" کہ اے ولی خدا! اب تمہارے لیے

حلال نہیں کہ تم بیٹھے رہو اور دشمنان خدا سے جنگ نہ کرو۔

جب دونوں علامتیں قائم ہو جائیں گی تو وہ ولی خدا ظہور فرمائیں گے۔ اور دشمنانِ خدا کو جہاں پائیں گے قتل کرتے جائیں گے۔ حدود خداوندی کو قائم اور جاری کریں گے۔ اور ہر فیصلہ عین حکم خداوندی کیمطابق کریں گے۔ اور ہر حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق صادر فرمائیں گے۔ جبرئیلؑ امین ان کی دائیں اور میکائیلؑ انکے بائیں طرف ان کیساتھ ظہور فرمائیں گے۔ اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اے ابی کعب عنقریب تم اسے یاد کرو گے۔ اور میں نے اپنا ہر معاملہ اللہ جل شانہٗ کے سپرد کر رکھا ہے۔

فرمایا اے ابی! نیک بخت ہے وہ شخص جو "ایمان کے ساتھ" اس کی ملاقات اور اسکی زیارت کریگا۔ اور اس سے محبت رکھے گا۔ اور خوش بخت و نیک نصیب ہے وہ شخص جو اسکی امامت وولایت کا قائل ہوگا۔ اسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو ہلاکت سے نجات دیگا۔ اور اس کی اور تمام بقیہ اماموں کی امامت اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی رسالت اور خداوند عالم کی توحید کے اقرار کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کیلئے جنت کے دروازے کھول دیگا۔ زمین میں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کستوری کہ جس کی خوشبو دنیا کو معطر کر دے۔ اور اس میں تغیر اور تبدیلی بالکل راہ نہ پاسکے۔ اور آسمان میں ان کی مثال ایسے قمر منیر کی سی ہے جس کا نور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے قائم ودائم رہے۔ کبھی اس میں کمی واقع نہ ہو سکے۔

ابی نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! ان آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے حالات کا بیان اللہ کی طرف سے حضورؐ کی ذات پر کیونکر ظہور پذیر ہوا؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر بارہ صحیفے نازل کئے ہیں۔ ہر ایک پر مہر لگی ہوئی ہے۔ اور ہر امام کا نام اس ہر صحیفے کی مہر پر لکھا ہوا ہے جو صحیفہ اس امام کیلئے قدرت نے نازل کیا ہے۔ اور اسی صحیفہ کے اندر اس امام کے صفات اور حالات بھی تحریر شدہ ہیں۔ اور اسطرح ہر امام کے نام اور

حالات وصفات کا صحیفہ الگ الگ اور جداگانہ ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس باعظمت اور پراز فوائد حدیث میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے لے کر حضرت صاحب الامر علیہ السلام تک نو اماموں میں سے ہر ایک کے متعلق تصریح موجود ہے۔ کہ ان میں سے ہر امام اپنے اپنے پدر بزرگوار کے پاکیزہ اور بابرکت نطفے سے پیدا ہوگا۔ اور اس نطفہ کو زکیہ، مبارکہ، طیبہ، طاہرہ، مطہرہ، رضیہ، مرضیہ کے ایسے بلند پایہ صفات عالیہ سے متصف فرمایا ہے۔ تو کیا کوئی صاحب ایمان ایسا ہوسکتا ہے کہ جو رسول پاکؐ کے کلام وحی ترجمان کو جھٹلائے۔ اور آئمہ کی اس پیدائش کو نگاہ نفرت سے دیکھے؟ "معاذ اللّٰہ ثم معاذ اللّٰہ"

دیگر ملاحظہ ہو کتاب اصول الکافی الکلینی: جلد نمبر ۲: ص ۲۹۴ مطبع طہران۔ طبع ثانیہ باب موالید الائمہؑ۔ حدیث نمبر ۱۔ برحاشیہ مرآۃ العقول شرح اصول الکافی: جلد نمبر ۱: ص ۲۹۰۔ الدمعۃ الساکبہ: جلد نمبر ۳: ص ۳۔ تفسیر البرہان: جلد نمبر ۱: ص ۳۳۴۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بروایت ابوبصیر ایک طولانی حدیث منقول ہے۔ جس میں حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت باسعادت کا حضرت صادقِ آلِ محمد علیہ السلام نے ذکر کرتے ہوئے فرمایا! کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ ماجدہ نے بیان کیا ہے کہ میرا یہ فرزند جب میرے بطن سے باہر آیا ہے تو اس حال میں آیا ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ اس نے زمین پر رکھ دیئے۔ اور اپنے سر اقدس کو آسمان کی طرف بلند کر دیا۔

حضرت صادق آلِ محمد علیہ السلام نے فرمایا! کہ میں نے بی بی حمیدہ خاتون والدہ ماجدہ حضرت امام موسیٰ کاظمؑ سے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے رسول اور ان کے بعد جو بھی ان کا وصی ہوگا اسکی علامت ہے۔ حضرت ابوبصیر راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں حضورؑ کی خدمت میں عرض گزار ہوا کہ مولیٰ! جناب نے جس امر کو علامت رسول وعلامت وصی رسول قرار دیا ہے

میرے ماں باپ آپ پر قربان اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا۔

"انه لما كانت الليلة التي علق فيها بجدي أتى آت جد أبي بكاس فيه شربة ارق من السماء وألين من الزبد وأحلى من الشهد وأبرد من الثلج وابيض من اللبن فسقاه اياه وأمره بالجماعفقام فجامع فعلق بجدي"

کہ جس شب کو میرے جد امجد حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام اپنی مادر گرامی کے بطن مبارک میں انعقاد پذیر ہوئے اس شب کو میرے جد امجد حضرت امام حسین علیہ السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنیوالا ایک فرشتہ ایک پیالہ لایا جس میں ایسا شربت تھا کہ جو پانی سے زیادہ رقیق، مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ وہ پیالہ اس نے میرے جد امجد امام حسین علیہ السلام کو پلا دیا۔ اور اس کے بعد انکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا کہ جماع کیجئے چنانچہ انہوں نے بحکم پروردگار جماع کیا تو میرے جدِ امجد حضرت امام زین العابدین کا حمل انکی مادر گرامی کے بطن مبارک میں انعقاد پذیر ہوا۔

"ولما ان كانت الليلة التي علق فيها أبي أتى آت جدي فسقاه كما سقى جد أبي وامره بمثل الذي أمره فقام فجامع فعلق بأبي"

پھر جبکہ وہ رات آئی جس میں میرے والد ماجد اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک میں انعقاد پذیر ہوئے تو اسی طرح ایک شربت کا پیالہ لانیوالا میرے دادے "امام علی زین العابدین" کے پاس وہی پیالہ لایا اور وہ پیالہ اس کو پلا دیا اور اسکے بعد اسی طرح انکو جماع کرنیکا حکم پہنچایا۔ چنانچہ انہوں نے حسب حکم پروردگار جماع کیا تو میرے والد ماجد اپنی والدہ گرامی کے بطن مبارک میں بصورت حمل وجود پذیر ہوئے۔

"ولما كانت الليلة التي علق فيها بي أتى آت أبي فسقاهم بما سقاهم وأمرهم بالذي أمرهم به فجامع فعلق بي"

اور پھر جب وہ رات آئی جس میں میں اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں بصورت حمل انعقاد پذیر ہوا۔ تو میرے والد ماجد کے پاس بھی اسی طرح ایک لانے والا شربت کا پیالہ لایا۔ اور جس

طرح میرے دادا اور میرے باپ کے دادا کو اس نے وہ پیالہ پلایا تھا۔ اسی طرح اس نے میرے والد بزرگوار کو بھی وہی پیالہ پلایا۔ اور وہی حکم ان کو بھی پہنچایا جو اُن کے باپ اور دادا کو پہنچایا تھا۔ تو انہوں نے تعمیل حکم کرتے ہوئے جماع کیا تو میں بصورت حمل اپنی والدہ گرامی کے بطن مبارک میں وجود پذیر ہوا۔

"ولما ان كانت الليلة التی علق فيها بابنی أتانی آت كما اتاهم ففعل بی كما فعل بهم فقمت بعلم الله وأنی مسرور بما يهب الله لی۔ فجامعت فعلق بابنی هذا المولود قد ونكم فهو والله صاحبكم من بعدی"

اور پھر جب وہ رات آئی جس میں میرے فرزند "حضرت امام موسیٰ کاظمؑ" اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں وجود پذیر ہوئے۔ تو میرے پاس بھی وہ پیالہ لانے والا اسی طرح آیا جس طرح میرے آباؤ اجداد کے پاس آتا رہا تھا۔ اور اس نے مجھے بھی وہ پیالہ پلا کر اسی طرح جماع کا حکم دیا۔ جس طرح میرے آباؤ اجداد کو دیا تھا۔ تو میں بعلم پروردگار اس حال میں اٹھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمت عطا ہونے والی تھی اس کے باعث مسرور اور شادماں تھا۔ چنانچہ میں نے بھی جماع کیا تو میرے اس فرزند کا حمل انعقاد پذیر ہوا۔ جو آج پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا تم اس کی ولایت کو اختیار کرو۔ کیونکہ قسم بخدا میرے بعد یہی تمہارا امام ہوگا۔

"ان نطفة الامام مما أخبرتك واذ سكنت النطفة فی الرحم اربعة اشهر و أنشی فيها الروح بعث الله تبارك وتعالی ملكا يقال له حيوان۔ يكتب علی عضده الايمن ﴿وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل بكلماته وهو السميع العليم﴾

اس کے بعد حضرت صادق آل محمد علیہم السلام نے فرمایا "اے ابوبصیر! امام کا نطفہ اسی "جنتی کھانے یا شربت" سے پیدا ہوتا ہے۔ جس کی میں نے تجھے خبر دی ہے۔ اور جب اس نطفہ کو رحم مادر میں چار مہینے گزر جاتے ہیں اور روح اس میں پیدا کر دی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مبعوث کرتا ہے جسے حیوان کہا جاتا ہے۔ وہ اس امام کے دائیں بازو پر یہ آیت مبارکہ لکھ دیتا ہے۔ ﴿وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو السميع العليم﴾ انتهی بقدر الحاجة.

اس حدیث میں صراحت موجود ہے کہ ہر امام کے جسم مبارک کی پیدائش اپنے

باپ کے نطفہ سے ہوتی ہے۔ اور وہ نطفہ جنت کی غذا سے پیدا ہوتا ہے۔ نیز لفظ جماع کی تصریح بھی چار مرتبہ وارد ہوئی ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں صرف چار اماموں کی ولادت کا ذکر وارد ہوا ہے۔ لہذا وہ لوگ آئمہ معصومین علیہم السلام کے مخالف ہیں جو کہتے ہیں کہ امام کی جسمانی تخلیق نطفہ سے نہیں ہوتی۔ یا یہ کہ جماع کے ذریعہ نہیں ہوتی۔ نیز ملاحظہ ہو۔ تفسیر البرہان: جلد نمبر ا،ص ۳۳۵۔

بروایت تفسیر عیاشی تحریر ہے کہ یونس بن ظبیان نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک امام کی روح قبض کرنے اور دوسرے امام کے پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو عرش بریں کے نیچے سے زمین کی طرف کسی پھل پر یا کسی سبزی پر ایک مخصوص قطرہ نازل فرماتا ہے۔ "قال فیا کل تلك الثمرة او تلك البقلة الامام یخلق اللّٰه منه نطفة الامام الذی یقوم بعده فیخلق اللّٰه من تلك القطرة نطقة فی الصلب ثم تصیرأ لی الرحم"

تو فرمایا کہ وہ پھل یا وہ سبزی وہ امام تناول فرمالیتا ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ اس امام کا نطفہ پیدا کرتا ہے۔ جو رحلت فرمانے والے امام کے بعد اس کا جانشین ہونیوالا ہوتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ اس قطرے سے امام مذکور کے صلب میں نطفہ پیدا کرتا ہے۔ پھر وہ نطفہ امام عالی مقام کی والدہ ماجدہ کے رحم میں پہنچتا ہے۔ رحم مادر میں چالیس روز گزر جاتے ہیں تو امام حق آواز سننا شروع کر دیتا ہے۔ پھر جب چار مہینے گزر جاتے ہیں تو امام کے دائیں بازو پر یہ آیت مبارکہ لکھی جاتی ہے۔ ﴿وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا لامبدل لکلماته وهو السمیع العلیم﴾ پھر جب وہ زمین کی طرف ظہور پذیر ہوتا ہے تو اسے حکمت عطا کر دی جاتی۔ اور زیور علم اور وقار سے آراستہ کر دیا جاتا ہے۔ اور خلعت ہیبت اور رعب سے ملبوس کر دیا جاتا ہے۔ اور نور کا ایک چراغ اس کیلئے روشن کر دیا جاتا ہے۔ جس کے ذریعہ وہ دلوں کے راز معلوم کر لیتا اور بندوں کے اعمال کو دیکھ سکتا ہے۔

اس حدیث میں بھی تصریح ہے کہ ہر امام کی جسمانی تخلیق اسکے پدر بزرگوار کے

نطفہ سے ہوتی ہے۔اور وہ نطفہ عرش برین سے پیدا شدہ بابرکت پانی سے پیدا ہوتا ہے ۔اگر چہ کہ وہ پانی کسی پھل پر نازل ہوا ہو۔نیز ملاحظہ ہو۔تفسیر البرہان: جلد نمبر ا:ص ۲۳۵۔ بروایت اصول الکافی الکلینی ۔نیز اصول الکافی طبع طہران: جلد نمبر ۲:ص ۲۹۷۔باب موالید الائمہ حدیث نمبر ۲۔مطبوعہ بر حاشیہ مرآۃ العقول شرح اصول الکافی: جلد نمبر ا:ص ۲۹۰۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ فرمایا! اللہ تعالیٰ کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ ایک امام سے دوسرا امام پیدا کرے تو خداوند عالم ایک فرشتے کو حکم دیتا ہے کہ وہ عرش بریں کے نیچے سے ایک شربت آبی حاصل کرے۔اور اسے لے جاکر امام عالی مقام علیہ التحیۃ والسلام کو نوش کرا دے۔وہ فرشتہ حکم پروردگار کو بجا لاتا ہے۔امامؑ نوش فرما لیتے ہیں۔"فمن ذلك يخلق الله الامام" بس اس مشروب عرشی سے اللہ تعالیٰ امام کو پیدا فرماتا ہے"یعنی اس مشروب سے صلب امام میں نطفہ پیدا کرتا ہے۔جس سے بعد کو آنیوالے امام کی پیدائش ہوتی ہے" یہ پاکیزہ نطفہ چالیس شب و روز تک اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک میں اس طرح رہتا ہے کہ "لايسمع الصوت ثم يسمع بعد ذلك الكلام" کہ آواز کو نہیں سنتا۔لیکن چالیس روز گزرنے کے بعد بطن مادر میں ہی کلام کو سننے لگتا ہے۔جب امام تولد پذیر ہوتا ہے تو وہی فرشتہ امام کی پیشانی مبارک پر ہر دو آنکھوں کے درمیان یہ آیت تحریر کر دیتا ہے۔

﴿ وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل الكلماته وهو السميع العليم ﴾

جب سابق امامؑ رحلت فرما جاتے ہیں:" رفع لهذا منار من نُور ينظر به أُلى اعمال الخلائق" تو جانشین ہونے والے امام کیلئے ایک نور کا منار قائم کر دیا جاتا ہے۔جس کے ذریعہ وہ مخلوق کے اعمال کو دیکھتا ہے۔اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر حجت قائم کرے گا۔

اصول الکافی کے باب مذکور"یعنی باب موالید الائمہ" کی حدیث نمبر ۳ سے بھی

یہی مضمون ثابت ہوتا ہے۔ غرض ان تمام احادیث سے یہ امر ثابت ہے کہ امام علیہ السلام کی تخلیق اپنے والد ماجد کے نطفہ سے ہوتی ہے۔ وہ نطفہ عرش بریں اور جنت سے نازل شدہ غذا سے پیدا ہوتا ہے۔

یہ احادیث تو وہ ہیں جو عمومی حیثیت سے ہر امامؑ کی تخلیق جسمانی کا کلیہ ضابطہ قائم کرتی ہیں۔ اور بعض احادیث بالخصوص بعض معصومین کی پیدائش کے متعلق وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام کے جسم مبارک کی تخلیق

کتاب الدمعۃ الساکبۃ: جلد نمبر ۱ :ص ۸۳۔ بحوالہ کتاب روضۃ الواعظین بروایت حضرت جابر بن عبداللہ انصاری آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی ایک طولانی حدیث منقول ہے۔ جس میں تحریر ہے کہ حضور سرکار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ نے جابر کو خطاب کر کے فرمایا کہ اے جابر! اس زمانے میں ایک مرد عابد راہب تھا۔ جبکہ ابھی میرے عمزاد حضرت جناب امیر المومنینؑ اپنی مادرِ گرامی کے بطن مبارک میں وجود پذیر نہیں ہوئے تھے۔ اس عابد کا نام مثرم بن وعیب بن شیقتام تھا۔ اس عابد کی عبادت کا شہرہ چہار دانگ عالم میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے ایک سو نوے سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ لیکن اس تمام مدت میں اس نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں کسی چیز کا سوال نہ کیا تھا۔ اور کوئی دُعا نہیں کی تھی'' اس خیال سے کہ میرا حق دُعا محفوظ رہے۔ تاکہ جب میں کوئی سوال کروں تو اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ بالآخر اس نے اللہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ التجا کی کہ پروردگار مجھے اپنے ولی کی زیارت کرا۔

چنانچہ اس کی دعا مستجاب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوطالبؑ کو اس کی ملاقات کیلئے روانہ فرما دیا۔ جب مثرم نے انہیں دیکھا تو مثرم اپنے مقام سے اٹھ کھڑے

ہوئے۔ انکے سر پر بوسہ دیا۔ اپنے سامنے انہیں بٹھایا۔ اور پھر کہا "من انت یرحمک اللّٰہ" کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے۔ تم کون ہو؟ حضرت ابو طالبؑ نے جواباً کہا کہ سرزمین تہامہ کا رہنے والا ایک شخص ہوں۔ کہا کہ تہامہ میں آپ کہاں کے باشندے ہو؟ فرمایا کہ شہر مکہ کا باشندہ ہوں۔ کہا کہ مکہ کے کون سے قبیلہ میں سے ہو؟ فرمایا کہ میں بنی عبد مناف سے ہوں۔ کہا کہ اولاد عبد مناف کی کونسی شاخ سے ہو؟ فرمایا کہ میں بنی ہاشم سے ہوں۔ بس یہ کہنا تھا کہ مثرم جست لے کر اٹھا اور دوبارہ حضرت ابو طالب علیہ السلام کے سر کا بوسہ لیا۔ اور کہا کہ خداوند عالم کا شکر ہے کہ اس نے میری دعا کو مستجاب کیا۔ اور اس وقت تک مجھے موت نہ دی جب تک کہ مجھے اپنے ولی کی زیارت نہ کرادی۔

بعدازاں مثرم نے حضرت ابو طالبؑ کو خطاب کر کے کہا کہ اے بندہ خدا! تجھے بشارت ہو کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک الہام کیا ہے جس میں آپ کے متعلق بہت بڑی خوشخبری ہے۔ حضرت ابو طالبؑ نے فرمایا کہ وہ کیا خوشخبری ہے؟ کہا کہ وہ خوشخبری یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری صلب سے تیرا ایک فرزند پیدا کریگا جو ولی اللہ ہوگا۔ اور امام المتقین اور وصی رسول رب العالمین ہوگا۔ اگر آپ اپنے اس فرزند کے زمانہ کو پائیں تو اسے میرا اسلام پہنچا دیجئے گا۔ اور اس برگزیدہ ہستی سے کہیے گا کہ مثرم آپ کی خدمت میں تحفہ سلام پیش کرتا تھا۔ اور وہ یہ گواہی دیتا تھا کہ: "اشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمداعبدہ ورسولہ وانک وصیہ حقا۔ بمحمدؐ یتم النبوۃ وبک یتم الوصیۃ"

جب حضرت ابو طالبؑ نے یہ سنا تو حضرت ابو طالبؑ پہ طاری ہوگیا۔ پھر پوچھا کہ میرے اس فرزند کا نام کیا ہوگا؟ مثرم نے کہا اس کا نام "علیؑ" ہوگا۔ حضرت ابو طالبؑ نے فرمایا کہ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں میں اسے دلیل کے بغیر کیسے تسلیم کرلوں؟ جبکہ مجھے اس کی حقانیت کا علم ہی نہیں۔ لہٰذا اسکی واضح اور بین دلیل پیش کیجئے۔ مثرم نے کہا بتائیے آپ

کونسی دلیل چاہتے ہیں۔ جو دلیل آپ طلب کریں گے اللہ تعالیٰ ابھی اسی مقام پر آپکو وہ دلیل مرحمت فرمادیگا۔ حضرت ابوطالبؑ نے کہا کہ آپ کے الہام کی سچائی کی دلیل کیلئے اللہ تعالیٰ اسی وقت جنت کا کوئی کھانا نازل کرے۔

چنانچہ مثرم نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی۔ اور ابھی اس کی دعا کے الفاظ ختم نہ ہوئے تھے کہ ایک طبق نازل ہوا۔ جس پر جنت کے میوہ جات تازہ خرما، انگور اور انار چنے ہوئے تھے۔ حضرت ابوطالبؑ نے ایک انار اٹھالیا۔ اور مثرم سے الوداع کر کے بڑی مسرت اور خوشی کے ساتھ اپنے دولت کدہ کی طرف واپس تشریف فرما ہوئے۔ گھر پہنچ کر وہ انار تناول کیا۔ حضور سرکار رسالتؐ نے فرمایا۔

"فتحولت ماء فی صلبه فجامع فاطمة بنت اسد ۔ فحملت بعلیؑ "(انتهی بقدر الحاجة)

کہ اس بہشتی انار نے منقلب ہو کر حضرت ابوطالبؑ کی صلب میں نطفہ کی صورت اختیار کر لی۔ بعدازاں حضرت فاطمہ بنت اسد علیہا السلام سے مجامعت کی تو آپ حمل سے ہو گئیں۔

"فتحولت ماء فی صلبه فجامع فاطمه بنت أسد فحملت بعلیؑ" کے الفاظ سے اس امر کی تصریح ہو گئی کہ حضرت جناب امیرؑ کی جسمانی تخلیق حضرت ابوطالبؑ کے اس نطفہ مبارکہ سے ہوئی جو جنت کے انار سے پیدا ہوا تھا۔ اور بذریعہ جماع یہ نطفہ صلب سے رحم کی طرف انتقال پذیر ہوا تھا۔

حضرت جناب سیدہ خاتونؑ کے جسم اطہر کی پیدائش

الدمعۃ الساکبۃ: ج ۱، ص ۵۴ پر تحریر ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے کتاب امالی میں اپنے اسناد کے ساتھ بروایت ہروی حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔

"لما عرج بی السماء أخذ بیدی جبرئیل فادخلنی الجنة فناولنی من رطبها فاکلته فتحول ذلك نطفة فی صلبی فلماهبطت الی الارض واقعت خدیجةؑ فحملت بفاطمةؑ ففاطمةؑ حوراء انسیة فکلمااشتقت ألی رائحة الجنة شمحت رائحة ابنتی فاطمةؑ"

کہ جب مجھے معراج آسمانی کا شرف عطا کیا گیا۔ تو حضرت جبرئیل امینؑ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اندرون جنت لے گئے۔ اور جنت کے خرما میں سے تازہ خرما مجھے عطا کیا۔ وہ میں نے کھایا تو وہ منقلب ہو کر میرے صلب میں نطفہ بن گیا۔ جب میں زمین پر نازل ہوا تو میں نے حضرت خدیجہؑ سے مواقعت کی جس کے طفیل وہ جناب سیدہ خاتونؑ سے حمل پذیر ہو گئیں۔ لہذا فاطمہ علیہا السلام انسانی حور ہیں۔ مجھے جس وقت جنت کی خوشبو کا شوق لاحق ہوتا ہے تو میں اپنی شہزادی فاطمہ زہرا علیہا السلام کی خوشبو سونگھتا ہوں۔ مجھے وہی جنت کی خوشبو محسوس ہوتی ہے"۔

اس حدیث پاک میں "فتحول ذلك نطفة فی صلبی" کے الفاظ سے صراحت ہو گئی ہے کہ جناب سیدہ خاتونؑ کے جسم اقدس کی خلقت اس باعظمت اور بابرکت نطفے سے ہوئی جو جنت کی غذا سے پیدا ہوا تھا۔ اور "واقعت خدیجةؑ فحملت بفاطمةؑ" کے الفاظ اس کی صراحت کر رہے ہیں کہ وہ مبارک اور بلند مرتبہ نطفہ بذریعہ مواقعت ہی رحم کی طرف انتقال پذیر ہوا۔ جس کے باعث جناب سیدہؑ سے حضرت خدیجہؑ حاملہ ہو گئیں۔

نیز الدمعۃ الساکبہ: ج ا:ص ۵۵۔ علل الشرائع سے عبداللہ بن عباس کی روایت کے ذریعہ آنحضرت ﷺ کی ایک طولانی حدیث منقول ہے۔ جس میں حضورؐ نے اپنے معراج آسمانی کا تذکرہ کرتے ہوئے جنت کی سیر کا ذکر فرمایا ہے۔ اس میں حضورؐ سرور کائنات کا یہ فرمان موجود ہے۔

"ثم تقدمت امامی فاذاانابرطب الین من الزبد رائحته أطیب من المسك وأحلى من العسل فأخذت رطبة فاكلتهافتحولت الرطبة نطفة فی صلبی فلماان هبطت ألى الارض واقعت خديجتہؑ فحملت بفاطمةؑ ففاطمةؑ حوراء انسيةفاذااشتقت ألى الجنة شمحت فا طمةؑ" پھر میں "جنت کی سیر کرتے ہوئے" آگے بڑھا تو میں نے اچانک ایسا تازہ خرما پایا جو مکھن سے زیادہ نرم، کستوری کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے اس خرما کا ایک دانہ لیا جو میں نے تناول کیا۔ وہ خرما منقلب ہو کر میری صلب میں نطفہ بن گیا۔ جب میں "معراج آسمانی" سے واپس زمین پر نازل ہوا تو میں نے "اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؑ" سے مواقعت کی تو وہ میری دختر نیک اختر فاطمہ زہراؑ سے حاملہ ہو گئیں۔ لہٰذا فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا انسانی حور ہیں۔ مجھے جس وقت جنت کی خوشبو کا اشتیاق ہوتا ہے تو میں فاطمہ زہرا علیہا السلام کی خوشبو سونگھتا ہوں۔ مجھے وہی جنت کی خوشبو حاصل ہوتی ہے۔

نیز کتاب الدمعۃ الساکبہ: ج ۲:ص ۲۸۔ بحوالہ تفسیر فرات بن ابراہیم آنحضرتؐ سے حضرت حذیفہ بن الیمان کی روایت کے ذریعہ ایک حدیث منقول ہے۔ جس میں حضورؐ نے معراج ہی کا تذکرہ کرتے ہوئے جنت کی سیر کا ذکر فرمایا ہے۔ اس حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

"ثم تقدمت امامی فاذاانابرطب ألين من الذبد وأحلى من العسل فاخذت رطبة فاكلتها وانااشتهيتهافتحولت الرطبة نطفة فی صلبی فلماهبطت الی

الارض واقعت خدیجۃ فحملت بفاطمۃؑ ففاطمۃؑ حوراء انسیۃ فاذااشتقت الی رائحۃ الجنۃ شممت رائحتہ ابنتی فاطمۃؑ"

پھر میں جنت کی سیر کرتے ہوئے آگے بڑھا تو اچانک میں نے ایسا تازہ خرما دیکھا جو مکھن سے زیادہ نرم اور شہد سے زیادہ میٹھا تھا۔ میں نے اس کا دانہ لیا اور وہ کھالیا۔ مجھے اسے کھا جانے کی بڑی خواہش لاحق ہو چکی تھی۔ خرما کا وہ دانہ منقلب ہو کر میری صلب میں نطفہ بن گیا۔ جب میں زمین کی طرف واپس نازل ہوا تو میں نے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہؓ سے مواقعت کی۔ وہ میری دختر نیک اختر فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کے حمل سے حاملہ ہو گئیں۔ لہذا فاطمہ زہراؑ انسانی حور ہیں۔ مجھے جب جنت کی خوشبو سونگھنے کا اشتیاق لاحق ہوتا تو میں اپنی اس دختر فاطمہ زہراؑ کی خوشبو سونگھتا ہوں تو مجھے جنت کی خوشبو حاصل ہوتی ہے۔

فذلکہ

ان تمام احادیث کی مجموعی حیثیت سے یہ امر متیقن ہو جاتا ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام میں سے ہر ایک کی جسمانی خلقت انکے والد ماجد کے پاکیزہ اور بابرکت نطفہ سے ہوئی۔ کیونکہ اس نطفہ کی تخلیق میں عرش بریں سے اتری ہوئی اور جنت سے آئی ہوئی غذا کو بڑا دخل تھا۔

احادیث کا یہ مدلول قرآن کریم کے عموم سے بھی مؤید ہے۔ کیونکہ قرآن پاک میں صرف حضرت آدمؑ، حضرت حواؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی خلقت کی خاص نوعیت بیان کی گئی ہے۔ دیگر تمام انسانوں کی پیدائش کا یہی عام حکم بیان فرمایا ہے کہ ہر انسان اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا ہوا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

پ۲۲:۔ ﴿وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا﴾

اور اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر اس نے تم کو زن و مرد کے جوڑے بنایا۔

(سورۃ فاطر ۳۵۔ آیت نمبر ۱۱)

نیز پ۲۴:۔ ﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا.....﴾

کہ وہی تو وہ ہے جس نے پہلے تم کو مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر منجمد خون سے پیدا کیا۔ پھر وہ تم کو "بطن مادر سے" بچہ بنا کر نکالتا ہے۔ (سورۃ مؤمن ۴۰۔ آیت نمبر ۶۷)

ان آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو تو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا۔ اور پھر ان کی ساری اولاد کو اپنے باپ کے نطفہ سے پیدا کیا۔ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے باپ کے بغیر پیدا کیا۔ اسی لئے وہ عیسیٰ بن مریم کہلاتے ہیں۔ اپنی ماں کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ باپ کی طرف منسوب نہیں کئے جاسکتے ۔کیونکہ ان کا باپ کوئی تھا ہی نہیں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے حضرت مریمؑ کے بطن سے پیدا فرمایا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس انوکھی پیدائش کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں الگ طور پر بیان فرمایا ہے۔ لیکن چہاردہ معصومین علیہم السلام کیلئے قرآن پاک میں بھی کوئی الگ طریقہ بیان نہیں کیا گیا۔ اور احادیث میں تو تصریح موجود ہے کہ ہر معصومؑ اپنے پدر بزرگوار کے باعظمت و بابرکت نطفے سے پیدا ہوا۔ جیسے کہ سابقاً بہت سی احادیث سپرد قرطاس کر دی گئی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ چہاردہ معصومینؑ کا شجرہ مبارکہ حضرت ابراہیمؑ سے جا کر ملحق ہوتا ہے۔ پھر حضرت نوحؑ تک پہنچتا ہے۔ اور پھر حضرت آدمؑ تک پہنچتا ہے۔ اور حضرت آدمؑ کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا تھا۔ اس لئے ان آیات مذکورہ میں حضرت آدمؑ کی اولاد کو پہلا خطاب یہی ہوا۔

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ کہ اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ مجازاً اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی ساری اولاد کو مٹی سے پیدا کرنے کی طرف منسوب کیا۔ کیونکہ جدِ اعلیٰ کا مٹی سے پیدا کرنا گویا ان کی اولاد کا بھی مٹی سے ہی پیدا کرنا ہے۔ ورنہ باقی اولاد کی حقیقی پیدائش کیلئے

﴿ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ﴾ کے الفاظ سے یہ تصریح فرمادی کہ حضرت آدمؑ کی تمام اولاد سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نطفہ سے پیدا ہوئی اور ہو رہی ہے۔

لہٰذا یہ مزعومہ بالکل غلط اور باطل ہے کہ ان ذوات قدسیہ کی جسمانی پیدائش اپنے آباؤ اجداد کے نطفہ طیبہ سے نہیں ہوئی۔ کیونکہ یہ مزعومہ کلام خدا کلام رسولؐ اور کلام آئمہ ہدیٰ علیہم السلام سب کے مخالف ہے۔ اگر انکی جسمانی خلقت ان کے آباؤ اجداد کے نطفہ سے نہ ہوتی تو انکا شجرہ نسب ہی نہ ہوتا۔ نیز اگر انکی اولاد ان کے نطفہ سے نہ ہوتی تو سادات بنی فاطمہؑ کا شجرہ نسب کسی امام سے الحاق پذیر نہ ہوتا۔ حالانکہ آئمہ ہدیٰ اور جناب رسول خداؐ کا شجرہ نسب بھی موجود ہے۔ شیعہ سنی علماء نے لکھا ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ سے ملتا ہوا حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ سے جاملتا ہے۔ اور اسی طرح سادات بنی فاطمہؑ کہ جو آج بھی کثرت سے موجود ہیں ان کے شجرہ ہائے نسب بھی آئمہ ہدیٰ علیہم السلام میں سے کسی نہ کسی سے جاملتے ہیں۔ کوئی نقوی ہیں تو کوئی رضوی، کوئی کاظمی ہیں تو کوئی جعفری، ہشمی، زیدی وغیرہ۔ اور سادات کے بعض احکام بھی ازروئے شریعت طاہرہ دیگر اقوام سے جداگانہ ہیں۔ جیسے مثلاً خمس کا حلال ہونا۔ زکوٰۃ غیر بنی ہاشم کا حرام ہونا وغیرہ۔

یہ سب چیزیں دلائل واضح ہیں اس امر کے کہ وہ شخص محمد وآل محمد علیہم السلام اور سادات بنی فاطمہؑ کا بدترین دشمن ہے جو اس مزعومہ کا معتقد ہے کہ چہاردہ معصومینؑ اور انکی اولاد کی جسمانی تخلیق نطفہ سے نہیں ہے۔ ایسا شخص دوستی کے لباس میں منافقانہ چال سے دھوکہ دے کر سادات بنی فاطمہؑ اور چہاردہ معصومینؑ پر ایسا ظلم کر رہا ہے جو نہ بنی امیہ کر سکے، نہ بنی عباس، نہ یزید نے ایسا ظلم کیا اور نہ شمر ابن ذی الجوشن و عمر سعد نے کیا۔ کیونکہ ان ملاعین نے تو اس خاندان کے افراد کو قتل کیا، قید کیا، انکے حقوق غصب کئے، اور جانی و مالی تکالیف پہنچائیں۔ لیکن انہوں نے اس خاندان کے شجرہ نسب کو ختم کر دینے کا کوئی منصوبہ

تیار نہ کیا۔ مگر مذکورہ مزعومہ کے معتقدین تو اس خاندان کے شجرہ نسب کو ہی مفقود کر دینے اور ہر شخص کے تصور وخیال سے بھی محو کر دینے کے درپے ہیں۔

اگر شجرہ نسب ہی قائم نہ ہو تو جناب سیدہ خاتون فاطمہ زہرا صلوٰت اللہ علیہا جناب سرور کائناتؐ کی دختر ہی کیونکر شمار ہونگی۔ اور پھر ان کا ابوبکر سے میراث کا مطالبہ کرنا ہی کیسے صحیح ہو سکے گا۔ جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہما السلام جناب رسولؐ خدا کے عم زاد ہی کیونکر کہلا سکیں گے۔ اور انکے داماد ہی کیسے کہے جائیں گے۔ حضرت امام حسنؑ وامام حسینؑ جناب رسول خداؐ کے نواسے کس طرح شمار ہوں گے۔ حضرت جناب زینبؑ خاتون اور حضرت بی بی اُمّ کلثومؑ جناب رسالت مآب ﷺ کی نواسیاں کس طرح قرار پا سکیں گی۔ غرض اس خیال باطل واعتقاد فاسد کے مفاسد اس کثرت سے ہیں۔ اور اس پر مرتب ہونے والے استحالات کی اتنی بہتات ہے کہ ان کی تعداد شماری سے قلم قاصر وعاجز ہے۔ بہر حال سادات بنی فاطمہؑ کا باعظمت شجرہ نسب اور اسی طرح جناب رسول خداؐ اور آئمہ اثنا عشرؑ کا پاکیزہ اور ذیشان شجرہ اہل اسلام کے مسلمات میں سے ہے۔ اسکا انکار نہ صرف بے دینی ہے۔ بلکہ یہ حماقت، سفاہت اور اپنے جنون زدہ ہونے کا ثبوت پیش کرنا ہے۔

چہاردہ معصومین علیہم السلام کا شجرہ طیبہ

مناسب ہے کہ ان نفوس مقدسہ کے پاکیزہ اور باعظمت شجرہ کے متعلق علماء کرام کے رشحات کلک کو زیب قرطاس کر دیا جائے۔ تاکہ دشمنان سادات واعداء محمد آل محمد علیہم السلام کیلئے تازیانہ عبرت ہو۔ ملاحظہ ہو کتاب الدمعۃ الساکبہ: ج ۱: ص ۲۱۔ بروایت بحارالانوار کے بنابر مشہور آنحضرتؐ کا نسب حسب ذیل ہے۔

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ''ان کا نام شیبۃ الحمد ہے'' بن ہاشم ''ان کا نام عمرو ہے''

عبد مناف ''انکا نام مغیرہ تھا'' بن قصی ''ان کا نام زید تھا'' بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر ''قریش یہی بزرگ ہیں'' بن کنانہ بن خزیمہ بن ورکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد بن ادو بن الیسع بن الہمیسع بن سلامان بن نبت بن حمل بن قیذار بن اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ بن تارخ بن ناخور بن ساروع بن ارغو بن فالغ بن عابر ''ان سے مراد جناب ہود علیہ السلام ہے'' بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ بن ملک بن متوشلخ بن اخنوخ (ان سے مراد حضرت ادریس علیہ السلام ہیں) انکو اخنوخ بھی کہا جاتا ہے'' بن بارز بن بلایل بن قینان بن انوش بن شیث (ان کا لقب ''ہبۃ اللہ تھا'' بن حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام

نیز کتاب کشف الغمہ: ص ۴۔ مؤلفہ علی بن عیسیٰ اربلیؒ نے حضرت کا شجرہ مذکور عدنان سے تحریر کیا ہے۔ بعد ازاں لکھا ہے۔ ''وروی انہ قال اذا بلغ نسبی الی عدنان فامسکوا'' آنحضرتؐ سے روایت وارد ہے کہ میرا نسب جب عدنان تک بیان ہو جائے تو پھر رک جاؤ ''یعنی اس کے بعد بیان نہ کیجئے'' چنانچہ لکھتے ہیں: ''انی امسك عند عدنان کما أمر صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم واتصال نسبہ بآدم ابی البشر کثیر موجود فی

کتب التواریخ والانساب واللہ اعلم"

کہ میں عدنان تک بیان کرنے پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔ جیسے کہ آنحضرتؐ نے حکم فرمایا ہے اور حضرت آدمؑ ابوالبشر علیہ السلام کے ساتھ آپؐ کے نسب کا اتصال کتب تواریخ اور انساب میں بکثرت موجود ہے۔ واللہ اعلم

نیز کتاب الدمعۃ الساکبہ : ج ا ص ۸۹ بحوالہ کتاب کشف الغمہ۔ حضرت امیر المومنین علیہ السلام **کا نسب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔** "ھو ابو الحسن علی بن ابی طالب واسم أبی طالب عبد مناان بن عبدالمطلب شیبة الحمد و کنیته ابو الحارث وعنده یجمتع نسبة بنسب النبیؐ و قدتقدم ذکرہ انتھی"

اور جناب امیر المومنینؑ کی کنیت ابوالحسن ہے۔ نام علیؑ ہے۔ فرزند ابوطالبؑ کے ہیں۔ اور ابوطالبؑ کا نام عبد مناف بن عبدالمطلب ہے۔ وہ عبدالمطلب جن کا لقب شیبۃ الحمد تھا۔ اور انکی کنیت ابوالحارث تھی۔ ان پر امیر المومنینؑ کا نسب جناب رسولؐ کے نسب سے اتصال پذیر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سابقاً گذر چکا ہے۔

نیز کتاب منتھی الآمال مصنفہ آقا شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہٗ : ج ا ص ۳ پر صاحب کشف الغمہ کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ مبارک حضرت عدنان تک ہی تحریر کر کے آنحضرتؐ کی مذکورہ حدیث کو روایت شدہ از حضرت پیغمبرؐ کے الفاظ سے نقل کرتے ہیں۔ اور پھر لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے باعث ہم حضرت عدنان سے اوپر آنحضرتؐ کے شجرہ کو ذکر نہیں کرتے لیکن ساتھ ہی لکھتے ہیں۔

"قبل ازشروع بذکر احوال ایں جماعت نقل کنیم کلام علامہ مجلسیؒ بدانکه اجماع امامیه منعقد گردیده است بدآنکه پدرومادر حضرت رسول اللہؐ و جمیع اجداد و جدات آنحضرتؐ تاآدمؑ همه مسلمان بوده اند

ونور آنحضرتؐ در رحم مشرکی قرار نہ گرفتہ است وشبہ در نسب آنحضرتؐ وآباء وامہات آنحضرتؐ نیست واحادیث متواتر ازطرق خاصہ وعامہ براین مضمون دلالت دارد۔ بلکہ ازمتواترہ ظاہر میشود کہ اجداد آنحضرتؐ ہمہ انبیاء واوصیاء وحاملان دین خدابودہ وفرزندان اسمعیلؑ کہ اجداد آنحضرتؐ اند اوصیاء حضرت ابراھیمؑ بودہ اند وہمیشہ بادشاہی حجابت خانہ کعبہ وتعمیرات بایشان بودہ است ومرجع عامہ خلق بودہ اندوملت ابراھیمؑ الیشان بودہ استحافظان آنشریعت بودہ اند وبیك دیگر وصیت میکردند وآثار انبیاء بیك دیگرمی سپردند تابہ عبد المطلب رسید وعبد المطلب ابوطالب راوصی خود گرد اینند کتب وآثار انبیاءؑ وودائع ایشان بعدازبعثت تسلیم حضرت رسالتؐ نمود (انتھی)

شیخ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ لکھتے ہیں کہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان آباؤاجداد کے احوال بیان کرنے سے پہلے کہ جن کا سلسلہ حضرت عدنان تک ذکر کیا گیا ہے۔ہم حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے کلام کو ذکر کرتے ہیں۔

چنانچہ علامہ مجلسیؒ نے فرمایا کہ تمام علماء شیعہ امامیہ اثنا عشریہ کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے کہ حضرت آدمؑ تک آنخضرتؐ کے سارے آباؤاجداد بھی مسلمان تھے۔اور آپکی ساری امہات وجدات بھی مسلمان تھیں۔آنخضرتؐ کے نور نے کبھی نہ کسی مشرک کی صلب میں جگہ حاصل کی۔اور نہ ہی کسی مشرکہ کے رحم کو اپنی قرارگاہ بنایا۔اور آنخضرتؐ اور انکے آباؤاجداد کے نسب میں بھی اور انکی امہات وجدات کے نسب میں بھی کبھی شبہ واقع نہیں ہوا۔شیعہ اور سنی فریقین کے طرق سے واردشدہ احادیث متواترہ اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں۔بلکہ احادیث متواترہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنخضرتؐ کے آباء واجداد سب یا انبیاء تھے یا اوصیاء کہ جو حاملان دین خدا تھے۔حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد کہ جو آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد تھے۔وہ سب حضرت ابراہیمؑ کے اوصیاء تھے۔ہمیشہ مکہ کی سرداری اور خانہ کعبہ کی دربانی اور اس کی تعمیرات

کی انجام دہی کا شرف ان کو ہی حاصل رہا۔ وہ عام مخلوق کیلئے ہمیشہ مرجع رہے۔ اور ملت ابراہیم ان میں برابر جاری رہی۔ یہ شریعت ابراہیمؑ کے محافظ تھے۔ اور اسی کی ایک دوسرے کو وصیت کرتے رہتے تھے۔ اور انبیاء کے آثار اور تبرکات ایک دوسرے کے حوالے کرتے آئے۔ تا آنکہ نوبت حضرت عبدالمطلب تک آ پہنچی۔ حضرت عبدالمطلب نے حضرت ابوطالبؑ کو اپنا وصی بنایا۔ اور حضرت ابوطالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت پر انبیاء کے آثار تبرکات اور امانتیں آپکے سپرد کر دیں۔ (انتہی)

ان حوالہ جات کی مجموعی حیثیت سے یہ امر بخوبی واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شجرہ طیبہ حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ سے اتصال پذیر ہوتا ہوا حضرت آدم علیہ السلام پر جا منتہی ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے پورا شجرہ مکمل طور پر تحریر کیا ہے۔ اور بعض نے حضرت عدنان تک بیان فرمایا۔ اس پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ آپ کا شجرہ مبارکہ حضرت آدمؑ تک جا کر انتہا پذیر ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر آنحضرتؐ ان بزرگواروں کی صلبی اولاد نہ ہوتے تو یہ انکے آباؤ اجداد کیونکر شمار ہو سکتے؟ اور پھر علماء کا یہ جملہ کیسے صحیح ہوتا کہ آنحضرتؐ کے تمام آباؤ اجداد مسلمان تھے۔ ان میں کوئی مشرک و کافر نہ تھا۔ لہذا یہ امر اظہر من الشمس ہے کہ حضور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عبداللہ سے لے کر حضرت آدمؑ تک اپنے تمام آباء اجداد کی صلبی اولاد سے تھے۔ اس سے انکار کرنے والا قرآن کریم احادیث معصومینؑ کا بھی مخالف ہے۔ اور مسلمات علماء محققین اور عقل سلیم کی بھی مخالفت کرنیوالا ہے۔ (نعوذ باللہ من شرہ)

نیز حضور اکرمؐ کے شجرہ طیبہ کیلئے ملاحظہ ہو۔ بحار الانوار: ج ۱۵: ص ۱۰۷ طبع جدید تہران۔

رسول اللہ ابوالقاسم محمد و احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ۔ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن معد بن عدنان بن اد بن ادد بن الیسع بن الہمیسع بن سلامان بن

البنت بن حمل بن قیذار بن اسمعیل بن ابراہیم الخلیل بن تارخ بن ناخور بن شروغ بالشین المعجمہ والغین المعجمۃ بن ارغو بن فالغ بالغین المعجمہ فیھما بن عابر بفتح الباء والعین غیر المعجمہ ابن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن ملک بن متوشلخ بکسر اللام ابن اخنوخ بن الیارذ بالذال المعجمۃ ابن مہلائیل ابن قینان بن انوش بن شیث بن آدمؑ۔

جولوگ چہاردہ معصومین علیہم السلام کو اپنے آباء واجداد کی صلبی اولاد تسلیم نہیں کرتے وہ نہ صرف علماء ربانیین کی تحقیقات کی مخالفت کرتے ہیں ۔بلکہ وہ احادیث معصومین اور قرآن کریم کی مخالفت اور تکذیب کرتے ہیں۔کیونکہ بکثرت احادیث وآیات سے یہ مقصد ثابت ہے کہ یہ نفوس مقدسہ حضرت آدمؑ تک اپنے آباؤاجداد کی صلبی اولاد تھے۔ذیل میں چند نصوص کو سپردقلم کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو بحارالانوار: ج ۱۵ص ۱۰۸طبع جدید تہران ۔الدمعۃ الساکبہ: ج ا ص ۹۰ ۔امالی: ص ۴۵ ،۴۶ اور معانی الاخبار ص ۳۶۱ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث نقل کی ہے۔اور فرمایا:

"نزل جبرائیلؑ علی النبی فقال یامحمدؐ ان اللہ جلّ جلالہ یقرئك السلام ویقول: انی قدحرمت النارعلی صلب انزلك وبطن حملك وحجر کفلك فقال یاجبرائیلؑ بین لی قولك فقال اماالصلب الذی انزلك فعبداللّٰہ بن عبدالمطلبؑ واماالبطن الذی حملك فآمنۃؑ بنت وھب واماالحجرالذی کفلك فأبوطالب بن عبدالمطلبؑ وفاطمۃؑ بنت اسد"

کہ حضرت جبرئیلؑ امین نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں نازل ہوئے اور کہا اے محمدؐ! اللہ جل شانہٗ آپ کی ذات والاصفات پر سلام پڑھتا ہے۔اور کہتا ہے کہ میں نے اس صلب مبارک پر بھی جہنم کی آگ کو حرام کر دیا ہے جس نے آپکو نازل کیا۔اور اس بطن بابرکت پر بھی حرام کیا جس نے آپکو

اٹھایا۔اور اس باعظمت گود پر بھی حرام کردیا ہے جس نے آپ کی پرورش کی۔تو حضورؐ نے فرمایا کہ اے جبرئیل! اسکی وضاحت کردیجئے۔تو عرض کیا کہ جسکی صلب نے آپ کو نازل کیا ہے وہ حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب ہیں۔اور جس کے بطن نے آپ کو اٹھایا وہ حضرت بی بی آمنہ بنت وہب ہیں۔اور جس کی گود نے حضور کو پالا وہ حضرت ابوطالبؑ بن عبدالمطلبؑ اور حضرت بی بی فاطمہ بنت اسدؑ ہیں۔

اس حدیث میں نص ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ حضرت عبداللہؑ کی صلبی اولاد ہیں۔نیز یہ کہ حضرت عبداللہؑ بھی اسطرح حضرت عبدالمطلبؑ کے صلبی فرزند ہیں۔نیز حضرت ابوطالبؑ بھی حضرت عبدالمطلبؑ کی صلبی اولاد ہیں۔علاوہ ازیں یہ حدیث حضرت عبداللہؑ،حضرت بی بی آمنہؑ اور حضرت ابوطالبؑ سب کے مسلمان اور کامل الایمان ہونے کی بھی دلیل ہے۔کیونکہ اگر یہ العیاذ باللہ مسلمان نہ ہوتے جیسے کہ بعض معاندین کا زعم ناقص ہے تو پھر جہنم انکے لئے حرام نہ ہوتی۔

نیز ملاحظہ ہو بحار الانوار طبع جدید: ج۱۵:ص۱۰۸،۱۰۹۔معانی الاخبار اور علل الشرائع ہر دو کتابوں سے بروایت انس بن مالک ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت ابوذرؓ مسجد رسولؐ میں تشریف لائے اور کہا کہ میں نے جو کچھ آج رات کو دیکھا ہے ایسا میں نے کبھی نہیں دیکھا۔لوگوں نے دریافت کیا کہ تم نے کیا دیکھا ہے؟ کہا کہ میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ اپنے دروازے پر کھڑے تھے رات کا وقت تھا۔حضورؐ چل پڑے جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا دست مبارک پکڑا اور دونوں جنت البقیع کی طرف چل دیئے۔میں بھی برابر ان کے نقش قدم پر چلتا گیا۔تا آنکہ دونوں مقابر قریش کے پاس پہنچے تو حضورؐ اپنے والد ماجد حضرت عبداللہؑ کی قبر اقدس کی طرف مائل ہوگئے اور اس قبر کے پاس دو رکعت نماز پڑھی تو اچانک قبر شگافتہ ہوگئی۔اور میں نے دیکھا کہ حضرت عبداللہؑ بیٹھے ہوئے ہیں اور فرما رہے ہیں۔"اشهد ان لا اله الا اللّٰه وان محمدا عبده و رسوله"

تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا "من ولیك یا أبة" کہ ابا جان! آپ کا ولی کون ہے؟ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا: "ومن الولی یا بنی" کہ میرے پیارے فرزند! ولی کون ہے؟ تو حضرت سرورکائنات نے فرمایا "ھو ھذا علی" کہ یہ علی ولی ہیں۔ تو حضرت عبداللہ نے فرمایا۔ "وان علیاً ولی" کہ علی میرا ولی ہے۔ بعدازاں آنحضرت نے فرمایا کہ اب آپ اپنی جنت مآب قبر کی طرف تشریف لے جایئے۔

پھر حضور سرورکائنات ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر کیطرف تشریف لے گئے۔ وہاں بھی اسی طرح دو رکعت نماز پڑھی جس طرح اپنے پدر بزرگوار کی قبر کے پاس پڑھی تھی۔ اچانک انکی قبر بھی شگافتہ ہوگئی۔ تو آپ کی والدہ ماجدہ بھی یہی فرما رہی تھیں۔ "اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و انك نبی اللّٰہ و رسولہ" کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔ اور تو اے محمد مصطفیٰ اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول ہے۔

تو آنحضرت نے فرمایا۔ "من ولیك یا اماہ" کہ اماں جان آپ کا ولی کون ہے؟ تو بی بی آمنہ نے فرمایا کہ "ومن الولی یا بنی" کہ میرے پیارے فرزند ولی کون ہے؟ تو حضور نے فرمایا:

"ھو ھذا علی بن ابی طالبؑ" کہ یہ علی بن ابی طالبؑ ولی ہیں۔ تو بی بی پاکؑ نے اسکا عتراف کیا۔ تو حضور سرورکائنات نے فرمایا! کہ اب آپ اپنی جنت یعنی قبر مطہر کی طرف واپس تشریف لے جایئے۔

جب حضرت ابوذرؓ نے یہ واقعہ بیان کیا تو لوگوں نے ان کی تکذیب کی جھٹلایا اور گریباں پکڑ کر جناب رسول خداؐ کے پاس لے آئے۔ اور کہا کہ یارسول اللہؐ! آج سے ہی آپ کی ذات پر جھوٹ باندھ دیا گیا ہے۔ حضورؐ نے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے تو کہا کہ جندب نے آپؐ کے متعلق ایسا ایسا بیان کیا ہے۔ تو حضور سرورکائناتؐ نے

فرمایا۔ "ما أظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر" کہ اس نیلگوں آسمان نے کسی ایسے شخص پر سایہ نہیں کیا اور اس غبار آلود زمین نے کسی ایسے شخص کو اٹھایا نہیں جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ کا حضرت عبداللہؑ کو "یا ابة" کیساتھ خطاب کرنا اور حضرت عبداللہؑ کا انکو "یا بنی" کہہ کر خطاب کرنا یہ اس کی دلیل ہے کہ آنحضرتؐ حضرت عبداللہؑ کے صلبی فرزند تھے۔ نیز حضرت جناب رسالتمآب ﷺ کا حضرت امیرالمومنینؑ کے متعلق یہ فرمانا کہ: "هو هذا علی ابن ابی طالبؑ" یہ بھی اس کی دلیل ہے کہ جناب امیرالمومنینؑ حضرت ابوطالبؑ کے صلبی فرزند تھے۔

بحار الانوار: ج ۱۵: ص ۱۱۷ طبع جدید۔ کتاب عقائد شیخ ابی جعفر شیخ صدوقؒ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "قال الشیخ ابو جعفر رضی اللہ عنه اعتقادنا فی آباء النبیؐ انهم مسلمون من آدمؑ الی ابیه عبد اللهؑ وان اباطالبؑ كان مسلما و آمنةؑ بنت وهب بن عبدمناف امّ رسول الله كانت مسلمة ـ وقال النبیؐ خرجت من نكاح ولم أخرج من سفاح من لدن آدمؑ"

شیخ ابوجعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء و اجداد کے متعلق ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ وہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عبداللہؑ تک سب کے سب مسلمان تھے۔ اور حضرت ابوطالبؑ بھی مسلمان تھے۔ اور آنحضرت کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بھی مسلمان تھیں۔ آنحضرت ﷺ نے خود فرمایا کہ حضرت آدمؑ سے لے کر آخری آباؤاجداد تک ہمیشہ میں نکاح صحیح کے ذریعہ انتقال پذیر ہوتا رہا۔ کبھی "العیاذ باللہ" زنا کے ذریعہ "میرا کوئی باپ دادا" پیدا نہ ہوا۔

حضرت شیخ صدوقؒ کے کلام سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ حضرت

عبداللہ سے لے کر حضرت آدمؑ تک اپنے آباءواجداد کی صلبی اولاد تھے۔اور آنحضرت کی حدیث پاک میں بھی "من لدن آدمؑ" کے الفاظ سے یہی ثابت ہوتا ہے۔

بحارالانوار: ج ۱۵: ص ۱۱۷ طبع جدید میں تفسیر مجمع البیان: ج ۴: ص ۳۲۲ سے نقل کرتے ہیں: "صح عندهم ان آباء النبیؐ الی آدم کلهم کانوا موحدین اجمعت الطائفة علی ذلك ورووا عن النبیؐ قال لم یزل ینقلنی اللّٰه من اصلاب الطاهرین الی ارحام المطهرات حتی اخرجنی فی عالمکم هذالم یدنسنی بدنس الجاهلیته"

ہمارے علماء شیعہ اثنا عشریہ کے ہاں یہ صحیح اور مسلم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤاجداد حضرت آدمؑ تک سب کے سب موحد اور مسلمان تھے۔علماء کے طائفہ سب کا اس پر اجماع اور اتفاق ہے۔آنحضرتؐ سے انہوں نے حدیث روایت کی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا برابر ہر زمانے میں اللہ تعالٰی مجھے پاکیزہ اہل اسلام کی صلبوں سے پاکیزہ اور مسلمان مستورات کے رحموں کی طرف نقل کرتا رہا۔حتی کہ اس نے مجھے تمہارے اس زمانہ میں اس بلند مرتبہ شان سے پیدا کیا کہ زمانہ جاہلیت کی نجاست نے مجھے کبھی بھی مس نہ کیا تھا۔

توضیح

واضح رہے کہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے عموماً فطرت انسانی کا ضابطہ اس طرح جاری ہوا کہ ہر انسان کی پیدائش اپنے باپ کے نطفہ سے ہوتی ہے۔اور نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے۔مگر ساتھ ہی اس باپ کے اجزا بدن کو بھی دخل ہوتا ہے کہ جس کی صلب میں وہ نطفہ وجود پذیر ہوتا ہے۔اور اس طرح ہر انسان کی پیدائش میں اس کے تمام آباؤاجداد کو بھی دخل ہوتا ہے۔حتی کہ ابوالبشر حضرت آدمؑ کی صلب مبارک اور ان کے اجزا بدن کو سارے انسانوں کی پیدائش میں دخل ہوتا ہے۔لہذا جس نطفہ سے انسان پیدا ہوا وہ پہلے حضرت

آدمؑ کے صلب سے تعلق پذیر ہوا اور پھر اس کے دیگر اجداد کی اصلاب میں منتقل ہوتا ہوا اسکے باپ تک پہنچا۔ اور پھر باپ کی صلب سے موجودہ انسان پیدا ہوا۔

سیرت الٰہیہ اس طرح جاری ہے کہ صلب پدر سے رحم مادر کی طرف نطفہ انتقال پذیر ہوتا ہے۔ پھر ایک مدت تک رحم مادر میں نشوونما حاصل کرتا ہے۔ تا آنکہ بذریعہ ولادت بچہ ہونے کی حالت میں عالم دنیا میں قدم رکھتا ہے۔ پھر پہلے شیر مادر کے ذریعہ، پھر دوسری غذا کے ذریعہ پرورش پاتا ہے اور پروان چڑھتا جاتا ہے۔ تا آنکہ جب جوان ہوتا ہے تو غذا کی طاقت سے اس کے صلب میں نطفہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح جو انسان دنیا میں پیدا ہوا حضرت آدمؑ سے لے کر اسکے سارے آباؤاجداد کو اسکی پیدائش میں دخل ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لم یذل ینقلنی اللّٰہ من اصلاب الطاھرین الی ارحام المطھرات"

کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے پاکیزہ اشخاص کی صلبوں سے پاکیزہ عورتوں کے بطنوں کی طرف منتقل کرتا رہا۔

بحارالانوار: ج ۱۵: صفحہ ۱۱۵ طبع جدید میں مناقب ابن شہر آشوب سے نقل کیا ہے کہ:

"ان عبداللّٰہ کان فی جبینہ نوریتألأفلماقرب من حمل محمدؐ لم یطق احد روئیۃ ومامن بحجر ولاشجر الاسجدلہ وسلّم علیہ فنقل اللّٰہ من نورہ یوم عرفۃ وقت العصروکان یوم الجمعۃ ألی آمنہ"

کہ حضرت عبداللہ والد ماجد آنحضرت ﷺ کی پیشانی میں ایک نور چمکتا رہتا تھا۔ جبکہ آنحضرتؐ کے حمل کا زمانہ قریب آ پہنچا تو کوئی شخص حضرت عبداللہ کے چہرہ منور کی طرف دیکھ نہ سکتا تھا۔ اور آپ جس درخت یا پتھر سے گزرتے تھے وہی حضورؐ کے سامنے سجدہ کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بروز عرفہ اور وہ جمعہ کا دن تھا بوقت عصر اس نور کو حضرت بی بی آمنہؑ کے بطن مبارک کی طرف منتقل کیا۔

لفظ "نور" سے مراد نطفہ طیبہ و طاہرہ ہے جو صلب حضرت عبداللہؑ سے رحم حضرت

آمنہؑ کی طرف بروز مذکور انتقال پذیر ہوا۔ اس باعظمت و بابرکت نطفے کو نور سے تشبیہ دے کر لفظ ''نور'' کا نطفے کیلئے استعارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ نور کا لغوی حقیقی معنی ہے روشنی۔ اور روشنی کی یہ مشہور صفت ہے کہ وہ بذات خود ظاہر ہوتی ہے۔ اور دیگر اشیاء کیلئے مظہر اور ظاہر کرنے والی ہوتی ہے۔ اسلئے ہر اس شئی کیلئے لفظ ''نور'' کا استعارہ کیا جاتا ہے جو ظہور اشیاء کا باعث ہو۔ مثلاً علم کو نور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اسکے ذریعہ نامعلوم اشیاء کا انکشاف اور ظہور ہوتا ہے۔ قوت بینائی کو نور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اشیاء دیدنی کے ظاہر اور دکھائی دینے کے باعث ہوتی ہے۔ قرآن پاک اور دیگر کتب سماویہ کو بھی نور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حقائق و معارف کے ظہور اور وضاحت کا باعث ہوتی ہے۔ و علی ھذا القیاس۔ اس پاکیزہ اور طیبہ وطاہرہ نطفے کو بھی نور کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ جہالت وضلالت، کفر وشرک وغیرہ کے کافور ہو جانے اور ہدایت و رشد، علوم معارف اور ایمان وایقان وغیرہ کے ظہور پذیر ہونے کا باعث ہونے والا تھا۔ نیز تمام عالم دنیا کے کتم عدم سے منصۂ شہود پر ظہور پذیر ہونے کی علت غائیہ تھا۔ اسی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کو پیدا کیا۔ اور اسی کے باعث لوح وقلم، عرش و کرسی، شمس وقمر، بہشت بریں اور حور عین وغیرہ کو خلعت وجود بخشی۔

بہرحال ''نور'' کا استعارہ جہاں مختلف مقامات اور مختلف استعمالات کے باعث مختلف اشیاء کیلئے وارد ہوا ہے۔ وہاں اس باعظمت وذی شرف نطفے کیلئے بھی وارد ہوا ہے جو اصلاب طاہرین اور ارحام مطہرات میں انقلاب پذیر ہوتا ہوا۔ حضرت عبداللہؑ اور حضرت ابوطالبؑ کی صلب ہائے مبارکہ تک پہنچا۔ جس کے متعلق چند احادیث قبل ازیں گزر چکی ہیں۔ دیگر بعض کو ذیل میں سپرد قرطاس کیا جاتا ہے۔

بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۳ کتاب کنز جامع الفوائد سے منقول ہے: "عن ابی الجارود قال سالت ابا جعفر عن قوله عزوجل: ﴿وتقلبك في الساجدين﴾ قال

یری تقلبه فی اصلاب النبیین من نبی الی نبی حتی اخرجه من صلب ابیه من نکاح غیر سفاح من لدن آدمؑ"

ابوالجارود سے روایت ہے کہا کہ میں نے حضرت ابوجعفر امام محمد باقرؑ سے اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وتقلبك فی الساجدین﴾ کا معنی دریافت کیا تو فرمایا! کہ اس کا معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے انبیاء علیہم السلام کی صلبوں میں منقلب ہوتے کو دیکھتا رہا کہ حضورؐ کا نور" یعنی حضور کی تخلیق کا پاکیزہ نطفہ" ایک نبی کے صلب سے دوسرے نبی کی صلب کی طرف منتقل ہوتا رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو ان کے والد ماجد حضرت عبداللہؑ کی صلب مبارک سے پیدا کیا۔ اور یہ انتقال حضرت آدمؑ سے لیکر حضورؐ کے والد ماجد تک ہمیشہ زنا کے ذریعہ نہیں نکاح صحیح کے ذریعہ وقوع پذیر ہوتا رہا۔

نیز بحار الانوار: ج ۱۵: ص ۵ طبع جدید۔ الخصال: ص ۴۵۲ اور معانی الاخبار ہر دو کتابوں سے ایک طولانی حدیث نقل کی ہے۔ جو جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کا فرمان ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نور آنحضرت محمد مصطفیٰؐ کو آسمانوں، زمین، عرش، کرسی، لوح، قلم، جنت، جہنم کے پیدا کرنے اور آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ اسحاقؑ۔ یعقوب موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ داؤدؑ اور سلیمانؑ کے پیدا کرنے اور سب انبیاء اور ان سب ہستیوں کو پیدا کرنے سے چار لاکھ چوبیس ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں کیا ہے:

﴿ووهبنا له اسحاق ویعقوب الی قوله تعالیٰ وهدینا لهم الی صراط مستقیم﴾

اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے بارہ حجاب پیدا کیے۔ جناب امیر المومنینؑ نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے پھر ان بارہ حجابوں کی تفصیل بیان کی۔ اور ہر ہر حجاب میں نور محمدیؐ کے ہزاروں سال رہنے کا تذکرہ فرمایا۔ اور پھر فرمایا:

ثم اظهر اسمه علی اللوح فکان علی اللوح منور اربعة آلاف سنة ثم اظهره علی العرش فکان علی ساق العرش مثبتا سبعة آلاف سنة الی ان وضعه

فی صلب آدمؑ ثم نقله من صلب آدمؑ الی صلب نوحؑ ثم من صلب الی صلب حتی اخرجه اللّٰہ عزو جل من صلب عبد اللّٰہ بن عبد المطلبؑ"(انتھی بقدر الضرورۃ)

کہ پھر اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے اسم مبارک کو لوح محفوظ پر ظاہر کیا تو چار ہزار سال تک وہ لوح محفوظ پر منور رہا۔ پھر اسے اللہ تعالیٰ نے عرش پر ظاہر فرمایا تو سات ہزار سال تک وہ ساق عرش پر ثبت رہا۔ تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے نور مبارک کو حضرت آدمؑ کی صلب میں رکھ دیا۔ پھر اسے حضرت آدمؑ کی صلب سے حضرت نوحؑ کی صلب کی طرف منتقل کیا۔ پھر ایک صلب سے دوسرے صلب کی طرف یکے بعد دیگرے اسے اللہ تعالیٰ منتقل کرتا رہا۔ تا آنکہ خداوند عالم نے حضورؐ والا شان کو ان کے والد ماجد حضرت عبداللہ بن عبدالمطلبؑ کی صلب باعظمت سے" منتقل کر کے حضرت آمنہؑ کے بطن سے پیدا کیا۔

نیز بحار الانوار ج ۱۵: ص ۶۔ تفسیر فرات بن ابراہیم سے نقل کیا ہے کہ قبیصہ بن یزید جعفی کہتا ہے میں ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت کے پاس ابن ظبیان اور قاسم صیرفی بھی موجود تھے۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ اے فرزند رسولؐ! جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس نیلگوں شامیانے آسمان اور اس فرش خاکی زمین اور ظلمت و نور کو پیدا کیا تو ان کے پیدا کرنے سے پہلے آپ کہاں تھے؟ فرمایا کہ ان کے پیدا کرنے سے پہلے ہم عرش کے گرداگرد نورانی تصویروں کی ہیئت میں موجود تھے۔ حضرت آدمؑ کے پیدا کرنے سے پندرہ ہزار سال پہلے ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح بجالاتے تھے۔"فلما خلق اللّٰہ آدمؑ فرغنافی صلبه فلم یز ل ینقلنامن صلب طاھر الی رحم مطھر حتی بعث اللّٰہ محمداً۔ الخبر

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو ہمیں حضرت آدمؑ کے صلب مبارک میں جاگزین کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ مسلسل ہمیں طاہر و پاکیزہ صلب سے مطہر و پاک رحم کی طرف منتقل کرتا رہا۔ تا آنکہ حضور سرور کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا۔

نیز بحار الانوار: ج ۱۵: ص ۶، ۷، تفسیر فرات بن ابراہیم سے ہی نقل کیا ہے کہ آنحضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ کے پیدا کرنے سے بارہ ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک نور ہونے کی حالت میں پیدا کیا۔ جب میں عرش رب العلمین کے تحت میں تھا۔ "فلما خلق اللّٰہ آدمؑ القی النور فی صلب آدمؑ فاقبل ینتقل ذلک النور من صلب الی صلب حتی افترقنا فی صلب عبد اللّٰہؑ بن عبدالمطلبؑ و ابی طالبؑ فخلقنی اللّٰہ من ذلک النور ولکن لا نبی بعدی"

پھر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو اس نور کو حضرت آدمؑ کے صلب میں جاگزیں کیا۔ پھر یہ نور ایک صلب سے دوسری صلب کی طرف یکے بعد دیگرے منتقل ہونے لگا حتی کہ "صلب حضرت عبدالمطلبؑ کے بعد" حضرت عبداللہؑ بن عبدالمطلبؑ کی صلب اور حضرت ابوطالبؑ کی صلب کی طرف یہ ہمارا نور دو حصوں میں بٹ گیا۔ تو مجھے اللہ تعالیٰ نے اس نور سے پیدا کیا۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

نیز بحار الانوار: ج ۱۵: ص ۷ طبع جدید۔ علل الشرائع سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت نبی پاکؐ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ کو دنیا کے پیدا کرنے سے سات ہزار سال پہلے پیدا فرمایا۔ معاذ بن جبل راوی حدیث کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ آپ اس وقت کہاں تھے۔ فرمایا! عرش کے سامنے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد بجا لاتے اور اس کی تقدیس اور بزرگی کا اعتراف کرتے تھے۔ معاذ نے عرض کیا کہ حضورؐ آپ اس وقت کیس مثال پر تھے۔ تو فرمایا اس وقت ہم نورانی تصویروں کی ہیئت میں تھے۔ "حتی اذا اراد اللّٰہ ان یخلق صور ناصیر ناعمود نور ثم قذفنا فی صلب آدمؑ ثم اخرجنا الی اصلاب الآباء وارحام الامہات"

حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہماری جسمانی صورتوں کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو ہمیں ایک نورانی عمود بنایا اور پھر اسے حضرت آدمؑ کی صلب میں رکھ دیا۔ پھر ہمیں "صلب حضرت آدمؑ سے دیگر" آباء

اجداد کی صلبوں اور امہات وجدّات کے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کیا۔
مگر کبھی ہمیں نہ شرک کی نجاست لاحق ہوئی اور نہ کفر کو زناکاری عارض ہوئی۔
یعنی ہمارے آباؤ اجداد اور امہات و جدّات ہمیشہ مومن، صاحب اسلام اور متقی وعفت شعار رہے۔ کچھ قومیں ہمارے ذریعہ نیک بختی حاصل کرتی رہیں اور کچھ قومیں ہماری وجہ سے بدبختی کا شکار ہوتی رہیں۔

"فلماصیرناألی صلب عبد المطلبؑ أخرج ذلك النور فشقه نصفین فجعل نصفه فی عبد اللّٰہؑ ونصفه فی أبی طالبؑ ثم أخرج الذی لی الی آمنۃؑ ـ والنصف ألی فاطمة بنت اسدؑ ـ فاخرجنی آمنۃؑ واخرجت فاطمۃؑ علیاًؑ"

پھر جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عبدالمطلبؑ کے صلب تک پہنچایا۔ تو اس نور کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ نصف حصہ حضرت عبداللہ کی صلب میں رکھ دیا اور نصف دیگر حضرت ابوطالبؑ کی صلب میں ودیعت فرمایا۔ پھر جو میرے حصہ کا نور تھا اسے حضرت آمنہؑ کے رحم مبارکہ کی طرف منتقل کیا۔ اور نصف دیگر کو حضرت فاطمہؑ بنت اسد کے رحم کی طرف انتقال پذیر کیا۔ تو حضرت آمنہؑ نے مجھے جنا اور بی بی فاطمہ بنت اسدؑ نے علیؑ کو جنا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس نورانی عمود کو میری طرف لوٹا دیا۔ تو مجھ سے جناب حضرت فاطمہ زہراؑ پیدا ہوئیں۔ اور اسی عمود کو اللہ تعالیٰ نے علیؑ کی طرف لوٹا دیا تو ان سے حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے۔ یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ میرے اور علیؑ دونوں کے نور کے مجموعے سے پیدا ہوئے۔ پھر علیؑ کے حصے کا نور اولاد حضرت امام حسینؑ کی طرف منتقل ہوا۔

"وماکان من نوری صار فی ولدالحسینؑ فهو ینتقل فی الائمة من ولده ألی یوم القیٰمة" اور میرا نور امام حسینؑ کی طرف انتقال پذیر ہوا۔ لہذا وہ تا روز قیامت جناب امام حسینؑ کی اولاد میں جو امامت کے درجہ پر فائز ہوں گے ان میں منتقل ہوتا رہیگا۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام اپنے جداعلی حضرت آدمؑ اور دیگر اپنے تمام آباء واجداد کی صلبی اولاد ہیں۔اور "نور" جو حضرت آدمؑ کی صلب سے برابر انبیاء واوصیاء کی صلبوں سے میں منتقل ہوتا چلا آیا اس سے استعارۃ باکمال نطفہ مراد ہے۔کیونکہ نطفہ ہی اس نور کا حال تھا۔اور صلب پدر جس چیز کا ظرف ہوتی ہے اور جو چیز پھر صلب پدر سے انتقال پذیر ہوکر رحم مادر کی طرف چلی جاتی ہے وہ نطفہ ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض احادیث میں تصریح آ گئی کہ اس نطفہ کی پیدائش میں جنت کی غذا اور مشروب عرشی کو دخل ہوتا ہے۔احادیث مذکورہ کا سابقاً تذکرہ ہو چکا۔مزید احادیث جو انتقال صلبی پر دلالت کرتی ہے ان کے لیے ملاحظہ ہو۔

بحارالانوار: ج ۱۵: ص ۱۱ طبع جدید۔کتاب معانی الاخبار سے نقل کرتے ہیں:

"عن أبی ذررحمة الله علیه قال سمعت رسولؐ الله وهویقول خلقت اناوعلیؑ من نورواحد ۔ نسبح الله یمنة العرش قبل ان یخلق آدمؑ بالفی عام ۔فلماان خلق الله آدمؑ جعل ذلك النورفی صلبه ۔ ولقدسکن الجنة ونحن صلبه ولقدهم بالخطیئة ونحن فی صلبه ولقدرکب نوحؑ السفینة ونحن فی صلبه ولقدقذف ابراهیمؑ فی النارونحن فی صلبه فلم یزل ینقلناالله عزوجل من اصلاب طاهرة ألی ارحام طاهرة حتی انتهی بناألی عبدا لمطلب فقسمنابنصفین ۔ فجعلنی فی صلب عبدالله وجعل علیاً فی صلب أبی طالبؑ وجعل فیّ النبوة والبرکة وجعل فی علی الفصاحة والفردسیة ۔ وشق لنااسمین من اسمائه فذ والعرش محمود وانامحمدؐ والله الاعلی وهذا علیؑ"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولؐ خدا کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ! میں اور علیؑ ایک نور سے پیدا کیے گئے ہیں۔حضرت آدمؑ کے پیدا ہونے سے دو ہزار سال پہلے ہم

عرش بریں کی دائیں جانب اللہ تعالیٰ کی تسبیح بجالاتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اس نور کو اس کی صلب مبارک میں رکھ دیا۔ قسم بخدا حضرت آدمؑ جب جنت میں سکونت پذیر ہوئے تو ہم اس کی صلب میں تھے۔ اور جب اس نے ترک اولیٰ کا ارادہ کیا تو بھی ہم اس کی صلب میں تھے۔ اور بخدا حضرت نوحؑ جب کشتی پر سوار ہوئے تو ہم اس کی بھی صلب میں تھے۔ اور قسم بخدا حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تو ہم اس کی بھی صلب میں تھے۔ پھر مسلسل اللہ تعالیٰ ہمیں پاکیزہ اصلاب سے پاکیزہ رحموں کی طرف منتقل کرتا رہا۔ حتیٰ کہ ہمیں حضرت عبدالمطلبؑ تک پہنچایا۔ اور پھر ہم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مجھے حضرت عبداللہؑ کی صلب میں رکھا اور علیؑ کو حضرت ابوطالبؑ کی صلب میں رکھا۔ اور مجھ میں نبوت اور برکت رکھی اور علیؑ میں فصاحت اور شجاعت رکھی۔ اور اپنے ناموں میں سے ہمارے لیے دو نام مشتق کئے۔ اللہ جل شانہٗ کہ جو مالک عرش بریں ہے وہ محمود ہے اور میں محمدؐ ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ اعلیٰ اور یہ علیؑ ہیں۔

نورِ اوّل سے مراد

اس حدیث اور اس قسم کی دوسری احادیث میں جو "من نورٍ واحد" کے الفاظ میں لفظ نور وارد ہوا۔ اس سے بظاہر استعارۃً وہ مخلوق اول مراد ہے جو دیگر تمام اشیاء کے وجود پذیر ہونے کا ذریعہ اور واسطہ بنی۔ اسی کے اعلیٰ اور افضل اجزاء سے چہاردہ معصومینؑ کے ارواح مقدسہ پیدا ہوئے۔ اور اسی کے باعظمت اور شریف ترین اجزاء کو حضرت آدمؑ کے صلب مبارک میں رکھا گیا۔ جو بصورت نطفہ چہاردہ معصومینؑ کے آباؤ اجداد کے اصلاب طاہرہ اور ان کی امہات و جدّات کے ارحام مطہرہ کی طرف انتقال پذیر ہوتا رہا۔ تاآنکہ حضرت عبدالمطلبؑ تک پہنچ کر اس کے دو حصے ہوئے۔ ایک سے حضور سرور کائناتؐ وجود پذیر ہوئے اور دوسرے حصے سے جناب امیرالمومنین علیؑ کو خلعت وجود سے آراستہ کیا گیا۔ اور اسی مخلوق اوّل سے عرش، ملائکہ، آسمان، زمین، شمس و قمر، جنت اور حور عین کو پیدا کیا گیا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

بحارالانوار: ج ۱۵:ص ۱۰۔ کتاب جامع الفوائد سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور سرور کائناتؐ نے فرمایا! اللہ تعالیٰ نے مجھے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو حضرت آدمؑ کے پیدا کرنے سے پہلے اس وقت پیدا کیا جب نہ آسمان کا یہ شامیانہ تنا گیا تھا، نہ زمین کا فرش خاکی بچھایا گیا تھا، نہ اس وقت ظلمت تھی، نہ نور، نہ آفتاب تھا، نہ ماہتاب، نہ جنت تھی، نہ دوزخ تھی۔ حضرت عباسؓ عمؐ جناب رسالتمآبؐ عرض گذار ہوئے کہ یا رسولؐ اللہ تمہاری خلقت کی ابتدا کس طرح ہوئی۔ تو فرمایا چچا جان! جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو۔ "تکلم بکلمة خلق منها نورا ثم تکلم بکلمة اخری فخلق منها روحا ثم مزج النور بالروح فخلقنی و خلق علیاؑ و فاطمةؑ و الحسنؑ و الحسینؑ"

کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کلمہ بولا اس سے ایک نور پیدا کیا۔ پھر دوسرا کلمہ بولا اس سے ایک روح پیدا کی۔ فرمایا! پھر اس نور کو اس روح سے ملا دیا۔ پھر اس سے مجھے بھی اور علیؑ۔ فاطمہؑ۔ حسنؑ اور حسینؑ کو بھی پیدا فرمایا۔

ہم اس وقت اس کی تسبیح کیا کرتے تھے۔ جبکہ اور کوئی تسبیح کرنے والا نہ تھا۔ اور اس وقت اس کی تقدیس کا مظاہرہ کرتے تھے جبکہ اور کوئی تقدیس کرنے والا نہ تھا۔

"فلما اراد الله ان ینشئی خلقه فتق نوری فخلق منه العرش" کہ پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنی دیگر مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو میرے نور کو شگافتہ کیا تو اس سے عرش بریں کو پیدا کیا۔ لہذا عرش میرے نور سے ہے۔ اور میرا نور اللہ تعالیٰ کے ایک باعظمت نور سے ہے۔ لہٰذا میرا نور عرش سے افضل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے میرے برادر علی علیہ السلام کے نور کو شگافتہ کیا۔ "فخلق منه الملائکة" تو اس سے ملائکہ کو پیدا کر دیا۔ لہذا ملائکہ نور علیؑ سے پیدا ہوئے۔ اور نور علیؑ اللہ تعالیٰ کے اسی نور ذیشان سے پیدا ہوا۔ اسلئے علیؑ ملائکہ سے افضل ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میری دختر نیک ا

ختر فاطمہ زہراؑ کے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے آسمان اور زمین پیدا کر دیئے۔ لہذا آسمان اور زمین میری دختر فاطمہ زہراؑ کے نور سے پیدا ہوئے۔ اور فاطمہ زہراؑ کا نور اللہ کے اس عظیم الشان نور سے پیدا ہوا۔ لہذا میری دختر فاطمہ زہراؑ تمام آسمانوں اور زمین سے افضل ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے میرے فرزند امام حسن علیہ السلام کے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے آفتاب و ماہتاب کو پیدا فرمایا۔ لہذا آفتاب و ماہتاب میرے فرزند امام حسنؑ کے نور سے ہیں۔ اور نور حسنؑ اللہ جل شانہٗ کے اس بلند مرتبہ نور سے ہے۔ لہذا امام حسن علیہ السلام آفتاب اور ماہتاب سے افضل ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے فرزند امام حسین علیہ السلام کے نور کو شگافتہ کیا اور اس سے جنت اور حور عین کو پیدا فرمایا۔

لہذا جنت اور حور عین میرے فرزند امام حسین علیہ السلام کے نور سے ہیں۔ اور نور حسینؑ اللہ تعالیٰ کے اس رفیع الشان نور مذکور سے ہے۔ اسلئے میرا فرزند حسین علیہ السلام جنت سے بھی افضل ہے اور حور عین سے بھی افضل۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ نور اوّل جس سے اللہ تعالیٰ نے چہاردہ معصومین کے ارواح مبارکہ کو پیدا فرمایا۔ وہ ایک ایسی مخلوق تھی جس کا وہ حصہ جو جناب سیدہ خاتونؑ کی طرف منسوب ہوا۔ اس سے اللہ تعالیٰ نے زمین کی ایسی ٹھوس چیز کو بھی پیدا کیا۔ اور جو امام حسن علیہ السلام کی طرف منسوب ہوا۔ اس سے چاند کی ایسی چیز کو بھی پیدا کیا جو آج کی تحقیق کے مطابق مثل زمین ایک ٹھوس کرہ ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ اس باعظمت اور ذی شان مخلوق اوّل کو بطور استعارہ نور کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ تمام اشیاء کیلئے خلعت وجود سے آراستہ ہو کر ظہور پذیر ہونے کا سبب بنی۔ اسلئے اسے روشنی سے مظہر اشیاء ہونے کی صفت میں مشابہت حاصل تھی۔ نور کے لغوی حقیقی معنی کے اعتبار سے اسے نور نہیں کہا گیا۔ کیونکہ نور کے لغوی معنی ہے روشنی۔ اور روشنی ایک عرض ہے جو قائم بالغیر ہوتی ہے۔ مگر یہ مخلوق اول ایک باعظمت اور

عظیم الشان جوہر تھا جو کہ بذات خود قائم تھا۔لہذا اسے نور استعارةً اور بطور مجاز کہا گیا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے چہاردہ معصومین علیہم السلام کو عالم دنیا میں جسمانی حیثیت سے پیدا کرنے کا ارادہ کیا تو اسی مخلوق اوّل نور کے باعظمت اجزا کو صلب جناب حضرت آدم علیہ السلام میں ودیعت فرمایا۔ جیسا کہ گزشتہ احادیث سے ثابت ہے۔ اور ساتھ ہی ایک پاکیزہ اور بلند مرتبہ پانی حضرت آدمؑ کی صلب میں جاری کیا جس کے باعث اور نور مذکور کے باعث صلب حضرت آدمؑ میں پیدا ہونے والا نطفہ بلند پایہ کمالات کی استعداد کا حامل ہو گیا۔ اور مشیت ایزدی کے تحت اس خاص استعداد کا حامل نطفہ اپنے مقررہ اوقات میں اولاد حضرت آدمؑ میں سے مخصوص باعظمت افراد کی صلبوں کی طرف انتقال پذیر ہوتا رہا۔ تا آنکہ صلب حضرت عبداللہؑ سے جناب سرور کائناتؐ اور صلب حضرت ابو طالبؑ سے جناب امیر المومنینؑ پیدا ہوئے۔ اس عظیم الشان رفیع المرتبہ پانی کیلئے ملاحظہ ہو۔

بحار الانوار: ج ۱۵: ص ۱۳ طبع جدید۔ امالی شیخؒ سے بروایت انس بن مالک روایت نقل کی ہے۔ کہا کہ میں نے آنحضرت جناب رسول خداؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! علیٌّ اخوك؟ کیا علی بن ابی طالب علیہ السلام حضورؐ کے بھائی ہیں؟ تو فرمایا کہ ہاں علیؑ میرے بھائی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ! اس کی وضاحت فرمایئے کہ: کیف علیٌّ اخوك؟ علیؑ کس طرح حضورؐ کے بھائی ہیں۔ فرمایا:

"ان اللّٰہ خلق ماء تحت العرش قبل ان یخلق آدمؑ بثلاثۃ آلاف عام واسکنہ فی لؤلؤۃ خضراء فی غامض علمہ ألی أن خلق آدمؑ فلما خلق آدمؑ نقل ذلك الماء من اللؤلؤۃ فاجراہ فی صلب آدمؑ ألی ان قبضہ اللّٰہ ثم نقلہ ألی صلب شیثؑ فلم یزل ذلك الماء ینتقل من ظھر ألی ظھر حتی صار فی عبدالمطلبؑ ثم شقہ اللّٰہ عزوجل نصفین فصار نصفہ فی ابی عبداللّٰہؑ بن عبد المطلبؑ و نصفہ فی أبی

طالبؑ فانا من نصف الماء وعلیؑ من النصف الآخر فعلیؑ أخی فی الدنیا والآخرۃ ثم قرأرسول اللہؐ وھوالذی خلق من الماء بشرافجعلہ نسباوّ صھراو کان ربك قدیرا''

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے سے تین ہزار سال پہلے عرش کے نیچے ایک پانی پیدا کیا۔اور اس پانی کو ایک سبز موتی میں جاگزیں کردیا۔وہ اللہ تعالیٰ کے مخفی اور پوشیدہ علم میں رہا۔تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔جب خلاق عالم نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو اس پانی کو مذکورہ موتی سے منتقل کرکے حضرت آدمؑ کی صلب میں جاری کردیا۔وہ پانی حضرت آدمؑ کی صلب میں ہی رہا۔تا آنکہ ان کی وفات سے پہلے اس پانی کو حضرت شیثؑ کی صلب کی طرف منتقل کردیا۔پھر یہ پاکیزہ اور بلند پایہ پانی ایک صلب سے دوسرے صلب کی طرف منتقل ہوتا رہا۔حتی کہ وہ حضرت عبدالمطلبؑ کی صلب تک پہنچا۔پھر اسے اللہ تعالیٰ نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ایک حصہ میرے والد ماجد حضرت عبداللہؑ بن عبدالمطلبؑ کی صلب میں پہنچا۔اور دوسرا حصہ حضرت ابوطالبؑ کی صلب میں انتقال پذیر ہوا۔لہذا اس ایک پانی کے نصف حصہ سے میں پیدا ہوا اور اسی کے نصف دیگر سے علیؑ پیدا ہوئے۔لہذا علیؑ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی میرا بھائی ہے۔پھر جناب رسول خداؐ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی۔﴿وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا و کان ربك قدیرا﴾ کہ وہی تو خدا ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا۔اور پھر اسے ''خاندانی رشتہ''نسب'' کا بھی ذریعہ'' بنایا اور سسرال کے رشتہ کا بھی ذریعہ'' بنایا۔اور تیرا رب بے شک اس پر'' بھی اور دیگر ہر شے پر بھی'' قادر ہے۔

خلاصہ

خلاصہ کلام یہ ہے کہ چہاردہ معصومینؑ حضرت آدمؑ تک ازروئے آیات واحادیث معصومینؑ اپنے برگزیدہ اور عظیم المرتبہ آباؤاجداد کی صلبی اولاد ہیں۔ان کے ارواح مقدسہ عالم ارواح میں اس باعظمت مخلوق اوّل سے پیدا کئے گئے ہیں۔جسے احادیث مبارکہ میں استعارۃً نور سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔اور انکے اجسام مطہرہ اس عالم دنیا میں اپنے

آبا ؤاجداد کے ذی مشرف اور باکمال نطفہ سے پیدا کئے گئے۔ اوراس نطفہ کو بھی احادیث معصومینؑ میں بعض اوقات استعارۃً نور سے ہی تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر کم سوادلوگ نور کے لغوی معنی اور مجازی معنی میں فرق نہیں سمجھ سکتے۔ اس لیے جہاں لفظ نور کا استعمال ہو جائے وہیں وہ اسکا لغوی معنی مراد لے کراس پر لغوی معنی کے آثار مرتب کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس لیے وہ راہ راست سے بہک جاتے ہیں۔ حالانکہ آیت یا حدیث کے کسی لفظ کا معنی سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ انسان اس لفظ کا لغوی معنی بھی جانتا ہو۔ اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ سکتا ہو کہ لغوی معنی مراد بھی ہے یا نہیں۔ ہمیشہ قرائن حالیہ ومقالیہ اور لفظیہ ومعنویہ بتاتے ہیں کہ کون سے مقام پر کسی لفظ کا لغوی معنی مراد ہے اور کون سے مقام پر مراد نہیں ہے۔

لفظ نور کا مرادی معنی نہ سمجھ سکنے کے باعث ہی تو بعض لوگوں نے انبیاء اور آئمہؑ سے انسانیت کی نفی کر دی۔ بعض نے کہہ دیا کہ وہ اپنے آبا ؤاجداد کی صلبی اولاد نہیں۔ بعض نے ان کی نوع علیحدہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ اور بعض نے کہا کہ وہ نور نہیں ہو سکتے۔ بعض نے کہا انہیں کھانے، پینے، نکاح اور بیوی سے مقاربت وغیرہ کی احتیاج نہیں ہوتی۔ غرض یہ بھانت بھانت کی بولیاں محض اس وجہ سے رونما ہو گیئں کہ بعض آیات اور احادیث میں لفظ ''نور'' کا جو معنی مراد لیا گیا تھا۔ اس کے سمجھنے میں ان سے غلطی واقع ہوتی رہی۔ اور یہ بنیادی غلطی انکے لیے بے شمار آیات واحادیث کی مخالفت کا باعث ہوئی۔ اور وہ وادی ضلالت میں سرگرداں ہو کر رہ گئے۔ اسلئے ضرورت ہے کہ معنی نور کی بقدر ضرورت توضیح کر دی جائے۔ تاکہ حق پسند اشخاص کے لیے حقائق کا سمجھنا آسان ہو جائے۔

تحقیق در معنی نور

لغت عرب میں نور اس کیفیت کا نام ہے جو ظلمت اور تاریکی کی ضد ہے۔ اور وہ بذات خود ظاہر ہوتی ہے۔ اور دیگر اشیاء کے ظاہر ہونے کا باعث بنتی ہے۔ فریقین یعنی شیعہ سنی علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کتاب مجمع البحرین: ص ۲۹۰۔

"والنور كيفية ظاهرة مظهرة لغيرها" کہ نور وہ کیفیت ہے جو بذات خود ظاہر ہوتی ہے۔ اور دیگر اشیاء کو ظاہر کرنیوالی ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس کیفیت سے مراد روشنی ہے۔ پھر بعض علماء نے ضوء اور نور میں تھوڑا سا فرق بیان کیا ہے۔ کہا ہے کہ روشنی اگر تیز ہو تو اسے ضوء اور ہلکی ہو تو اسے نور۔ اور بعض نے ضوء اور نور دونوں کو ایک ہی چیز قرار دیا ہے۔ صاحب مجمع البیان نے پہلا مسلک اختیار کیا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں۔ "والضيا اقوى منه وأتم ولذلك اضيف الى الشمس" کہ ضیاء اور ضوء اس روشنی کو کہا جاتا ہے کہ جو نور سے زیادہ قوت رکھنے والی اور زیادہ کامل ہوتی ہے۔ اور اسی لیے ضیاء کو آفتاب کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ اور نور کو ماہتاب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿هو الذى جعل الشمس ضياء والقمر نورا﴾ کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس نے آفتاب کو ضوء "پاش" اور ماہتاب کو نور "افشاں" بنایا۔ (سورۃ یونس ۱۰۔ آیت نمبر ۵)

اور دوسرے مسلک کے مطابق صاحب مجمع البیان اپنی کتاب مذکور ص ۲۹۱ میں لکھتے ہیں۔

"النور الضياء وهو خلاف الظلمة" کہ نور ضیاء کا نام ہے۔ اور وہ ظلمت کے خلاف ہوتا ہے۔

حضرت علامہ شیخ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی تفسیر البیان: ج ۲: ص ۵ مسلک اوّل کی تائید فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

"والنور شعاع فيه ماينافي الظلام ونور الشمس لما كان اعظم الانوار سماه الله

ضیاء کما قیل للنار نار لما فیھا من الضیاء ولما کان نور القمر دون ذلک سماہ نوراً لان نور الشمس وضیاءھا یغلب علیہ" (انتھی بقدر الحاجۃ)

نور اس "روشن" شعاع کا نام ہے جس میں ایسا وصف پایا جاتا ہے جو کہ تاریکی کے خلاف ہوتا ہے۔ اور آفتاب کا نور چونکہ سب انوار سے زیادہ عظمت اور طاقت رکھنے والا ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ضیاء رکھا ہے۔ جس طرح کہ آگ کو نار اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی روشنی طاقتور ہوتی ہے۔ اور ماہتاب کی روشنی چونکہ آفتاب سے کم ہوتی ہے اسلئے خلاق عالم نے اس کا نام نور رکھا ہے۔ کیونکہ آفتاب کی روشنی نور ماہتاب پر غالب آجاتی ہے۔

حضرت علامہ شیخ ابو علی فضل بن حسن طبرسی علیہ الرحمۃ نے بھی اپنی تفسیر مجمع البیان: ج ۳: ص ۹۱ میں اسی مسلک کی تائید فرمائی ہے چنانچہ فرمایا۔

"والضیاء ابلغ فی کشف الظلمات من النور، فیہ صفۃ زائدۃ علی النور" کہ ضوء نور کی نسبت تاریکیوں کو دُور کرنے میں زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ اور اسمیں نور کی نسبت روشنی کا وصف زیادہ موجود ہوتا ہے۔

لغت کی مشہور کتاب **المنجد**: ص ۹۲۶ میں لکھا ہے۔ "النور الضوء ایا کان وھو خلاف الظلمہ وقیل النور کیفیۃ تدرکھا الباصرۃ اولا وبواسطتھا سائر المبصرات"

کہ نور روشنی کا نام ہے۔ خواہ وہ جس قسم کی ہو۔ "یعنی خواہ تیز روشنی ہو خواہ ہلکی۔ یہ دوسرے مسلک کے مطابق ہے۔ اور وہ نور تاریکی کے خلاف ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا کہ نور اس کیفیت کا نام ہے کہ قوت باصرہ جس کا سب سے پہلے ادراک کرتی ہے۔ اور پھر اس کے واسطہ سے دیگر ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو دیکھی جاتی ہیں۔

صاحب القاموس المحیط اپنی کتاب مذکور ج ۲: ص ۱۵۵ میں لکھتے ہیں۔

"النور بالضم الضوء ایا کان او شعاعہ" نور کہ جو ضم نون سے ہے روشنی کا نام ہے۔ خواہ جس قسم کی روشنی ہو یا اس کی شعاع کا نام ہے۔

علامہ فخر الدین رازی اپنی تفسیر مفاتیح الغیب مشہور بہ تفسیر کبیر: ج ۴:ص ۷ میں لکھتے ہیں۔

"وفی لفظ الظلمات والنورقولان الاول ان المرادمنهماالامران المحسوسان یحس البصرو والذی یقوی ذلك ان للفظ حقیقة فیهاوایضاهذان الامران اذاجعلامقرونین بذکرالسموات والارض فانه لایفهم منهماالاهاتان الکیفیتان المحسوستان"

"قول باری تعالیٰ ﴿وجعل الظلمات والنور﴾ کا مرادی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لفظ "الظلمات" اور "النور" کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ان سے مراد یہی دو امر ہیں۔ جو حس بصر یعنی بینائی'' کے ذریعے محسوس ہوتے ہیں۔ ''یعنی روشنی اور تاریکی''۔ اور جو دلیل اس قول کو قوی کرتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دونوں ''لفظ'' یعنی ظلمت اور نور'' ان معنوں میں حقیقت ہیں۔ کیونکہ لغت عرب میں یہ ان کیلئے ہی موضوع ہوتے ہیں۔ نیز دوسری یہ دلیل بھی اس قول کی قوت کا باعث ہے کہ نور اور ظلمت کے ذکر کو جب آسمانوں اور زمین کے ذکر سے ملا کر بیان کیا جائے۔ تو پھر یہی دونوں محسوس کیفیتیں ''یعنی روشنی اور تاریکی'' ہی سمجھی جاتی ہیں۔

علامہ فخر الدین رازی کے اس بیان سے واضح ہے کہ نور کا لغوی معنی روشنی ہے۔ جو ظلمت اور تاریکی کی ضد ہے۔ کیونکہ یہ دونوں محسوس کیفیتیں ہیں جو بیک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

پھر علامہ موصوف اسی کتاب کے ص ۸ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان النورعبارة عن تلك الکیفیة الکاملة القویة" کہ نور سے یہی کیفیت مراد ہے جبکہ وہ کامل اور زوردار ہو۔

اس عبارت میں بھی علامہ موصوف نے نور کو کیفیت سے ہی تعبیر کیا ہے۔ نیز علامہ موصوف اسی کتاب کی ج ۴: ص ۹۰ پر لکھتے ہیں: "النورله صفتان احداهماکونه فی نفسه ظاهراجلیا والثانیة کونه بحیث یکون سبباللظهورغیره"

کہ نور کی دو صفتیں ہوتی ہیں۔ ایک ان میں سے اسکا بذات خود ظاہر اور واضح ہوتا ہے۔ اور دوسری صفت اس کا اس حیثیت سے ہوتا ہے کہ جس کے لحاظ سے وہ دیگر اشیاء کے ظاہر ہونے کا سبب بنتا ہے۔

نیز علامہ موصوف اسی کتاب کی ج ۴: ص ۵۳۹ پر لکھتے ہیں۔ "اعلم ان النور کیفیة قابلة للاشد والاضعف" جاننا چاہئے کہ نور ایسی کیفیت ہے جو شدت اور ضعف کو قبول کرتی ہے۔ اور اس کے بعض افراد اشد اور بعض اضعف ہو سکتے ہیں۔

پھر چند سطور کے بعد لکھتے ہیں۔ "فکمال هذه الكيفية المسماة بالضوء علی مایحس فی جرم الشمس" کہ اس کیفیت کا کمال کہ جس کا نام ضوء رکھا گیا ہے۔ اس حیثیت پر متحقق ہوتا ہے جسے آفتاب کے جرم میں محسوس کیا جاتا ہے۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں۔ " اختلف الناس فی ان الشعاع الفائض من الشمس هل هو جسم اوعرض والحق انه عرض وهو كيفية مخصوصة " کہ لوگوں میں اختلاف ہے کہ آفتاب سے جو شعاع نکلتی ہے۔ آیا وہ جسم اور جوہر ہے یا وہ عرض ہے۔ اور حق یہ ہے کہ وہ عرض ہے "جسم نہیں" وہ ایک مخصوص کیفیت ہے۔

علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین قمی نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن در غائب الفرقان مشہور بہ تفسیر نیشاپوری: مطبوعہ برحاشیہ تفسیر ابن جریر ج ۷: ص ۶ ۷ طبع مصر میں آیت مبارکہ ﴿جعل الظلمات والنور﴾ (سورۃ الانعام ۶۔ آیت نمبر۱) کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "والظلمة والنور ههنا الامران المحسوسان بالبصرلان الاصل فی الاطلاق الحقيقة والقرينته ذكرالسموات والارض"

کہ ظلمت اور نور سے مراد یہاں یہی دونوں امر روشنی اور تاریکی ہیں جو کہ نگاہ کے ذریعہ محسوس ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر لفظ کے استعمال میں اصل حقیقت ہوتی ہے۔ اور نور و ظلمت کے حقیقی معنے کہ جن کے لئے یہ دونوں لغت عرب میں موضوع ہوتے ہیں وہ روشنی اور تاریکی ہی ہے۔ اور اس معنی کے مراد ہونے کا قرینہ بھی موجود ہے۔ اور وہ ہے آسمانوں اور زمین کا تذکرہ۔

چند سطروں کے بعد لفظ ظلمات کو جمع اور نور کو مفرد لانے کی وجہ بیان کرتے ہیں۔

"ووحد النور لان النور عبارة عن تلك الكيفية الكاملة القوية۔(انتهى بقدر الحاجة)

"کہ نور کو مفرد کے صیغہ سے اس لئے لایا گیا ہے کہ نور سے مراد وہی زوردار اور کامل کیفیت ہے۔

نتیجہ

علماء فریقین کے مندرجہ بالا کلام سے یہ نتیجہ بخوبی حاصل ہے کہ لفظ "نور" اپنے لغوی معنی کے لحاظ سے ایک کیفیت ہے۔ لہذا وہ عرض ہے جوہر نہیں۔ نیز یہ امر بھی اس سے واضح ہو گیا کہ یہ کیفیت جسکا نام نور ہے۔ اس کا ایک مشہور وصف ہے اور وہ یہ کہ وہ بذات خود ظاہر ہوتا ہے۔ اور دیگر اشیاء کو ظاہر کرنیوالا ہوتا ہے۔ لہذا جب لفظ نور سے مراد یہ عرضی معنی نہ ہو تو پھر اس کا حقیقی لغوی معنی نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہوگا۔

مخلوق اول پر نور کا اطلاق مجازاً ہے

مخلوق اوّل چونکہ عرض نہیں ہوسکتا بلکہ وہ ایک باعظمت اور بابرکت جوہر ہوسکتا ہے۔ لہذا مخلوق اوّل پر نور کا اطلاق از روئے علم بلاغت حقیقت نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ مجاز ہے۔ علماء علم بلاغت اسے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔ اور مخلوق اوّل عرض اسلئے نہیں ہوسکتا کہ عرض علم حکمت کی رو سے اس مخلوق کو کہا جاتا ہے جو خارج میں کسی موضوع سے قائم ہوتا ہے۔ اور اسکے سہارے موجود ہوسکتا ہے۔ بلا احتیاج موضوع وہ موجود نہیں ہوسکتا۔ جو مخلوق خدا خارج میں بلا احتیاج موضوع موجود ہو۔ اسے علماء حکمت کے ہاں جوہر کہا جاتا ہے۔ اور مخلوق اوّل چونکہ خارج میں بغیر احتیاج موضوع کے مستقل طور پر موجود ہونے والی شے ہے۔ اسلئے وہ جوہر کہلائے گی۔ اسے عرض نہیں کہا جاسکتا اور جب واضح ہو چکا کہ نور کا حقیقی

معنی ایسا عرض ہے جو مقولہ کیف میں سے ہے۔ اور مخلوق اوّل عرض نہیں جوہر ہے۔ تو معلوم ہوا مخلوق اوّل پر نور کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے۔

مخلوق اوّل پر اطلاق نور کی توجیہات

مخلوق اوّل کو جو منجانب اللہ نور کہا گیا۔ اور توضیح ہو چکی کہ یہ اطلاق از روئے مجاز ہے۔ تو اب معلوم ہونا چاہئے کہ اس مجازیت کی متعدد توجیہات ہو سکتی ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ مخلوق اوّل نہایت روشن اور نورانی تھا۔ اسلئے مبالغۃً اسے نور کہا گیا ہے۔ اور ایسا استعمال کلام عرب میں بھی اور دیگر زبانوں میں بھی ہوتا رہتا ہے۔ مثلاً وہ کہتے ہیں "زید عدل" کہ زید تو بس عدل و انصاف ہے۔ اور یہ اسی وقت کہتے ہیں جبکہ وہ شخص یعنی زید وصف عدل و انصاف سے انتہائی طور پر متصف ہو۔

دوسرے یہ کہ وہ مخلوق اوّل چونکہ روشنی اور نور کا محل تھا کیونکہ وہ روشنی سے متصف تھا۔ لہٰذا حال اور محل کے رابطہ اور علاقہ کے قائم ہونے کے باعث جو لفظ حال کیلئے موضوع تھا۔ مجاز مرسل کے طور پر اس کا اطلاق محل پر کر دیا گیا اور محل کو ہی نور کہہ دیا گیا۔

تیسرے یہ کہ اس مخلوق اوّل سے چونکہ ساری مخلوقات پیدا ہونے والی تھی۔ جیسے کہ بعض احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ساری مخلوقات کا اصل وہی مخلوق اوّل ہے۔ زمین، آسمان، آفتاب، ماہتاب وغیرہ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے انوار سے پیدا ہوئے۔ چنانچہ سابقاً حدیث بیان ہو چکی ہے اور محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے انوار مبارکہ اور ارواح مقدسہ کو اس باعظمت مخلوق اوّل سے پیدا کیا گیا۔ لہٰذا یہ مخلوق اوّل دیگر تمام اشیاء کے وجود اور ظہور کا باعث ہوا۔ لہٰذا اس وصف میں نور بمعنی روشنی سے مشابہت رکھتا تھا۔ اسلئے استعارۃً اسے نور کہا گیا۔

چوتھے یہ کہ اس بابرکت مخلوق اوّل سے چہاردہ معصومین علیہم السلام کے انوار

مقدسہ کو پیدا کیا جاتا تھا اور انکے ذریعہ تمام عالمین میں علوم و معارف کی روشنی پھیلنا تھی۔ اور علم و معرفت کیلئے نور کا استعارہ ایک امر مشہور ہے۔ لہٰذا مخلوق اوّل کو بھی نور کہا گیا۔ کیونکہ یہ انوار کے بھی ظہور کا باعث تھا۔ گویا اسے نور الانوار کا مرتبہ حاصل تھا۔

چہاردہ معصومین علیہم السلام پر اطلاق نور کی توجیہات

سابقاً وضاحت ہو چکی کہ لفظ ''نور'' کا لغوی معنی کہ جو علماء بلاغت کی اصطلاح میں اسکا حقیقی معنی کہلاتا ہے وہ ہے روشنی کہ جو مقولہ کیف میں سے عرض کی ایک قسم ہے۔ کیونکہ وہ اس کیفیت کا نام ہے جوازخود ظاہر اور دیگر اشیاء کے ظاہر ہونے کا سبب ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس معنی کے اعتبار سے معصومین علیہم السلام کو نور کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روشنی یعنی مذکورہ کیفیت اعراض میں سے ایک عرض ہے اور معصومین علیہم السلام تمام جواہر کے سردار اور سب سے زیادہ عظمت اور شرف کے مالک جوہر کا مصداق ہیں۔ یہ وہ جواہر مقدسہ ہیں کہ اگر وہ عالم ہستی کو مشرف نہ کرتے تو کوئی شے وجود پذیر نہ ہوتی نہ کوئی جوہر پیدا ہوتا، نہ عرض۔ اور عرض اور جوہر میں باہم تباین ہے۔ لہٰذا ان کا مصداق جوہر ہونا یعنی جوہر کی تعریف کا ان ذوات مقدسہ پر صادق آنا اس کی دلیل ہے کہ وہ عرض نہیں۔

نیز یہ کہ روشنی ایک بے شعور چیز ہے۔ وہ عقل وفہم سے عاری شے ہے۔ وہ علم و معرفت سے متصف نہیں ہو سکتی۔ وہ حواس خمسہ ظاہرہ و مشاعرہ باطنہ رکھنے والی نہیں۔ نہ وہ کوئی چیز دیکھ سکتی ہے اور نہ وہ کوئی چیز کھا سکتی ہے اور نہ پی سکتی ہے، نہ اسے بھوک لگے نہ پیاس، نہ اسے دکھ لاحق ہو نہ درد، نہ اسے غم لاحق ہو نہ خوشی، نہ اسے تیر و تلوار کوئی تکلیف پہنچا سکتے ہیں نہ نیزہ اور بندوق وغیرہ اسے کوئی ضرر پہنچا سکتے ہیں۔ مگر معصومینؑ ان تمام اوصاف سے متصف تھے۔ عقل وفہم اور علم و معرفت بھی انکی سب سے زیادہ اور انکے حواس ظاہرہ

وباطنہ کی طاقتیں بھی تمام انسانوں سے زائد تھیں۔انہیں بھوک پیاس بھی لاحق ہوتی تھی۔ لہٰذا وہ کھاتے بھی تھے، پیتے بھی تھے، دکھ درد کی تکلیف بھی انہیں لاحق ہوتی تھی، تیزہ، تلوار اور تیر وغیرہ سے وہ زخم خوردہ اور تکلیف زدہ بھی ہوتے تھے۔غم وخوشی وغیرہ عوارض بھی انکو لاحق ہوتے تھے۔لہٰذا انکو نور بایں معنی کہنا درست نہیں ہوسکتا کہ بس وہ روشنی ہی تھے اور بس۔اسلئے یہاں بھی انکے حق میں لفظ نور کا استعمال ہوا تو وہاں نور سے مراد نور کا یہ لغوی معنی یعنی روشنی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ انکے حق میں نور کا استعمال بہرحال عناوین مجاز میں سے کسی عنوان کے لحاظ سے ہی ہوسکتا ہے۔چنانچہ حدیث لوح جناب سیدہ خاتون صلوات اللہ علیہا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کیلئے لفظ بطور استعارہ واقع ہوا ہے۔

ملاحظہ ہو۔اصول الکافی: ج ۲: ص ۶۰۷۔ومراۃ العقول: ج ۱: ص ۴۳۴

"فقال جابر فاشهد بالله انی هكم ارايته فی اللوح مكتوبا۔ بسم الله الرحمٰن الرحيم هذا كتاب من الله العزيز الحكيم ﴿لمحمدؐ نبيه و نوره﴾ (انتهى بقدر الحاجة)

حضرت جناب امام حسین علیہ السلام کی ولادت کے موقع پر حضرت جابر بن عبداللہ انصاری جناب سیدہ خاتونؑ کی خدمت میں مبارکبادی کیلئے حاضر ہوئے تھے۔توانہوں نے دیکھا تھا کہ جناب سیدہ خاتون کے پاس ایک زبرجد کی لوح "تختی" تھی۔جس پر ایک نورانی تحریر تھی۔حضرت جابر نے اس لوح کے متعلق استفسار کیا تھا تو جناب سیدہؑ نے فرمایا تھا۔یہ وہ لوح ہے جو اللہ تعالیٰ نے جناب رسولؐ خدا کیلئے ہدیہ بھیجی ہے۔اس میں میرے والد ماجد رسول خداؐ، میرے شوہر جناب امیرؑ، میرے ہر دو فرزندان امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے اور میری اولاد میں سے جو دیگر اوصیاء ہوں گے انکے نام لکھے ہوئے ہیں۔

حضرت جابر نے اس لوح کی پوری تحریر نقل کرلی تھی۔پھر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے حضرت جابر سے اس لوح کے متعلق سوال کیا تھا۔تو حضرت جابر نے وہ تحریر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو دکھانے کیلئے نکالی تھی۔اسے دیکھنے سے قبل حضرت امام محمد

باقرؑ نے حضرت جابر سے فرمایا! کہ آپ اپنی تحریر کو دیکھتے رہئے اور میں پڑھتا ہوں۔ چنانچہ امام عالی مقام نے اس تحریر کو دیکھے بغیر پڑھنا شروع کیا تو حضرت امام محمد باقرؑ نے وہ پوری تحریر پڑھ دی اور ایک حرف کا بھی فرق نہ آیا۔ تو اسکے بعد حضرت جابر نے جو کچھ کہا وہ الفاظ مذکورہ بالا اقتباس میں نقل کئے گئے ہیں جن کا ترجمہ یہ ہے۔

تو فوراً جابر نے کہا کہ میں خداوند عالم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے اس تحریر کو اس لوح میں لکھا ہوا دیکھا تھا جو جناب سیدہ کے پاس تھی۔ اور اس کی ابتداء اس طرح سے چلتی تھی۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" یہ ایک تحریر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہ جو عزیز حکیم ہے محمد مصطفےٰؐ کی طرف بھیجی گئی ہے جو اس کا نبی ہے اور اسکا نور ہے۔

لفظ "نـــــــــورہ" کی شرح میں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کتاب مرآۃ العقول: ج۱:ص۴۴۴ میں تحریر کرتے ہیں۔ نورہ۔ "الـنـور الـظـاهـر بـنـفـسـه الـذی يـصـيـر لـظـهـور الاشياء ۔ والانبياء والائمة انوار اللّٰه لانهم سبب لظهور العلوم والمعارف على الخلق بل لوجود عالم الكون" (انتهى بقدر الحاجة)

کہ نور یعنی روشنی بذات خود ظاہر ہوتی ہے اور دیگر اشیاء کے ظہور کا باعث ہوتی ہے۔ اور انبیاء اور آئمہ علیہم السلام اس واسطے اللہ تعالیٰ کے انوار ہیں کہ وہ مخلوق خدا پر علوم اور معارف کے ظاہر ہونے کا سبب ہیں۔ بلکہ وہ اسلئے بھی انوار خدا ہیں کہ وہ عالم کون و مکان کے وجود کا سبب ہیں اور اسکی علت غائیہ ہیں۔

علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمۃ کے اس فرمان کا ماحصل یہ ہے کہ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کیلئے لفظ نور کا استعارہ دو وجہوں سے ہوسکتا ہے۔ ایک تو اسلئے کہ وہ مخلوق خدا پر علوم و معارف کے ظاہر ہونیکا سبب ہیں۔ کیونکہ جس شخص کو جو علم اور معرفت حاصل ہوئی وہ انکے ہی طفیل سے ہوئی۔ لہٰذا انکو اس معنیٰ میں روشنی سے تشبیہ حاصل ہے۔ کیونکہ جس طرح روشنی تمام اشیاء کے ظاہر ہونے کا باعث ہوتی ہے اسی طرح علوم و معارف کے ظاہر ہونے

کا سبب انبیاء ورآئمہؑ ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس تشبیہ کے علاقہ اور ربط کے باعث جو لفظ روشنی کیلئے وضع ہوا تھا یعنی نور اسکا انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کیلئے استعارہ کیا گیا۔

دوسرے یہ کہ چہاردہ معصومینؑ عالم کون ومکان کے وجود کی علت غائیہ ہیں ۔انکی وجہ سے ہر شئے پردہ عدم سے باہر آئی اور وجود سے آراستہ ہو کر ظہور پذیر ہوئی۔ لہٰذا انکو ہر شئے کے وجود اور ظہور کا سبب ہونے میں روشنی سے مشابہت حاصل ہے۔ اسلئے لفظ نور کہ جو روشنی کیلئے موضوع تھا اسکا چہاردہ معصومینؑ کیلئے استعارہ کیا گیا۔

نبی اور امام علوم ومعارف حقہ کے ہادی اور رہبر ہوتے ہیں۔ صراط مستقیم اور راہ حق کی وضاحت اور ہدایت انکا شان امتیازی ہوتا ہے۔ اسلئے انکو روشنی کے ساتھ واضح طور پر تشبیہ حاصل ہوتی ہے۔ لہٰذا انکے لئے لفظ نور کا استعارہ آیات واحادیث میں کثرت سے وارد ہوا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

پ ۲۸:۔ ﴿فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ وَالنُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا﴾

کہ اللہ تعالیٰ، اسکے رسول پر اور اس نور پر ایمان لائے جو ہم نے نازل کیا۔
(سورۃ التغابن ۶۴۔ آیت نمبر ۸)

تفسیر صافی: ص ۴۵۳ بحوالہ تفسیر قمی۔ "النور امیر المومنین" آیت مندرجہ بالا میں نور سے مراد امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ اور بحوالہ کافی شریف حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: "النور هو الامام" کہ آیت مذکورہ میں نور سے مراد امام حق ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا: "النور والله الائمه" کہ قسم بخدا اس آیت میں نور سے مراد آئمہؑ ہیں کہ جو آل رسول مقبولؐ ہیں۔

تفسیر البرہان: ج ۲: ص ۱۱۲۰ تفسیر قمی کے حوالہ مذکور کے بعد کافی شریف سے

مختلف طریق کیساتھ ابو خالد قابلی کی روایت نقل کی ہے کہ: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ ﴿فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا﴾ کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: "یاابا خالد النور واللہ الائمۃ من آل محمدؐ الی یوم القیمۃ وھم واللہ نور اللہ الذی انزل وھم واللہ نور اللہ فی السموات و الارض و اللہ یاابا خالد للنور الامام فی قلوب المومنین انور من الشمس المضیئۃ بالنہار وھم واللہ ینورون قلوب المومنین ویحجب اللہ نورھم عمن یشاء فتظلم قلوبھم (انتھی بقدر الحاجۃ)

کہ اے ابو خالد اقسم بخدا اس آیت میں نور سے مراد وہ آئمہ علیہم السلام ہیں۔ جو آلِ محمدؐ ہیں۔ اور تا روز قیامت رہیں گے۔ وہی بخدا اللہ کا نور ہیں جو نازل کیا گیا۔ اور وہی خدا کی قسم آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی نور خدا ہیں۔ نور امام بیشک مومنین کے دلوں میں اس آفتاب عالمتاب سے بھی زیادہ نورانی ہوتا ہے۔ جو دن میں ضوء افشانی کرتا ہے۔ آئمہ خدا کی قسم مومنین کے دلوں کو منور کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے ان کے نور کو روکنا چاہے روک لیتا ہے تو انکے دل تاریک ہو جاتے ہیں۔

حدیث ہذا کے لئے ملاحظہ ہو اصول الکافی طبع جدید طہران: ج ۱: ص ۳۷۱۔۳۷۲ باب "ان الائمۃ نور اللہ عزوجل" "مراۃ العقول شرح اصول الکافی: ج ۱: ص ۱۴۷۔۱۴۸۔ صاحب مراۃ العقول حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں: "والنور الذی انزلنا" مفسرین کے ہاں مشہور یہ ہے۔ "ان المراد بالنور ھنا القرآن" کہ اس مقام پر نور سے مراد قرآن ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں حق تک پہنچا دینے والے جو دلائل موجود ہیں انکی وجہ سے قرآن کا نام نور رکھا گیا ہے۔ "فشبہ بالنور الذی یھتدی بہ الی الطریق" کیونکہ قرآن کو اس نور کے ساتھ تشبیہ دی گئی کہ جس کے ذریعہ رستے کی طرف رہبری حاصل کی جاتی ہے۔

حضرت مجلسیؒ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک کو نور کے ساتھ تشبیہ دے کر

قرآن کیلئے نور کا استعارہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ جسطرح نور رستے وغیرہ کو روشن اور ظاہر کر دیتا ہے اسی طرح قرآن اپنے دلائل و براہین کے ذریعہ صراط مستقیم اور معارف حقہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس کے بعد علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں:

"واقول لما كان النور فی الاصل مایصیر سبباالظهور شئی فسمی الوجود نورلانه یصیر سببا لظهور الاشیاء فی الخارج والعلم نورالانه سبب لظهورالاشیاء عندالعقل وکل کمال نورالانه یصیر سببا لظهور صاحبه ۔ وانوارالنیرین والکواکب نورالکونهااسبابالظهورالاجسام وصفاتها للحس وبهذه الوجوه یطلق علی الرب تعالیٰ النورونورالانوارلانه منبع کل وجودوعلم وکمال۔ فاطلاقه علی الانبیاء والائمةؑ لانهم اسباب لهدایة الخلق وعلمهم وکمالهم۔ بل وجودهم لانهم العلل الغائیة لوجودجمیع الاشیاء"(انتهی بقدر الحاجة)

"فرماتے ہیں" میرا قول تو یہ ہے کہ نور اصل میں ہر وہ چیز ہوتی ہے جو کسی شے کے ظہور کا سبب ہو۔ لہٰذا وجود کا نام بھی نور رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ خارج میں اشیاء کے ظہور کا سبب بنتا ہے۔ اور علم کو بھی نور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ عقل میں اشیاء کے ظاہر ہونے کا باعث ہوتا ہے اور ہر کمال کو نور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ صاحب کمال کے ظہور اور اس کی شہرت کا سبب ہوتا ہے اور آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے انوار کو بھی نور کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ حسی طور پر اجسام اور انکے صفات کے ظاہر ہونے کا سبب ہوتے ہیں۔

"پھر فرماتے ہیں" ان ہی وجوہ کے اعتبار سے ذات خداوند عالم اللہ جل شانہٗ پر نور کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور نور الانوار کا بھی اس رب جلیل کی ذات پاک پر اطلاق ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ہی ہر وجود، ہر علم اور ہر کمال کا منبع ہے۔ اور انبیاء اور آئمہ علیہم السلام پر نور کا اطلاق اسلئے ہوتا ہے کہ وہ ذوات قدسیہ مخلوق خدا کی ہدایت، انکے علم اور انکے کمال کا سبب ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہی مخلوق خدا کے ہادی رہنما اور معلم علوم ربانیہ ہوتے ہیں جو انہیں ہر پستی سے نکال کر عروج کمال تک پہنچاتے ہیں۔ بلکہ وہ ساری مخلوق کے وجود کی علت غائیہ ہیں۔ ان ہی کے وجود ذی جود کے تصدق اللہ تعالیٰ نے ہر موجود کو خلعت وجود سے آراستہ فرمایا ہے۔

تبصرہ بر کلام مجلسیؒ

حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے اس کلام میں دیگر علماء کے بیان سے تھوڑا سا اختلاف ہے۔ کیونکہ دیگر علماء کرام نے نور کی اصل وضع روشنی کیلئے قرار دی ہے جو کہ اعراض میں سے ایک عرض ہے۔ کیونکہ وہ ایک کیفیت خاصہ کا نام ہے۔ جیسا کہ سابقاً کتاب مجمع البحرین تفسیر مجمع البیان۔ تفسیر البیان اور المنجد وغیرہ کتب کے حوالہ جات کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ مگر علامہ مجلسیؒ نے نور کو اصل کے لحاظ سے ایک ایسے معنی کیلئے قرار دیا ہے جو ان تمام چیزوں کے درمیان مشترک ہے۔ جن کیلئے نور کا استعمال ہوتا رہتا ہے۔ کیونکہ علامہؒ نے کہا ہے کہ "النور فی الاصل مایصیر سبباالظھور شئی "یعنی نور اصل میں وہ چیز ہے جو کسی شئے کے ظاہر ہونے کا سبب بنے۔

لیکن بظاہر علماء مذکورین کا مسلک علامہ مجلسیؒ کی نسبت راجح ہے کیونکہ لفظ "نور" کو جب کوئی شخص بولتا ہے تو اس سے جو معنی متبادر الی الذہن ہوتا ہے یعنی فوری طور پر جو معنی سمجھ میں آتا ہے وہ ہے روشنی۔ اور علماء کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ تبادرِ ذہنی علامت حقیقت ہوتی ہے۔ یعنی جو معنی کسی لفظ سے فوری طور پر بلا احتیاج قرینہ سمجھ میں آتا ہے وہی اصل لغت میں اس کا موضوع لہٗ ہوتا ہے۔ اور اسی معنی کیلئے اس لفظ کا استعمال ہونا علماء بلاغت کے نزدیک حقیقت کہلاتا ہے۔ مگر روشنی کا یہ ایک واضح وصف اور بیّن خاصہ ہے کہ وہ بذات خود ظاہر ہوتی ہے اور دیگر اشیاء اور انکے صفات کے ظاہر ہونے کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا روشنی کے اس وصف میں جس چیز کو مشابہت حاصل ہو جاتی ہے لفظ نور کا اس کیلئے استعارہ کیا جاتا ہے۔ اسلئے نور کا لفظ اس کیلئے مجازاً استعمال کر دیا جاتا ہے۔

بنا بریں علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اپنے مذکورہ بالا کلام میں نور کا استعمال جن جن

چیزوں کیلئے ذکر کیا ہے ان میں سے آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کی روشنی کیلئے نور کا استعمال حقیقت ہوگا۔ کیونکہ روشنی کیلئے ہی یہ لفظ اصل لغت میں وضع ہوا۔ جیسے سابقاً بارہا ذکر ہو چکا۔ لیکن وجود، علم، ہر کمال ذات پاک پروردگار، انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کیلئے اس لفظ ''یعنی نور'' کا استعمال اسطرح مجاز اور استعارہ ہوگا جس طرح کہ قرآن پاک کیلئے خود کلام علامہ مجلسیؒ سے اسکے استعمال کا مجاز اور استعارہ ہونا ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ اسی کلام کی ابتداء میں قرآن کے متعلق علامہ مجلسیؒ نے مشہور مفسرین کیطرف منسوب کرتے ہوئے تحریر فرمایا:

"المشهور بين المفسرين ان المراد هنا القرآن سماه نور المافيه من الادلة والحجج الموصلة ألى الحق فشبه بالنور يهتدى به ألى الطريق" (مرآة العقول: ج ۱، ص ۱۴۷)

کہ مفسرین کے درمیان مشہور یہ ہے کہ اس مقام پر یعنی "والنور الذی انزلنا" کے متعلق نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ اور قرآن کا نام نور ان دلائل اور براہین کے اعتبار سے رکھا گیا ہے جو حق تک پہنچا دینے والی قرآن میں ودیعت کر دی گئی ہیں۔ لہٰذا قرآن کی روشنی سے تشبیہ حاصل ہوگئی ہے۔ جس کے ذریعہ رستے کی طرف ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ اور جس کیلئے لفظ نور کی وضع ہے۔

اس تشبیہ کے علاقہ اور رابطہ کے باعث قرآن کو نور کہنا اسکی واضح دلیل ہے کہ قرآن کیلئے نور کا استعارہ کیا گیا ہے۔ ورنہ اصل نور کی وضع روشنی کیلئے ہے۔ لہٰذا لفظ نور جس طرح قرآن کیلئے استعارہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وجود، علم، کمال، ذات باری، نبی، امام، ہدایت اور معرفت وغیرہ امور کیلئے بھی اسی تشبیہ کے علاقہ کے باعث استعارہ کیا جاتا ہے۔

بنابریں جب وجود کو نور کہا جائے گا تو ہر موجود نوری کہلائے گا۔ مگر یہ ایک واضح امر ہے کہ عرفاً اسی موجود کو نور کہا جاتا ہے جو علم و عرفان وغیرہ ذی شان اوصاف کا حامل ہو۔ جس موجود میں ایسا کوئی وصف نہ پایا جائے۔ عموماً اسلئے نور کا استعارہ نہیں ظلمت کا استعارہ کیا جاتا ہے۔ اور جب علم کو نور سے تعبیر کیا جائیگا تو ہر عالم نوری کہلانے کا مصداق ہوگا۔ اسی طرح

جب کمال کو نور کہا جائے گا تو ہر صاحب کمال نورانی ہوگا۔ اور جب ہدایت معرفت اور ایمان کو نور کہا جائے گا تو ہر ہدایت یافتہ عارف اور صاحب ایمان نورانی کہلائیگا۔ علی ہذا القیاس۔ اگر نبوت یا امامت کیلئے نور کا استعارہ کیا جائے تو امام اور نبی نوری کہے جائیں گے۔ اور نبی اور امام کی ذات چونکہ ہر کمال انسانی سے نہ صرف متصف ہوتی ہے بلکہ وہ اپنے اہل زمانہ سے ان کمالات میں افضل اور بلند تر شان کی مالک ہوتی ہے۔ اسلئے امام اور نبی ہر کمال کے اعتبار سے نور اور نوری کہلانے کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ اور محمدؐ و آل محمد علیہم السلام چونکہ تمام انبیاء واوصیاء کی نسبت اپنے ہر کمال میں اعلیٰ شان پر فائز ہیں اور زیادہ بلندی کے مالک ہیں۔ لہٰذا ان ذوات مقدسہ کو استعارۃً نور کہنا زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر صاحب کمال کو جو کمال عطا کیا وہ انکی ہی وجہ سے عطا کیا اور انکو ہر کمال میں اپنی مخلوق کا سرتاج قرار دیا۔

پھر چونکہ اللہ تعالیٰ ہر کمال کا سرچشمہ ہے اور ہر صاحب کمال کو وہی کمال عطا کرنے والی ہستی ہے۔ جو اپنے کمال میں یکتا و یگانہ اور بے مثل و بے مثال ہے۔ اس کے کسی بھی کمال میں نہ کوئی شریک ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اسلئے اس ذات والاصفات کیلئے نہ صرف نور کا استعارہ صحیح اور درست ہے بلکہ اسے نور الانوار کہنا بھی نہایت موزوں اور بجا ہے۔

ہاں مگر نور کا جب لغوی معنی مراد ہو تو پھر اس معنی کے اعتبار سے ذات خداوند عالم کو نور کہنا درست نہیں۔ کیونکہ نور کا لغوی معنی ہے روشنی جیسے کہ سابقاً بیان ہو چکا۔ اور خداوند عالم روشنی اور تاریکی اور نور و ظلمت کو پیدا کرنے والا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے:
﴿وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّوْرَ﴾ کہ اس نے تاریکیوں کو بھی اور نور کو بھی پیدا کیا ہے۔ روشنی اور تاریکی از قبیل اعراض ہیں۔ اور خداوند عالم نہ عرض ہے نہ جوہر۔ وہ ان سے پاک و پاکیزہ اور بلند و بالا ہے۔ اسلئے قرآن کریم یا احادیث معصومین علیہم السلام میں جس جس مقام پہ اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات کو نور کہا گیا ہے ہر مقام پر اس کا لغوی معنی مراد نہیں بلکہ

مجازاً اسے نور کہا گیا ہے۔علی ہذا القیاس۔انبیاء اور آئمہ کو بھی جو نور کہا گیا ہے تو وہ لغوی معنی کے اعتبار سے نہیں بلکہ ان ذوات مقدسہ کو بھی مجازاً ہی نور کہا گیا ہے۔کیونکہ لغوی معنی کے لحاظ سے خداوند عالم کا نور ہونا بھی محال ہے اور انبیاء وآئمہ کا بھی محال۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ادارہ الانوار۔مکتبہ جعفریہ، بلاک ۷ سرگودھا کے اراکین کہ جو رسالہ ''نور یا خاک'' کے مؤلفین ہیں انہوں نے اپنی خط وکتابت کیلئے جو اوراق تیار کئے ہیں انکی پیشانی کواسطرح مزین کیا ہے:﴿بسم اللہ الرحمٰن الرحیم﴾ کے بعد آیت مبارکہ ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ قوسی شکل میں لکھی ہے اس کے نیچے اس آیت کا ترجمہ تحریر کیا ہے۔اور اس کے تحت میں سورج کی ہیئت بنائی ہے جس کے گرداگرد اسکی پھیلی ہوئی شعاعوں کا نقشہ بنایا ہے۔سورج کی ہیئت کے دائرہ میں لفظ ''اللہ'' لکھا ہے۔اور گول دائرے میں پھیلی ہوئی شعاعوں کیساتھ ساتھ چہاردہ معصومینؑ کے اسماء مبارکہ تحریر کئے ہیں۔دائرہ سورج میں لفظ ''اللہ'' لکھا ہے۔اس کے نیچے حدیث کا یہ جملہ لکھا ہے۔"یفصل نورنا من نوراللّٰہ کشعاع الشمس من الشمس" اور اس کے نیچے اس حدیث کا ترجمہ تحریر کیا ہے۔یہ سارا نقشہ تقریباً ذیل میں دی ہوئی شکل کی طرح ہے۔

اس نقشے کو دیکھ کر ایک باریک بین شخص اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اراکین ادارہ الانوار نے اس سارے نقشے کی زحمت ایک غلط فہمی کی وجہ سے برداشت کی ہے۔اور وہ یہ کہ انہوں نے حدیث مبارکہ:

"یفصل نورنا من نوراللّٰہ" میں دومرتبہ لفظ ''نور'' وارد ہوا ہے۔اس سے لفظ نور کا لغوی معنی مراد لیا ہے یعنی روشنی۔یہی معنی سمجھانے کیلئے انہوں نے سورج کا دائرہ بنایا۔پھر اسمیں لفظ

جلالت "اللہ" لکھا۔ اور پھر سورج کی شعاعیں پھیلا کر ان پر چہاردہ معصومینؑ کے اسماء مبارکہ تحریر کئے۔ حالانکہ لفظ نور کا اس مقام پر لغوی معنی مراد لینا درست نہیں۔ کیونکہ آئمہ اور خداوند عالم کو مجازاً نور کہنا ہی درست ہو سکتا ہے۔ اسکے حقیقی لغوی معنی کے اعتبار سے نہ خداوند عالم کو نور کہنا صحیح ہے نہ آئمہ معصومینؑ کو کیونکہ سابقاً وضاحت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ جوہر ہے نہ عرض۔ وہ اس سے بلند و بالا اور مبرا و منزہ ہے۔ اور نور بمعنی روشنی ایک عرض ہے جیسے سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ وہ اس کیفیت جسمانی کا نام ہے جو بذات خود ظاہر اور دوسری اشیاء کو ظاہر کر دینے والی ہوتی ہے۔

نیز وہ ایک بے جان اور بے شعور چیز ہے۔ نہ وہ عقل و فہم رکھتی ہے وہ تمام انسانی عوارض اور کمالات سے عاری ہے۔ نہ اسے بھوک ستائے نہ پیاس، نہ درد لاحق ہو نہ دکھ، نہ تعب و تکان اسے لاحق ہو، نہ اسے علم و عرفان حاصل۔ لہٰذا چہاردہ معصومین علیہم السلام کو اس قسم کی روشنی کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جبکہ یہ اوصاف ہوں۔ جبکہ وہ عقل و فہم میں سب کے سرتاج ہیں۔ اور ارادہ و اختیار میں سب سے ممتاز۔ انہیں بھوک بھی لاحق ہوتی ہے، پیاس بھی ستاتی ہے، دکھ بیماری بھی لاحق ہوتی تھی۔ بھائی بیٹے وغیرہ کی موت سے انکو صدمہ بھی لاحق ہوتا تھا۔ تیر، تلوار وغیرہ کا زخم بھی تکلیف پہنچاتا تھا۔ اور باوجود اسکے وہ تمام کمالات انسانیہ میں سارے انبیاء و اوصیاء کے بھی سردار اور سرتاج تھے۔ لہٰذا نور کے لفظ سے یہاں روشنی مراد نہیں ہو سکتی بلکہ اسکا مجازی معنی مراد ہے۔ لیکن قبل اسکے کہ اس سے جو معنی مراد ہو سکتا ہے اسکے متعلق قلم فرسائی کی جائے۔ حدیث مذکور کا پورا متن سپرد قرطاس کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

بحار الانوار: ج ۱۵: ص ۲۳ طبع جدید مختصراً۔ منہاج البراعۃ شرح نہج البلاغۃ: ج ۱: ص ۱۲۷۔ ۱۲۸ کتاب ریاض الجنان مصنفہ فضل اللہ بن محمود فارسی سے نقل کیا ہے کہ فضل اللہ موصوف نے اپنے اسناد کے ساتھ جابر جعفی سے روایت کی ہے۔

"عن ابی جعفر علیہ السلام قال یاجابر کان اللہ ولاشئی غیرہ لامعلوم ولامجھول فاول ماابتدأ من خلقہ ان خلق محمداً وخلقنااھل البیت معہ من نورعظمتہ فأوقفنااظلۃ خضراء بین یدیہ حیث لاسماء ولارض ولامکان ولالیل ولا نھارولاشمس ولاقمریفصل نورنامن نورربنا کشعاع الشمس من الشمس نسبح اللہ ونقدسہ ونحمدہ ونعبدہ حق عبادتہ ثم بداللہ ان یخلق المکان فخلقہ وکتب علی المکان: لاالہ الااللہ محمد رسول اللہؐ علی امیرالمومنینؑ ووصیہٗ بہ ایدتہ ونصرتہ۔ثم خلق اللہ العرش فکتب علی سرادقات العرش مثل ذالک ثم خلق اللہ السموات فکتب علی اطرافھا مثل ذلک ثم خلق اللہ الجنۃ والنارفکتب علیھمامثل ذلک ثم خلق الملائکۃ واسکنتھم السماء ثم خلق الھواء فکتب علیہ مثل ذلک ثم خلق الجن واسکنتھم الھواء ثم خلق الارض وکتب علی اطرافھا مثل ذلک فبذلک یاجابرقامت السموات بغیرعمد وثبتت الارض ثم خلق اللہ آدمؑ من ادیم الارض ألی ان قال فنحن اوّل خلق اللہ واوّل خلق عبد اللہؐ وسبحہ ونحن سبب الخلق وسبب تسبیحھم وعبادتھم من الملائکۃ والآدمیین"

جابر جعفی امام محمد باقرؑ سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا اے جابر! ازل میں صرف اللہ تعالیٰ تھا۔ اور دیگر کوئی شئے نہ تھی نہ کوئی معلوم شئے موجود تھی نہ مجہول۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جو اپنی مخلوق کی ابتدا کی تو اسطرح کی کہ اپنی عظمت کے ذریعہ پیدا کردہ نور سے آنحضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بھی پیدا کیا اور ہم اہلبیت کو بھی انکے ساتھ پیدا فرمایا۔ پھر اس نے ہمیں اپنی درگاہ میں اس شان سے ٹھہرایا کہ ہم سبز رنگ کے سایہ تھے۔ اس وقت نہ آسمان تھا، نہ زمین، نہ مکان تھا نہ شب و روز، نہ آفتاب تھا نہ ماہتاب، ہمارا نور خدا کے نور سے اسطرح جدا ہوتا تھا جس طرح سورج کی شعاع سورج سے جدا ہوتی

ہے۔ہم اللہ تعالٰی کی تسبیح کرتے تھے۔ اسکی تقدس کا مظاہرہ کرتے، اور اسکی حمد بجالاتے تھے اور اسطرح اسکی عبادت کرتے تھے جس طرح عبادت کرنے کا حق ہے۔

توضیح

معلوم ہوا کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کے نور سے مراد روشنی نہیں جو کہ بے فہم و بے شعور ہوتی ہے۔اور عرض (یعنی کیفیت مخصوصہ) ہونے کے باعث اپنے موجود ہونے میں کسی ایسے جوہر کی طرف محتاج ہوتی ہے جو اسکے لئے موضوع ہوتا ہے کیونکہ یہ ذوات مقدسہ اس وقت باوجود زمین وآسمان موجود نہ ہونے کے بالاستقلال موجود تھے۔اور ایسے باشعور اور فہیم وحکیم تھے کہ انہیں اپنے خالق کی معرفت حاصل تھی۔وہ سمجھتے تھے کہ ہمارا خالق ہر نقص وعیب سے مبرا ومنزہ اور پاک وپاکیزہ ہے۔لہذا ہمیں اس کی تسبیح اور تقدیس کرنا چاہئے۔اور وہ ہر صفت کمال سے آراستہ وپیراستہ اور ہمارا محسن حقیقی ہے۔کیونکہ اسی نے ہمیں خلعت وجود مرحمت فرمائی ہے۔اور اسی نے ہمیں فہم وعقل اور ادراک وشعور وغیرہ کمالات عطا کئے ہیں۔لہذا ہمیں اس کا حمد وشکر بجالانا چاہیے اور اس کی ایسی عبادت کرنا چاہیے جیسے عبادت کرنیکا حق ہے۔اسی وجہ سے وہ اس ذات پاک کی تسبیح وتقدیس بجالانے اور حمد وثنا وعبادت کا شرف حاصل کرنے کی کماحقہ سعی اور کوشش کرتے تھے۔

لہذا اراکین ادارہ الانوار کا لفظ "نور" کو بظاہر روشنی کے معنی پر محمول کرنا اور اس معنی کو سمجھانے کے لیے سورج اور اس کی شعاعوں کا نقشہ بنانا اور سورج سے اللہ تعالٰی کی ذات مراد لینا۔اور نور چہاردہ معصومینؑ سے سورج کی روشنی کی کرنیں مراد لینا اور اس معنی کو سمجھانے کیلئے مذکورہ نقشہ کشی کی زحمت کرنی قرین صواب نہیں ہے۔کیونکہ یہاں نور کا لغوی معنی جو اصطلاح علماء بلاغت میں حقیقی معنی کہلاتا ہے وہ مراد نہیں ہوسکتا۔بلکہ مجازی معنی مراد

ہے۔ اسلئے کہ مجازی معنی مراد لینے کی صورت میں کوئی استحالہ لازم نہیں آسکتا جس کا ایک احتمال یہ ہے کہ نور معنی کمال ہے۔ لہذا جملہ مبارکہ "یفصل نورنامن نورربناالخ" کا مرادی معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر کمالات کا فیضان اس طرح ہوتا تھا جس طرح کہ سورج سے اس کی شعاعوں کا فیضان ہوتا ہے۔ کہ سورج سے شعاعوں کا فیضان مسلسل جاری رہنے کے باوجود جس طرح اسکے نور میں کوئی کمی سورج سے واقع نہیں ہوتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم پر علم وعرفان اور حکمت ودانش وغیرہ کا فیضان مسلسل جاری رہنے کے باوجود اس کے علم وغیرہ میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ اس کے کمالات میں کمی بیشی کا واقع ہونا ہے ہی محال۔ نیز یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ جس طرح سورج اپنی شعاعوں کے فیضان میں کسی واسطہ کا محتاج نہیں بلاواسطہ اسکی شعاعوں کا فیضان ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے کمالات کا فیضان ہم پر بلاواسطہ ہوتا تھا۔ کیونکہ اس وقت حضرت جبرائیل امین کے ایسے فرشتے بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ جن کو بعد میں وحی ربانی کا واسطہ بنایا گیا۔

بہر حال اس حدیث میں لفظ نور اور شمس ہر دو کا لغوی حقیقی معنی نہیں ہوسکتا۔ بلکہ مجازی معنی ہی مراد ہے۔ مگر اراکین ادارہ نے بظاہر مجازی معنی مراد نہیں لیا بلکہ انہوں نے جو تصویر بنائی یعنی سورج اور اس کی شعاعوں کا نقشہ کھینچا ہے یہ اس کا قرینہ اور دلیل ہے کہ انہوں نے شمس اور نور ہر دو کا حقیقی لغوی معنی ہی مراد لیا۔ اور اگر حقیقی معنی نور کا مراد انہوں نے نہیں لیا تو وہ اس کی توضیح کریں کہ کون سا مجازی معنی مراد لیا ہے۔

اس حدیث کے بقیہ الفاظ کا ترجمہ

پھر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوا کہ مکان کو پیدا کرے چنانچہ اسے پیدا کر دیا۔ اور اس کے اوپر لکھا۔

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی امیر المومنین و وصیہ بہ ایدتہ و نصرتہ"
کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی مستحق عبادت نہیں محمد مصطفےٰ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔علیؑ تمام مومنین کے امیر ہیں اور رسول خدا کے وصی ہیں۔ میں نے علیؑ ہی کے ذریعہ اس کی تائید فرمائی اور اپنے اس رسولؐ کی اسی کے ذریعہ امداد کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا اور اس کے پردوں پر یہی مذکورہ بالا عبارت تحریر کی۔پھر اس نے آسمانوں کو پیدا کیا اور اور اسکے کناروں پر یہی عبارت تحریر کی۔پھر اللہ جل شانہٗ نے جنت اور جہنم کو پیدا فرمایا اور ان دونوں پر بھی اسی طرح لکھا۔پھر خداوند عالم نے ملائکہ کو پیدا کیا اور انکو آسمانوں میں رہائش پذیر کیا۔پھر ہوا کو پیدا کیا اور اس کے اوپر بھی یہی لکھا۔پس اس نے جنوں کو پیدا کیا اور انکو ہوا میں ٹھہرایا۔ پھر زمین کو پیدا کیا اور اسکے اطراف پر بھی اسی طرح یہی لکھا۔اے جابر اسی برگزیدہ عبارت کے تصدق سے آسمان بغیر ستون کے کھڑے ہیں اور زمین بھی بلاستون ہی قائم ہے۔پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو روئے زمین "یعنی مٹی" سے پیدا فرمایا۔ اور پھر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آخر میں فرمایا کہ! ہم اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق ہیں۔اور وہ پہلی مخلوق ہیں جس نے اللہ تعالیٰ کی سب سے پہلے عبادت کی اور سب سے پہلے اسکی تسبیح کی۔اور ہم ہی ساری مخلوق کے پیدا ہونے کا سبب بھی ہیں۔اور سارے ملائکہ اور آدمیوں کی تسبیح اور عبادت کا بھی سبب ہیں۔(حدیث کا ترجمہ ختم ہوا)۔

مختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ کیلئے یا آنحضرتؐ سرور کائنات یا آئمہ طاہرین علیہم السلام کیلئے جس جس مقام پر لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے۔ہر مقام پر وہاں فقط روشنی مراد نہیں جو کہ نور کا حقیقی اور لغوی معنی ہے۔ بلکہ ہر مقام پر مجازی معنی ہی مراد ہے۔ چنانچہ ذیل میں قرآن پاک اور حدیث شریف کی چند اور مثالیں ذکر کی جاتی ہیں ملاحظہ ہو۔

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾ (سورۃ المائدہ۔آیت نمبر ۱۵) کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک نور اور وضاحت کرنے والی کتاب آ گئی ہے۔

اس آیہ وافیۃ الھدایۃ میں لفظ "نور اور کتاب مبین" سے جو معنی مراد الٰہی ہوسکتا ہے اسکے متعلق تین احتمال ہیں۔اول یہ کہ نور سے مراد محمد وآل محمد علیہم السلام ہیں اور کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہے۔دوم یہ کہ نور اور کتاب مبین ہر دو سے مراد محمد وآل محمد علیہم السلام ہیں۔سوم یہ کہ ہر دو سے مراد قرآن پاک ہے۔

مویدات احتمال اوّل

احتمال اوّل کی تائید حضرت علی بن ابراہیم قمی اعلی اللہ مقامہٗ کے کلام سے ہوتی ہے۔چنانچہ تفسیر صافی: ص ۲۵ اور تفسیر البرہان: جلد نمبر ۱: ص ۲۷۷ ہر دو کتابوں میں مرقوم ہے علی بن ابراہیم القمی یعنی " بالنور النبی و امیر المومنین و الائمہ " کہ علی بن ابراہیم قمی رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ نور سے مراد اس آیت میں نبی پاکؐ، جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ اور آئمہ علیہم السلام ہیں۔

تفسیر البیان للشیخ ابی جعفر الطوسی: جلد نمبر ۱: ص ۵۲۱ و تفسیر مجمع البیان للشیخ ابی علی فضل بن حسن الطبرسی: جلد نمبر ۲: ص ۱۷۷ یعنی " بالنور محمد الانہ یھتدی بہ الخلق کما یھتدون بالنور عن قتادہ و اختارہ الزجاج " کہ اللہ تعالیٰ نے نور سے آنحضرت سرکار نبوت و رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والاصفات کو مراد لیا ہے۔کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ مخلوق اسی طرح ہدایت حاصل کرتی ہے جس طرح کہ وہ نور یعنی روشنی کے ذریعہ حاصل کرتی ہے۔

اس کلام سے صاف طور پر ظاہر ہے کہ آنحضرت اور آئمہ علیہم السلام کو نور اسی لئے کہا گیا کہ انکے ذریعہ بھی اسی طرح ہدایت حاصل کی جاتی ہے جس طرح کہ نور بمعنی

روشنی کے ذریعہ رہبری اور ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ امام اور نبی کو نور سے مشابہت حاصل ہے۔ وجہ شبہ رہبری اور ہدایت ہے۔ اسلئے لفظ نور کا محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کیلئے استعارہ کیا گیا ہے۔ اس احتمال کے مطابق "نور و کتاب مبین" کے الفاظ میں جو "واؤ عاطفہ" واقع ہوئی ہے یہ عطف تفسیری کیلئے نہیں ہوگی۔ کیونکہ نور سے مراد محمد و آلِ محمد علیہم السلام ہیں۔ اور کتاب مبین سے مراد قرآن پاک ہے اور یہ دونوں آپس میں دو متغائر چیزیں ہیں۔ لہٰذا اس صورت میں عطف اپنے اصلی معنی کے مطابق تغائر کیلئے ہوگا۔

مویدات احتمال دوم

اس احتمال کے مطابق نور سے بھی مراد محمدؐ و آلِ محمد ہیں۔ اور "کتاب مبین" سے مراد بھی محمدؐ و آلِ محمدؐ ہی ہیں۔ لفظ "مبیـــن" جو کتاب کی صفت واقع ہوا ہے وہ دلالت کر رہا ہے کہ اس کتاب سے مراد کوئی ایسی کتاب ہے جو بذات خود بغیر کسی دوسری چیز کی طرف احتیاج رکھنے کے بیان اور وضاحت کرنے کے وصف سے متصف ہے۔ اور ظاہر ہے کہ قرآن بذات خو ایک ایسی صامت اور خاموش چیز ہے کہ جو اپنے مطالب اور معانی کی وضاحت میں کسی ناطق اور گویائی رکھنے والے شخص کی طرف محتاج ہے۔ اور وہ ناطق ہستی محمدؐ و آلِ محمدؐ ہیں جو قرآن کریم کے صحیح معنی اور مفاہیم کو مخلوق کے سامنے بیان کرتے اور واضح فرماتے ہیں۔ انہیں قرآن کریم کے پورے علوم سے اللہ تعالیٰ نے مشرف فرمایا اور پھر انہیں قوت گویائی بخشی۔ کیونکہ وہ نوع انسان کے ایسے کامل ترین افراد ہیں کہ جن کو فصاحت و بلاغت اور حکمت و دانش کے اعلیٰ معیار سے اللہ تعالیٰ نے سرفراز فرمایا۔ لہٰذا لفظ "مبین" اولاً بالذات انہیں نفوس مقدسہ کی صفت ہو سکتی ہے۔ قرآن پاک کو اگرچہ مبین کہا جا سکتا ہے لیکن ثانیاً و بالعرض۔ کیونکہ قرآن پاک اپنے بیان اور وضاحت میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کے بیان کی

طرف محتاج ہے۔ لہذا قرآن کا مبین کی صفت سے متصف ہونا واسطہ پر مبنی اور موقوف ہے۔ کیونکہ وہ محمدؐ و آلِ محمدؑ کے واسطہ سے مبین ہے۔ اور محمدؐ و آلِ محمدؑ بلا واسطہ صفت مبین سے متصف ہیں۔ رہا یہ امر کہ محمدؐ و آلِ محمدؑ نوع انسانی کے افراد ہیں لہذا ان کو "کتاب" کیسے کہا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے محمدؐ و آلِ محمدؑ کو مجازاً نور کہنا صحیح ہے ایسے ہی ان کو مجازاً کتاب سے تعبیر کرنا بھی درست ہے۔ اسی لیے ان کو احادیث معصومینؑ میں قرآن ناطق سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اور کتاب سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

محمدؐ و آل محمدؑ کتاب مبین ہیں

تفسیر البرہان: جلد نمبر ا: ص ۳۳۔ ابوالحسن علی بن ابراہیم بن ہاشم:۔ "قال حدثنی أبی عن یحیی بن عمران عن یونس بن سعدان بن مسلم عن ابی بصیر عن أبی عبد اللّٰہؑ قال: الکتاب علیؑ لا شك فیه۔ هدی للمتقین: قال فیه تبیان لشیعتنا"۔

بسند مذکورہ حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ حضرتؑ نے ﴿ذلك الکتاب لا ریب فیه﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ "الکتاب سے مراد علیؑ ہیں" اور علیؑ ایسی کتاب ہیں جس میں شک کی گنجائش نہیں اور ﴿هدی للمتقین﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس کتاب میں ہمارے شیعہ کیلئے کما حقہ بیان اور وضاحت متحقق ہے۔

نیز تفسیر البرہان: جلد نمبر ا: ص ۳۱ و تفسیر صافی۔ ص ۲۱، العیاشی عن الصادقؑ قال کتاب علیؑ لا ریب فیه کی تفسیر میں فرمایا "کتاب علیؑ لا ریب فیه" کہ علیؑ وہ کتاب ہیں جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ صاحب تفسیر صافی اس کے بعد لکھتے ہیں۔

اقول ذلك تفسیره و هذا تاویله۔ و اضافة الکتاب ألی علیؑ بیانیة یعنی ان ذلك اشارة ألی علیؑ و الکتاب عبارة عنه و المعنی ان ذلك الکتاب الذ

ی ھو علیؑ لا قریۃ فیہ و ذلک لا ن کما لا تہ مشا ھدۃ من سیرتہ و فضا ئلہ منصو ص علیھا من اللہ و رسو لہ و اطلاق الکتا ب علی الانسان الکامل شائع فی عر ف اھل اللہ و خاص اولیا ئہ قا ل امیر المو منین علیہ السلام شعر

د وا ءک فیک و ما تشعر

ودا ئک منک ولا تبصر

وا نت الکتا ب المبین الذ ی با حر فہ یظھر المضمر

و تز عم أنک جر م صغیر و فیک ا نطوی العا لم الا کبر ۔

(کہا کہ میں کہتا ہوں) وہ اس کی تفسیر ہے۔ اور یہ اس کی تاویل ہے۔ اور کتاب کی علی علیہ السلام کی طرف اضافت بیانیہ ہے۔ یعنی لفظ "ذلک" علی علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے اور "الکتاب" سے علی علیہ السلام کو ہی تعبیر کیا گیا ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ یہ کتاب کہ جو علیؑ ہے۔ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔ کیونکہ علی علیہ السلام کے کمالات یعنی اسکی سیرت اور فضائل ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اور ساتھ ہی وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولؐ کی جانب سے منصوص ہیں۔

اور انسان کامل پر لفظ کتاب کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے مخصوص اولیاء اور خدا والوں کے عرف میں مشہور ومعروف شے ہے کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں چنانچہ جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

اشعار کا ترجمہ:۔ اے انسان! تیری دواء خود تجھ میں ہی موجود ہے لیکن تو سمجھ نہیں سکتا۔ اور تیری بیماری بھی تیری ہی طرف سے تجھے لاحق ہوتی ہے مگر تو اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ تو ہی تو وہ کتاب مبین ہے جس کے زبان پر جاری ہونے والے حروف کے ذریعہ مافی الضمیر کا اظہار ہو جاتا ہے۔ اور دل کے اسرار مکنونہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

کیا تیرا خیال ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے اور بس۔ اسمیں کوئی حکمت اور راز پنہاں نہیں کیا گیا۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ تیرے اس چھوٹے سے بدن میں یہ بہت بڑا عالم دنیا سمیٹ کر رکھ دیا گیا ہے۔

نیز تفسیر صافی: ص ۲۱۔ "و قا ل الصا د ق علیہ السلام الصو رۃ الانسا نیۃ

ھی اکبر حجۃ اللّٰہ علی خلقہ و ھی الکتاب الذی کتبہ اللّٰہ بیدہ"۔ کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا صورت انسانیہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اس کی سب سے بڑی حجت ہے۔ اور وہ ایسی کتاب ہے جسے اس نے اپنے دست قدرت سے لکھا ہے۔

ان روایات سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بطور تشبیہ ہر انسان کو کتاب مبین کہا جاتا ہے۔ اور جب ہر انسان کو کہا جاتا ہے تو امام اور نبی کو کتاب مبین کہنا تو بطور اولیٰ صحیح ہے۔ خاص کر جب کہ احادیث آئمہؑ میں جناب امیرالمومنینؑ اور دیگر آئمہ علیہم السلام کو تفسیر قرآن کے اعتبار سے کتاب کا مصداق قرار بھی دیا گیا ہے۔ لہذا آیہ کریمہ ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ﴾

''میں لفظ'' نور اور کتاب مبین ہر دو سے محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کا مراد ہونا صحیح ہو سکتا ہے۔ مگر یہ دونوں لفظ بطور استعارہ استعمال ہوئے۔ لہذا نہ ہی کتاب مبین کا لغوی معنی مراد ہوگا نہ ہی نور کا لغوی معنی کیونکہ نور سے نہ روشنی مراد ہے نہ کتاب سے اوراق کاغذ کی کتاب۔

معلوم ہوا کہ وہ لوگ کم سواد اور علم بلاغت سے بے بہرہ ہیں جو محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام کے حق میں لفظ نور کے استعمال سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ جب وہ نور تھے تو پھر نہ انہیں کھانے کی ضرورت تھی۔ نہ پینے کی اور نہ نکاح وغیرہ کی۔ وہ نوع انسان کے افراد نہیں۔ وغیرہ وغیرہ "العیاذ باللّٰہ" جہالت بری بلا ہے اور اسکے مفاسد لاتعداد اور بے شمار ہوتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام نوع انسان کے افراد ہیں۔ مگر ایسے کامل ترین افراد ہیں کہ صرف انکا خالق اللہ جل شانہٗ ان سے افضل ہے۔ دیگر ہر چیز سے وہ افضل ہیں۔ جن و انس، ملک و فلک، لوح و قلم، عرش و کرسی، آفتاب و ماہتاب وغیرہ ہر چیز انکی خاطر پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا کوئی شے انکے ہم پلہ نہیں اور فضل و شرف میں ان سے برابری بھی نہیں کر سکتی۔ چہ جائیکہ کوئی شے ان سے افضل ہو۔ بے شک وہ نور ہیں مگر ان کی نورانیت

انسانیت کے منافی نہیں۔اور انکی انسانیت انکے نور ہونے کے خلاف نہیں۔انسان کے لغوی معنی کے لحاظ سے وہ انسان ہیں اور نور کے مجازی معنی کے اعتبار سے وہ نور ہیں۔اور ایسے الفاظ انکی شان میں کثرت سے واقع ہوئے ہیں۔جن سے ان الفاظ کے لغوی حقیقی معانی مراد نہیں بلکہ ان سے مجازاً ان نفوس قدسیہ کے ذوات مقدسہ مراد ہیں۔ذیل میں انکی چند ایک مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

مثل نور آئمہؑ کی شان میں مجازاً استعمال ہونے والے دیگر الفاظ

ا۔اسد اللہ:۔اسد عربی زبان میں شیر کو کہا جاتا ہے جو جنگل کا ایک جری اور بہادر درندہ ہے۔جو ایک خاص نوع کا حیوان اور جانور ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے اور جس طرح دیگر ہر چیز کا مالک خداوند عالم ہے اسی طرح اسکا مالک بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔لہٰذا اس جانور کو بایں معنی اسد اللہ کہا جا سکتا ہے۔یعنی "اللہ کا شیر"

یہی لفظ اسد اللہ حضرت جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شان والا شان میں وارد ہوا ہے جو حضورؐ کے فضائل میں شمار ہوتا ہے۔اور ظاہر ہے کہ حضرت جناب امیرؑ کی شان میں اس لفظ کو مجازاً استعمال کیا گیا ہے۔یعنی جب کہا جاتا ہے علیؑ اسد اللہ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ علیؑ ایسا مرد مجاہد ہے جو شیر کی مثل جری اور بہادر ہے۔میدان کارزار میں علیؑ کا قدم ہمیشہ دشمن کی طرف آگے کو ہی بڑھتا تھا۔شکست خوردہ ہو کر پسپا ہونا یہ علیؑ کے متعلق سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔لہٰذا علیؑ بایں معنی اللہ کا شیر ہے۔

اب اگر کوئی شخص لفظ اسد کو لغوی معنی پر محمول کر کے اس جنگلی درندے کے دیگر خواص جناب امیرؑ کیلئے ثابت کرنا شروع کر دے تو یہ اس کی انتہائی حماقت اور جہالت ہوگی۔اسی طرح جناب امیرؑ اور دیگر معصومینؑ کو جب نور کہا جاتا ہے تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے

کہ وہ کامل اور اکمل رہبر اور ہادی ہیں۔ جو حقائق اور معارف حقہ کو اس طرح واضح اور ظاہر کر دیتے ہیں۔ جس طرح نور دنیا کی اشیاء کو واضح کر دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو اپنے خزانہ خاص سے اس کثرت سے علم و حکمت وغیرہ کمالات سے سرفراز کیا ہے کہ جو شرف اللہ تعالیٰ نے دیگر کسی کو عطا نہیں فرمایا۔ لہٰذا بے شک وہ نور ہیں لیکن اس سے یہ نتیجہ مرتب کرنا انتہائی جہالت ہے۔ کہ وہ حضرت آدمؑ اور دیگر اپنے آباؤ اجداد کی اولاد نہیں۔ یا اپنی اولاد کے وہ آباؤ اجداد نہیں۔ اور ان کی نوع اپنے آباؤ اجداد اور اپنی اولاد سے جداگانہ ہے۔

۲۔ یعسوب الدین:۔ یعسوب شہد کی مکھیوں میں سے ایک نر مکھی ہوتی ہے جو تمام مکھیوں کی سردار اور انکی بادشاہ ہوتی ہے۔ اور لفظ یعسوب الدین حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی شان والاشان میں بھی وارد ہوا ہے۔ جو آپؑ کے فضائل میں شمار ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب یہ لفظ جناب امیرؑ کی شان میں واقع ہوتا ہے تو وہاں اس کا لغوی معنی مکھی ہرگز مراد نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ یعسوب کے وصف سرداری میں تشبیہ دے کر سردار کا معنی مراد ہوتا ہے کہ علی علیہ السلام دین اور دنیا میں اسی طرح سردار ہیں جس طرح یعسوب النحل شہد کی مکھیوں میں سب کا سردار ہوتا ہے۔ اور جس طرح کہ لفظ یعسوب سے جناب امیرؑ کو متصف کرنے سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اب نوع انسان کے افراد نہیں رہے۔ بلکہ وہ العیاذ باللہ مکھیوں وغیرہ کسی دوسری نوع کے افراد ہو گئے ہیں۔ اسی طرح ان کو لفظ نور کے ساتھ متصف کرنے کے باعث بھی یہ کہنا صحیح نہیں ہوسکتا کہ وہ نوع انسان کے افراد نہیں کسی دوسری نوع کے افراد ہیں۔

۳۔ مدینۃ العلم و باب المدینہ:۔ مدینہ لغت عرب میں شہر کو کہا جاتا ہے جو مکانات اور گھروں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اور ''باب'' لغت عرب میں دروازے کو کہا جاتا ہے جو مکان کی دیوار میں لگایا جاتا ہے یا شہر کی فصیل وغیرہ کی دیوار میں لگایا جاتا ہے۔ حضرت رسول پاک

نے اپنے آپ کو مدینۃ العلم قرار دیا اور جناب امیر المومنین علیہ السلام کو اس کا دروازہ قرار دیا۔ چنانچہ فرمایا۔ "انا مدینۃ العلم و علیؑ بابھا" کہ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اسکا دروازہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مدینہ کا بھی لغوی حقیقی معنی مراد نہیں ہوسکتا۔ اور باب کا بھی لغوی معنی مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مدینہ کا لغوی معنی جیسے کہ بیان ہو چکا ہے مکانوں اور دیواروں وغیرہ کا مجموعہ ہوتا ہے یعنی شہر۔ لہٰذا مدینہ کے لغوی حقیقی معنی سے آنحضرتؐ مراد نہیں ہوسکتے۔ اس لئے مجاز کے اعتبار سے اور تشبیہ کے لحاظ سے ہی حضورؐ نے اپنے آپکو مدینہ اور علیؑ کو باب فرمایا ہے۔ یعنی جس طرح شہر میں جو چیز ہوتی ہے وہ اسکے دروازے سے داخل ہو کر حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسطرح میں علم الٰہی کو حاوی ہوں اور عالم ہوں اور میرے بعد اسکو حاصل کرنے کا طریقہ علی علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ وہ بھی ان تمام علوم کے عالم ہیں جن کو میں جانتا ہوں۔ لہٰذا جس طرح جناب رسولؐ خدا کو مدینہ اور علی علیہ السلام کو باب کہنے سے یہ کہنا صحیح نہیں کہ ان کی نوع اب جداگانہ ہوگئی۔ اسی طرح ان کو نور کہنے سے بھی انکی نوع کا جداگانہ ہوجانا صحیح نہیں ہوسکتا بلکہ وہ نوع انسان سے ہی ہیں۔

۴۔ دار الحکمۃ و بابھا:۔ دار کا معنی ہے گھر اور باب کا معنی دروازہ جیسا کہ بیان ہو چکا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے اپنے آپکو حکمت کا گھر قرار دیا اور علی علیہ السلام کو اسکا دروازہ قرار دیا۔ کیونکہ حضورؐ نے فرمایا۔ "انا دار الحکمۃ و علیؑ بابھا" کہ میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اسکا دروازہ ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ گھر اس حویلی اور مکان کا نام ہوتا ہے جو اینٹ، پتھر وغیرہ سے بنا ہوا ہوتا ہے۔ لہٰذا حضورؐ کا یہ فرمان اسی تشبیہ کے اعتبار سے ہی درست ہوسکتا ہے کہ آپؐ حکمت کے عالم اور اس پر اس طرح حاوی تھے جس طرح گھر کسی چیز پر حاوی ہوتا ہے۔ کیا کوئی عقلمند یہ کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ نے جب اپنے آپکو گھر قرار دیا تو انکی نوع ہی

جداگانہ ہوگئی۔اوروہ العیاذ باللہ نوع انسان سے ہی نہیں رہے۔اور جب حکمت کا گھر اور علیؑ
کے اس گھر کا دروازہ ہوتے سے انکی نوع جداگانہ نہیں ہوسکتی تو انکے نور ہونے سے بھی وہ
نوع انسان سے الگ کوئی نوع رکھنے والی ہستی قرار نہیں دیئے جاسکتے۔بلکہ وہ نور بھی ہیں،
مدینۃ العلم بھی ہیں،دارحکمت بھی ہیں اور جناب امیرالمومنینؑ اسداللہ بھی ہیں،یعسوب الدین،
باب مدینۃ العلم،باب دارالحکمۃ،لسان اللہ،عین اللہ،ید اللہ،قائد الغرالمحجلین،اذن اللہ،
کتاب مبین اور قرآن ناطق بھی ہیں۔لیکن ان تمام باعظمت الفاظ کا مصداق ہونے کی وجہ بس تشبیہ
ہے۔اوران تمام القاب کا مصداق ہونے کے باوجود وہ نوع انسان سے خارج نہیں۔اورکسی دوسری
نوع کا مصداق نہیں ہوسکتے۔بلکہ وہ نوع انسان کے ہی سب سے زیادہ باکمال اور باعظمت افراد ہیں۔

وہ باب مدینۃ العلم اس لئے ہیں کہ رسول خدا ﷺ کے علوم ان ہی کے ذریعہ
حاصل ہوسکتے تھے۔جسطرح کہ شہر میں رکھی ہوئی چیز اسکے دروازے سے جاکر ہی حاصل کی
جاسکتی ہے۔باب دارالحکمۃ اسلئے تھے کہ رسول خدا ﷺ جن حکمتوں کے عالم تھے انکے
حاصل ہونے کا ذریعہ جناب امیرؑ ہی تھے۔جس طرح گھر کے اندر رکھی ہوئی چیز وہی حاصل
کرسکتا ہے جو دروازے سے داخل ہوکر اندر جائے۔وہ لسان اللہ اسلئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے
انکی زبان مبارک کو اپنے احکام اور معارف مخلوق تک پہنچانے کا ذریعہ بنایا۔جس طرح کہ
ہر انسان کے مافی الضمیر کے اظہار کا ذریعہ اسکی زبان ہی ہوتی ہے۔اور انکی زبان حق بیان
پر وہ کلام جاری ہوتا تھا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی خوشنودی کا باعث ہوتا تھا۔وہ عین اللہ اسلئے
تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی مخلوق کیلئے نعمت خدا تھے۔نیز انکے دست مبارک پر
بیعت کرنا بیعت خدا کے حکم میں قرار دیا گیا تھا۔وہ " قائد الغرالمحجلین" اسلئے
کہلائے کہ وہ ان نماز گزاروں کے رہبر اور امام ہیں جن کی پیشانیاں اور دیگر اعضاء وضو
بروز قیامت روشن اور نورانی ہوں گے۔وہ اذن اللہ اسلئے تھے کہ ان کے گوش مبارک ہمیشہ

اسی بات کو سننے کا خواہاں ہوتے تھے جس کا سننا خوشنودی خدا کا باعث ہو۔ اور انکے کتاب مبین اور قرآن ناطق کا مصداق ہونا سابقاً بیان ہو چکا۔ کہ وہ قرآن کریم کے تمام علوم کو جاننے والے اور انکی وضاحت اور انکا ایسا بیان کرنے والے تھے کہ جسکے ذریعہ مخلوق خدا کو اس طرح معرفت خدا حاصل ہو سکتی تھی جس طرح کہ معرفت حاصل ہونے کا حق ہے۔

مگر ان تمام کمالات سے متصف ہونے کے باوجود وہ نوع انسان کے ہی افراد کاملہ تھے۔ نوع انسان سے وہ خارج نہ تھے۔ لہٰذا جس طرح ان تمام القاب سے متصف ہونے کے باوجود نوع انسان ہی کے افراد تھے تو اسی طرح لفظ نور کا مصداق ہونے کے باوجود وہ نوع انسان سے خارج نہیں بلکہ انسان کے ہی نورانی افراد تھے۔ کیونکہ نور کا اطلاق ان پر اسی طرح تشبیہ کی وجہ سے مجازاً ہوا۔ جس طرح قرآن پاک اور دیگر آسمانی کتابوں پر ہوا۔ اور جس طرح کہ وہ کتابیں وجود نور کے وصف سے متصف ہونے کے کتاب کی نوع سے خارج نہیں اسی طرح یہ نفوس مقدسہ بھی نوع انسان سے خارج نہیں۔

اطلاق نور بر قرآن

آیت مبارکہ ﴿ قَدْ جَاءَ كُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتَابٌ مُّبِيْنٌ ﴾ سورہ مائدہ: آیت نمبر ۱۵'' کے معنی مراد کے متعلق تیسرا احتمال۔

سابقاً گزر چکا ہے کہ اس آیت مبارکہ کے معنی مراد کے متعلق تیسرا احتمال یہ ہے کہ نور اور کتاب مبین ہر دو لفظوں سے مراد قرآن پاک ہے۔ اس احتمال کی تقدیر پر واؤ عاطفہ تفسیر کیلئے ہوگی۔ لہٰذا معنی یہ ہوگا۔ کہ اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور یعنی کتاب مبین آئی ہے۔ ابو علی جبائی نے جو اہلسنت کے مفسر ہیں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان الجزالثالث: ص ۱۷۴۔ تفسیر البیان: جلد

نمبرا:ص ۵۲۱۔تفسیر الصافی:ص ۱۲۵۔"و قیل عنی به القرآن لا نه یبین الحق من البا طل عن أبی علی الجبائی" کہ بعض نے کہا ہے کہ نور سے مراد قرآن پاک ہے کیونکہ وہ حق کو باطل سے ممتاز اور واضح کرتا ہے۔یہ مجمع البیان کے الفاظ ہیں۔اور تفسیر صافی کے الفاظ یہ ہیں۔"وقیل کلاهما القرآن وأید بتوحید الضمیر فی به" کہ بعض نے کہا ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں الفاظ سے مراد قرآن کریم ہے اور اس قول کی تائید اس سے کی گئی ہے کہ "به" کے لفظ میں ضمیر مفرد کی واقع ہوئی ہے۔اگر نور سے مراد اور چیز ہوتی اور کتاب سے مراد دیگر چیز تو پھر یہ لفظ "به" نہ ہوتا بلکہ "بهما" ہوتا۔یعنی تثنیہ کی ضمیر لائی جاتی۔مگر تثنیہ کی نہیں مفرد کی ضمیر لائی گئی ہے۔لہٰذا معلوم ہوا کہ نور اور کتاب مبین ہر دو سے مراد ایک ہی چیز ہے کہ جو قرآن کریم ہے۔

﴿فَالَّذِيْنَ آمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

کہ وہ لوگ جو رسول پاکؐ پر ایمان لائے اور آپ کی انہوں نے نصرت اور تائید کی۔اور اس نور کا انہوں نے اتباع کیا جو آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔یہی لوگ وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔

(سورہ الاعراف۔آیت نمبر ۱۵۷)

اس آیت مبارکہ میں جو لفظ "النور" وارد ہوا ہے اس سے حسب روایت عیاشی از امام محمد باقر علیہ السلام و بروایت کافی کلینی از امام جعفر صادق علیہ السلام مراد علی علیہ السلام ہیں۔جیسا کہ تفسیر صافی:ص ۲۱۷ اور تفسیر البرہان: جلد نمبرا:ص ۳۷۰۔۳۷۱۔تفسیر عمدۃ البیان: جلد نمبرا:ص ۴۳۷ میں منقول ہے۔لیکن بعض علماء نے اس مقام پر نور سے مراد قرآن کریم لیا ہے۔چنانچہ مولانا فرمان علی مرحوم اپنے ترجمہ میں لکھتے ہیں۔اور اس نور "قرآن" کی پیروی کی جو اسکے ساتھ نازل ہوا ہے۔نیز تفسیر صافی:ص ۲۱۷ میں بھی تحریر ہے۔"قیل النو

ر القرآن" کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ "نور" سے مراد قرآن پاک ہے۔

صاحب تفسیر عمدۃ البیان تحریر فرماتے ہیں "و اتبعوا" اور پیروی کی انہوں نے ﴿النور الذی انزل معہ﴾ نور کی جو نازل کیا گیا ہے ہمراہ اسکے کہ وہ قرآن ہے۔

صاحب تفسیر البیان لکھتے ہیں ملاحظہ ہو۔ جلد نمبر ۱: ص ۷۵۹۔ "و اتبعو االنور الذی انزل معہ یعنی القرآن سماہ نور الانہ یھتدی بہ کما یھتدی بالنور"۔ کہ اس آیت مبارکہ ﴿و اتبعو النور الذی انزل معہ﴾ میں "النور" سے مراد قرآن ہے۔ قران کا نام نور اس وجہ سے رکھا ہے کہ اسکے ذریعہ اسی طرح ہدایت حاصل کی جاتی ہے جس طرح کہ نور کے ذریعہ راستے کا علم حاصل کیا جاتا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان الجزء الثالث: جلد نمبر ۲: ص ۴۴۸۔ "و اتبعوا النور معناہ القرآن الذی ھو نور فی القلوب کما ان الضیاء نور فی العیون و یھتدی بہ الخلق فی امور الدین کما یھتدون بالنور فی امور الدنیا۔

کہ آیت مبارکہ ﴿و اتبعوا النور﴾ میں "نور" کا مُرادی معنی وہ قران پاک ہے کہ جو اہل ایمان کے دلوں میں اسی طرح نور ہے جس طرح کہ آنکھوں میں روشنی نور ہوتی ہے۔ اور امور دین میں اسکے ذریعہ اسی طرح ہدایت اور رہبری حاصل کی جاتی ہے جس طرح امور دنیا میں روشنی کے ذریعہ رہبری حاصل کی جاتی ہے۔ ﴿فَآمِنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا﴾

کہ اللہ اور اسکے رسولؐ کیساتھ ایمان لاؤ اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے۔ (سورۃ التغابن ۶۴۔ آیت نمبر ۸)

اس آیت مبارکہ میں جو لفظ "النور" وارد ہوا ہے اس سے بھی بعض لوگوں نے قرآن پاک مراد لیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ تفسیر الصافی: ص ۴۵۳۔ تفسیر المیزان: جلد نمبر ۱۹: ص ۳۴۷۔ تفسیر مجمع البیان: جلد نمبر ۵ ص ۲۹۹۔ تفسیر البیان: جلد نمبر ۲: ص ۶۸۱۔

تفسیر عمدۃ البیان: جلد نمبر ۳: ص ۴۱۱۔ البیان در مجمع البیان کے الفاظ تقریباً یہ ہیں ﴿والنور الذی انزلنا﴾ و هو القرآن سماه نور المافیه من الادلة و الحجج الموصلة الی الحق فشبه بالنور الذی یهتدی به الی الطریق۔

کہ اس آیت مبارکہ ﴿والنور الذی انزلنا﴾ میں لفظ نور سے مراد قرآن پاک ہے۔ ان دلائل اور براہین کے باعث اسے نور کے لفظ سے موسوم کیا ہے جو اسی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اور حق کی رہبری کرنے والے ہیں۔ قرآن پاک کو نور بمعنی روشنی سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ روشنی کے ذریعہ راستے کا علم حاصل کیا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس آیت میں نور سے قرآن پاک کو تشبیہ دی گئی اور پھر لفظ نور بول کر مجازاً قرآن مراد لیا گیا ہے۔ ﴿يَآ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾

اے لوگو! تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک محکم دلیل آ چکی ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف ایک وضاحت کرنے والا نور نازل کیا۔ (سورۃ النساء ۴۔ آیت نمبر ۱۷۴)

اس آیت میں جو لفظ ﴿نُوْرًا مُّبِيْنًا﴾ واقع ہوا ہے اس نور مبین سے بعض لوگوں نے قرآن پاک مراد لیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو تفسیر مجمع البیان: جلد نمبر ۲: ص ۱۲۷۔ تفسیر البیان: ص ۴۹۶۔

تفسیر عمدۃ البیان: جلد نمبر ۱: ص ۲۸۰۔ تفسیر الصافی: ص ۱۲۱۔ اگرچہ روایات معصومین علیہم السلام میں نور مبین سے جناب امیر علیہ السلام اور امامت کا مراد ہونا بھی وارد ہوا ہے لیکن چونکہ امام کی ذات بھی تشبیہ اور مجاز کے طریقہ پر ہی مراد ہو سکتی ہے۔ اور قرآن پاک بھی مجازاً ہی مراد ہو سکتا ہے۔ کیونکہ نور کا لغوی حقیقی معنی تو روشنی ہے جیسے سابقاً بارہا بیان ہو چکا۔ لہٰذا جن لوگوں نے قرآن پاک مراد لیا ہے انہوں نے روشنی سے تشبیہ دے کر مجازاً ہی مراد لیا ہے۔

چنانچہ التبیان کے الفاظ یہ ہیں۔

"و ذالك النور هو القرآن الذی انزله اللّٰه علی محمدؐ و هو قول مجاهد و قتادہ و السدی و ابن جریح و جمیع المفسرین و انما سماہ نور الما فیہ من الدلالۃ علی ما امر اللّٰہ بہ و نہی عنہ و الاهتداء بہ تشبیها بالنور الذی یهتدی بہ فی الظلمات"۔

کہ اس نور سے مراد وہ قرآن پاک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر نازل فرمایا۔ مجاہد، قتادہ، سدی ابن جریح اور تمام مفسرین کا یہی قول ہے۔ اسکا نام نور اسلئے رکھا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی پر دلالت اور رہبری موجود ہے۔ اور یہ نام اسے اس روشنی کے ساتھ تشبیہ دینے کی وجہ سے دیا گیا ہے کہ جس کے ذریعہ تاریکیوں میں رہنمائی حاصل کی جاتی ہے۔

ان تمام آیات میں جبکہ نور سے مراد قرآن لیا جا سکتا ہے تو کیا اس سے قرآن پاک کتاب نہیں رہے گی۔ بدل کر کچھ اور چیز ہو جائے گی ہرگز نہیں۔ قرآن پاک نور بھی ہے اور پھر بھی کتاب ہے۔ اسی طرح محمدؐ وآلِ محمد علیہم السلام نور بھی ہیں اور انسان بھی ہیں۔ نوع انسان سے خارج نہیں ہیں۔ ورنہ قرآن پاک میں انکو انسان نہ کہا جاتا۔ حالانکہ سابقاً اس کثرت سے انکی انسانیت پر آیات واحادیث پیش کی جا چکی ہیں کہ قرآن وحدیث پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص اسکا انکار نہیں کر سکتا۔

نورانیت توریت

صرف قرآن پاک کو ہی نہیں بلکہ توریت کو بھی نور سے متصف کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی نُوْرًا وَّ هُدًی لِّلنَّاسِ﴾

کہ اے نبی آپ کہئے کہ اس کتاب کو کس نے نازل کیا جسے موسیٰ علیہ السلام لائے تھے۔ جبکہ وہ

لوگوں کیلئے نور اور ہدایت تھی۔ (سورۃ الانعام ۶۔آیت نمبر ۹۱)

جناب موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل ہوئی تھی۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسے نور کہا ہے نیز اسے ہدایت بھی کہا ہے۔اور ظاہر ہے کہ توریت کو روشنی کے ساتھ تشبیہ دینے کے باعث ہی مجازاً نور کہا ہے۔کیونکہ توریت بھی اسی طرح ہدایت اور رہنمائی کا باعث تھی جس طرح کہ روشنی رہنمائی کا باعث ہوتی ہے۔

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰاةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾

بے شک ہم نے توریت کو نازل کیا اس میں ہدایت اور نور تھا۔ (سورۃ المائدہ ۵۔آیت نمبر ۴۴)

اس آیت سے بھی توریت کی نورانیت ثابت ہے۔اس میں ہدایت ورشد کے جو دلائل وودیعت کئے گئے تھے انکی رہنمائی میں روشنی سے تشبیہ دے کر انکے لئے نور کا استعارہ کیا گیا ہے۔اور انہیں مجازاً نور کہا گیا ہے۔یہی صورت امام اور نبی کی بھی ہوتی ہے کیونکہ وہ بھی ہادی اور رہنما ہوتے ہیں۔اسلئے انکو بھی نور بمعنی روشنی سے تشبیہ حاصل ہوتی ہے۔لہٰذا وہ نور کہلاتے ہیں۔

نورانیت انجیل

﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ﴾

اور ہم نے اسے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور تھا۔ (سورۃ المائدہ ۵۔آیت نمبر ۴۶)

انجیل میں بھی چونکہ مثل توریت ہدایت ورشد اور علم وعرفان کے دلائل ودیعت تھے۔جن کے باعث راہ حق اور صراط مستقیم کی رہنمائی کرتی تھی۔لہٰذا اسے بھی نور کہا گیا۔کیونکہ نور روشنی کا نام ہے جس کا کام رستے اور دیگر تمام اشیاء کو ظاہر کر دینا ہے۔اس

لئے انجیل کو بھی اسکے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ اور مثل قرآن وتوریت اس میں ودیعت کردہ علم وحکم اور دلائل و براہین کیلئے نور کا استعارہ کیا گیا۔

ایمان وعرفان بھی نور ہے اور کفر وشرک اور ضلالت وفسق ظلمات ہیں

﴿ اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمَاتِ اِلَی النُّوْرِ ﴾

اللہ تعالی ان لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے۔ انکو اللہ تعالی تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۲۵۷)

اس آیت میں نور سے مراد ایمان وعرفان، توبہ اور مغفرت ہے کیونکہ وہ قلب مومن سے فسق وفجور اور کفر وشرک کی گھٹاؤں کو دور کر کے روشن کردیتے ہیں۔ یعنی روشنی سے انکو تشبیہ حاصل ہے۔ اسلئے انکے لئے نور کا استعارہ کیا گیا ہے۔ اسکے بعد قدرت کا ارشاد ہے۔

﴿ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَوْلِیٰٓئُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ ﴾

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کرلیا ان کے سرپرست اور انکے وڈیرے شیطان ہیں۔ جو ان کو نور سے نکال کر تاریکیوں کیطرف لے جاتے ہیں۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۲۵۷)

اس آیت میں بھی نور کا علم وعرفان اور ہدایت ورشد کیلئے استعارہ کیا گیا ہے۔ اور اسکے برعکس کفر وشرک اور فسق وفجور وغیرہ کے لئے ظلمات کا استعارہ کیا ہے۔ اور یہ استعارہ قران کریم میں بکثرت مقامات پر واقع ہوا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو۔

﴿ وَیُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِہٖ ﴾ کہ اللہ تعالی اس کتاب مبین کے ذریعہ جن لوگوں کو چاہتا ہے انہیں اپنے اذن سے کفر وشرک اور فسق وفجور وغیرہ کی" تاریکیوں سے نکال کر" ایمان اور معرفت وتقویٰ کے نور کی طرف پہنچا دیتا ہے۔

(سورۃ المائدہ ۵۔ آیت نمبر ۱۶)

﴿الٓرٰ۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

"یہ قرآن پاک ایسی" کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اسلئے نازل کیا ہے کہ تو لوگوں کو کفر وشرک اور فسق وفجور اور ضلالت وجہالت وغیرہ کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان وعرفان، عدالت وتقویٰ اور ہدایت ورشد کے نور کی طرف نکال دے۔ (سورۃ ابراہیم ۱۴۔ آیت نمبر ۱)

﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو معجزات کے ساتھ مبعوث کیا "اور اسے حکم دیا" کہ اپنی قوم کو "کفر وغیرہ" کی تاریکیوں سے نکال کر" ایمان ومعرفت وغیرہ کے" نور تک پہنچا دو۔ (سورۃ ابراہیم ۱۴۔ آیت نمبر ۵)

﴿هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْكُمْ وَمَلٰٓئِكَتُهٗ لِیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

وہی تو وہ خدا ہے جو تمہارے اوپر رحمت نازل کرتا ہے۔ اور اسکے فرشتے تمہارے لئے طلب رحمت کرتے ہیں۔ اور ایسا اسلئے ہوتا ہے کہ وہ تمہیں کفر وشرک کی تاریکیوں سے نکال کر "ایمان وغیرہ" کے نور کی طرف پہنچا دے۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳۔ آیت نمبر ۴۳)

﴿هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖٓ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

وہی تو وہ خدا ہے جو اپنے بندے پر روشن اور واضح آیات اسلئے نازل کرتا ہے کہ وہ تمہیں کفر وشرک وغیرہ کی" تاریکیوں سے نکال کر "ایمان وعرفان وغیرہ کے نور کی طرف لے جائے۔ (سورۃ الحدید ۵۷۔ آیت نمبر ۹)

﴿قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر یعنی رسولؐ پاک کو نازل کیا ہے۔ جو تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کی واضح آیات کی اسلئے تلاوت کرتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے۔ اور جنہوں نے عمل صالح کئے ان کو کفر وشرک اور ضلالت فسق وغیرہ کی تاریکیوں سے نکال کر "علم وعرفان اور ایمان وایقان وغیرہ کے نور کیطرف لے جائے۔ (سورۃ الطلاق ۶۵۔ آیت نمبر ۱۰۔ ۱۱)

ان تمام آیات سے مثل روز روشن واضح ہے کہ نور کا اطلاق مجازاً ایمان وایقان اور علم وعرفان کیلئے بلکہ ہر کمال کیلئے قرآن وحدیث میں کثرت کے ساتھ واقع ہے۔اور اسی سے یہ امر بھی واقع ہو جاتا ہے کہ جب ایمان وعرفان کو نور کہا جاتا ہے تو صاحب ایمان و عرفان یعنی مومن وعارف بندہ یقیناً نوری ہے۔اور درج ذیل آیات واحادیث سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے۔

از روئے قرآن وحدیث ہر مومن نوری ہے

﴿ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾

تو کیا وہ شخص جس کے سینہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور اس وجہ سے وہ اپنے رب کی طرف سے ایمان وعرفان اور ہدایت و رشد کے نور پر فائز ہو وہ گمراہوں کے برابر ہوسکتا ہے۔
(سورۃ الزمر ۳۹۔آیت نمبر ۲۲)

" فھو علی نور" کے الفاظ اس مطلب کیلئے نص ہیں کہ ہر مومن وعارف نوری ہوتا ہے۔

﴿ اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾

کیا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اس کو ایسا ایمان وعرفان کا نور مرحمت کر دیا جس کے ذریعہ وہ لوگوں میں بابصیرت ہو کر چلتا پھرتا ہے۔اس شخص کی مانند ہوسکتا ہے کہ جو کفر و ضلالت اور شرک وخباثت کی "تاریکیوں میں گرفتار ہو کر ان سے باہر نکل ہی نہ سکتا ہو" یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔(سورۃ الانعام ۶۔آیت نمبر ۱۲۲)

" وجعلنا لہ نورا " کے الفاظ نصاً دلالت کر رہے ہیں کہ صاحب ایمان و عرفان منجانب اللہ عطیہ نور پر فائز ہوتا ہے۔

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ

يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾

اے وہ لوگو! جنہوں نے ظاہراً ایمان کا ادعا کیا ہے۔ اللہ سے ڈرو اور ''صدق قلب'' سے اس کے رسول پر ایمان لے آؤ تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے دو حصے تمہیں عطا کرے گا۔ اور تمہیں ایسا ''نور ایمان'' عطا کرے گا جسکے ذریعہ تم ''بڑی بصیرت سے'' چلو پھرو گے۔ اور وہ تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ بے شک بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ (سورۃ الحدید ۵۷۔ آیت نمبر ۲۸)

کتاب عیون الرضاؑ: جلد نمبر ۲: ص ۲۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے والد ماجد حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ فرمایا! کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب کی ایک جماعت ایک مرتبہ چاندنی رات میں بیٹھی ہوئی تھی۔ حضرت خود بھی انکے ساتھ تشریف فرما تھے۔ انہوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ اے فرزند رسولؐ! آسمان کا یہ سماں کیا ہی خوبصورت ہے اور یہ ستارے کس قدر نورانی ہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا! کہ تم تو یہ کہہ رہے ہو''۔

''و ان المدبرات الاربعة جبرئیلؑ و میکائیلؑ و اسرافیلؑ و ملك الموت ينظرون ألى الارض فيرونكم و اخوانكم و فى اقطار الارض و نوركم ألى السموات و اليهم احسن من نور هذه الكواكب و انهم ليقولون كما تقولون ما أحسن انوار هؤلآء المومنين''

فرمایا! کہ تم تو یہ کہہ رہے ہو۔ حالانکہ چاروں مدبرات یعنی جبرائیلؑ۔ میکائیلؑ۔ اسرافیلؑ اور عزرائیلؑ زمین کی طرف نگاہ کر رہے ہیں۔ اور تمہیں اور تمہارے دیگر صاحبان ایمان بھائیوں کو اطراف زمین میں دیکھ رہے ہیں۔ اور تمہارا ''نور'' ان ستاروں کے نور سے بھی زیادہ خوبصورتی کے ساتھ آسمانوں کی طرف اور ان فرشتوں کی طرف بلند تر ہو رہا ہے۔ اور جس طرح تم ان ستاروں کے متعلق کہہ رہے ہو اسی طرح وہ تمہارے متعلق کہہ رہے ہیں کہ ان مومنین کا نور کس قدر خوبصورت ہے۔

اصول الکافی: جلد نمبر ۳: ص ۱۴ مطبوعہ طہران جدید۔ ۱۳۸۲ھ حدیث نمبر ۲۔ مراۃ

العقول شرح اصول الکافی: جلد نمبر ا:ص ۷ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ جس میں حضرت نے عالم ذر کا تذکرہ فرمایا! کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو انکی پشت سے انکی اولاد کو اسلئے نکالا کہ ان سے اپنی ربوبیت اور ہر نبی کی نبوت پر ایمان لانے کا میثاق اور عہد و پیمان لے۔ اور سب سے پہلے جس نبی کی نبوت کے متعلق ان سے عہد لیا گیا وہ آنحضرتؐ تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ نگاہ اٹھا کر دیکھئے کیا چیز آپکو نظر آتی ہے۔ حضرت آدمؑ نے دیکھا تو انکی اپنی اولاد نظر آئی جو نہایت چھوٹی چھوٹی مخلوق کی ہیئت میں تھے۔ اور اتنی کثرت سے تھے کہ انہوں نے آسمان کو پُر کر رکھا تھا۔

حضرت آدمؑ نے جب اپنی اولاد کو دیکھا تو عرض کیا کہ پروردگار! میری اولاد کس قدر کثرت سے ہے۔ اور اے پروردگار کسی امر عظیم کیلئے تو نے انکو پیدا کیا ہے۔ ان سے عہد و پیمان لینے سے تجھے کیا مقصود ہے؟ تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا! کہ میں چاہتا ہوں کہ یہ میری عبادت کریں۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ میرے رسولوں پر ایمان لائیں اور انکی اتباع اور فرمانبرداری کریں۔

حضرت آدمؑ نے عرض کیا کہ پروردگار! اسکی کیا وجہ ہے کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کی نسبت زیادہ عظمت والے ہیں۔

"و بعضھم له نو ر کثیر و بعضھم له نو ر قلیل و بعضھم لیس له نو ر؟

اور ان میں سے بعض کا نور بہت زیادہ ہے اور بعض کا نور تھوڑا ہے۔ اور بعض تو بالکل نور کے بغیر ہیں۔ انہیں کوئی نورانیت حاصل نہیں؟ (انتھی بقد ر الحا جة)

ان آیات واحادیث کے ذریعہ یہ امر مثل روز روشن واضح ہے کہ ہر مومن نوری ہے۔ لیکن تمام مومنین کی نورانیت یکساں اور برابر نہیں بلکہ کسی کی نورانیت کم ہے، کسی کی اس

سے زیادہ، کسی کی اور زیادہ حتیٰ کہ نوبت انبیاء اور آئمہ معصومین تک پہنچتی ہے۔ اور اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کی نورانیت ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ فرط نورانیت کے باعث انہیں عین نور سے تعبیر کرنا بھی درست ہے۔ اور " نو ر علی نو ر" کے وصف سے متصف کرنا بھی صحیح اور بجا ہے۔ بلکہ انہیں نور الانوار کہنا بھی اسلئے صحیح ہے کہ ہر صاحب ایمان کو اور ہر صاحب کمال کو ہر قسم کا کمال انکے واسطہ اور وسیلہ سے ہی حاصل ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو اپنی مخلوق کیلئے علی الاطلاق ہادی اور رہنما بنا کا مبعوث کیا۔ نیز وہ تمام عالم دنیا کی خلقت کیلئے علت غائیہ ہیں۔ اسلئے ہر صاحب نور نے ان سے ہی نورانیت کا فیض حاصل کیا ہے۔ پھر چونکہ ایمان کے مدارج مختلف ہیں ان میں تفاضل پایا جاتا ہے۔ بعض مومنین کو دوسرے بعض پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ بعض کا ایمانی درجہ دوسرے بعض کی نسبت بلند ہوتا ہے۔ اسلئے مومنین کی نورانیت میں بھی کمی بیشی اور تفاضل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے حضرت آدمؑ نے عالم ذر میں جب اپنی اولاد کو دیکھا تو ان میں بعض کی نورانیت دوسرے بعض سے زیادہ نظر آئی۔ اور بعض نورانیت سے خالی پائے گئے۔ جب آیات احادیث کے ذریعہ ثابت ہوا کہ ایمان نور ہے۔ اور ہر مومن نوری ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر مومن اسلئے خاکی کہلاتا ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے۔ اور حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ تو معلوم ہوا کہ نوری اور خاکی ہونے میں کوئی منافات نہیں۔ لہذا ادارہ الانوار کی طرف سے "نور یا خاک" کے عنوان سے رسالہ شائع کر کے یہ تاثر دینا کہ نوری اور خاکی ہونے میں منافات ہے یہ غلط ہے۔ جو نور کے معنی مجازی اور حقیقی لغوی سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ یا دانستہ طور پر مغالطہ دینے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ اور جب از روئے قرآن وحدیث نوری اور خاکی ہونے میں کوئی منافات نہیں تو پھر معصومین علیہم السلام بھی نوری ہونے کے باوجود خاکی ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں۔

تحقیق در معنی نوع

جب نور کے معنی کی تحقیق ہو چکی تو معنی نوع کی مزید تحقیق کو سپرد قلم کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ کئی ایک کم سواد لوگ اس مزعومہ پر زور دے رہے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ اور الگ ہے۔ اگرچہ نوع انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ گذشتہ بیانات کے ضمن میں بارہا گزر چکا۔ لیکن مستقل عنوان کے تحت نوع کے معانی اور اطلاقات پر روشنی نہیں ڈالی گئی۔ لہٰذا ذیل میں مفصل طور پر اسکی وضاحت کی جاتی ہے۔

لفظ نوع کے اطلاقات

لفظ نوع کا اطلاق تین قسم کے معانی پر ہوتا ہے جن میں دو معانی اصطلاحی ہیں اور ایک لغوی۔ پہلے ہر دو معانی اہل منطق اور ارباب معقولات کی اصطلاح ہے۔ ایک معنی نوع حقیقی کہلاتا ہے۔ اور دوسرا نوع اضافی، علوم وفنون کی بحثوں میں جہاں لفظ نوع کا اطلاق ہوتا ہے وہاں عموماً نوع حقیقی مراد ہوتی ہے۔ موجودات عالم کی تقسیم بھی اسی معنی کے اعتبار سے ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ کیونکہ اس معنی کے اعتبار سے انواع عالم کا انضباط اور امتیاز کامل طور پر متحقق ہوتا ہے۔ اسلئے اہل علم کی عرف میں جب لفظ نوع کا اطلاق ہو تو یہی معنی مراد لیا جاتا ہے۔ ذیل میں ہر معنی کی بقدر ضرورت وضاحت کی جاتی ہے۔

نوع حقیقی کا بیان

اہل عقل وارباب معقول کے نزدیک ہر معنی اور مفہوم کی ابتداء دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک جزئی اور دوسرے کلی۔ جزئی وہ معنی ہوتا ہے جو صرف ایک مخصوص چیز پر ہی صادق آتا ہے۔ ایک سے زائد پر صادق نہیں آسکتا۔ اور برعکس اسکے کلی وہ معنی ہوتا ہے جو

متعدد چیزوں پر صادق آسکتا ہے۔

پھر کلی پانچ قسموں پر منقسم ہوتی ہے۔(۱) نوع حقیقی (۲) جنس حقیقی (۳) فصل (۴) خاصہ (۵) عرض عام۔ ان پانچوں میں سے نوع حقیقی اس کلی کو کہا جاتا ہے جو ایسی متعدد اشیاء پر صادق آتی ہے جو اپنی ماہیت کے اعتبار سے متفق ہوتی ہیں۔ یعنی ان کی الگ الگ ماہیتیں نہیں ہوتیں بلکہ سب کی ماہیت ایک ہوتی ہے۔ اور یہ کلی انکی مکمل ماہیت پر دلالت کرتی اور کل ماہیت کی آئینہ برداری کرتی ہے۔ مثلاً۔ انسان، گھوڑا، اونٹ، کیونکہ ان میں سے ہر لفظ ایسی متعدد اشیاء پر صادق آتا ہے جو اپنی ماہیت میں متفق ہیں۔ اور یہ الفاظ ان اشیاء کی پوری ماہیت پر دلالت کرتے ہیں۔

انسان اپنے جن جن افراد پر صادق آتا ہے ان سب کی ماہیت ایک ہی ہے۔ اور لفظ انسان انکی پوری اور مکمل ماہیت کی عکاسی کرتا ہے علی ہذا القیاس۔ گھوڑا جن جن چیزوں کو کہا جاتا ہے ان سب کی ماہیت یکساں ہے۔ اور لفظ گھوڑا ان سب کی پوری ماہیت کی آئینہ برداری کرتا ہے۔ اسی طرح لفظ اونٹ اپنے جن جن افراد پر صادق آتا ہے وہ سب اپنی ماہیت میں اتفاق رکھتے ہیں۔ اور یہ لفظ ان سب کی پوری ماہیت پر دلالت کرتا ہے۔ لہٰذا ارباب معقول کے ہاں ان الفاظ میں سے ہر لفظ نوع حقیقی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ موجودات عالم کے انواع میں سے انسان ایک مستقل نوع حقیقی ہے۔ اسی طرح گھوڑا الگ نوع حقیقی ہے، اونٹ الگ نوع حقیقی ہے۔ اور ان سے ہر ایک کے افراد اپنی اپنی نوع کے لحاظ سے اپنی حقیقت اور ماہیت میں اتفاق رکھتے ہیں کوئی اختلاف نہیں رکھتے۔

جنس حقیقی کا بیان

جنس حقیقی اس کلی کو کہا جاتا ہے جو ایسی متعدد اشیاء پر صادق آتی ہے جو متفقہ

الماہیت نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ اپنی اپنی ماہیت میں دوسری ان چیزوں سے اختلاف رکھتی ہیں جن پر وہ کلی صادق آتی ہے۔اور یہ کلی ان چیزوں میں سے کسی بھی چیز کی پوری ماہیت کی آئینہ برداری نہیں کرتی۔ بلکہ ان میں ہر ایک کی ماہیت کے ایسے جز پر دلالت کرتی ہے جو ان کے ماہیات میں اشتراک رکھتا ہے۔اور اشتراک میں اسے یہ حیثیت اور شان حاصل ہوتی ہے کہ وہ تمام مشترکات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ مثلاً حیوان ۔جسم نامی۔جسم مطلق یہ تمام الفاظ ارباب معقول کے ہاں جنس حقیقی کی مثالیں ہیں۔کیونکہ یہ ایسی متعدد اشیاء پر صادق آتی ہیں جن کی ماہیتیں مختلف ہیں۔مثلاً حیوان کا معنیٰ ہے جاندار زندگی رکھنے والا۔ یہ معنیٰ انسان، گھوڑے۔ گدھے وغیرہ بہت سی چیزوں پر صادق آتا ہے۔کیونکہ یہ سب زندگی رکھنے والی چیزیں ہیں لیکن انکی ماہیات مختلف ہیں۔انسان کی ماہیت گھوڑے اور گدھے سے جداگانہ ہے۔اور گھوڑے کی ماہیت اور حقیقت انسان اور گدھے ،اونٹ وغیرہ سے الگ ہے ۔اور گدھے کی حقیقت وماہیت انسان وغیرہ سے علیحدہ ہے۔مگر یہ سب کے سب ماہیات حیوان ہونے میں باہم اتفاق اور اشتراک رکھتے ہیں۔اور حیوانیت ان کی ماہیات کا ایسا جز ہے جو تمام ان امور پر حاوی ہے۔ جو ان ماہیات میں مشترکہ ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ماہیات جسم مطلق اور جسم نامی ہونے میں بھی باہم اشتراک رکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ماہیات جسم مطلق اور جسم نامی ہونے والے معانی کو بھی جامع اور حاوی ہے۔ لہٰذا حیوان ان تمام مذکورہ چیزوں کی جنس حقیقی ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جسم نامی کا معنیٰ ہے نشوونمار کھنے والا جسم ۔یہ معنیٰ جہاں انسان اور اونٹ ،گھوڑے وغیرہ میں پایا جاتا ہے وہاں ہر درخت مثلاً کیکر، بیری وغیرہ میں بھی پایا جاتا ہے۔لہٰذا جسم نامی جن جن چیزوں پر صادق آتا ہے انکی ماہیات میں اور بھی زیادہ اختلاف ہے۔اور لفظ جسم ان ماہیات کے صرف ایک جز پر دلالت کرتا ہے۔اور وہ جز بھی ایسا کہ ان

چیزوں میں دیگر جو معنی بھی پایا جاتا ہے جسم نامی ایسے ہر معنی کو حاوی اور جامع ہے۔لہذا جسم نامی ان سب ماہیات کی جنس حقیقی ہے جن کیلئے جسم نامی تمام مشترک ہے۔

اسی طرح جسم مطلق جمادات، نباتات اور حیوانات سب پر صادق آتا ہے۔اور انکی مجموعی حیثیت کے اعتبار سے یہ انکے ایسے جز پر دلالت کرتا ہے جو ان سب کیلئے تمام مشترک ہے۔اسلئے جسم مطلق ان تمام چیزوں کی جنس حقیقی ہے۔اور یہ امر واضح اور ظاہر ہے کہ حیوان دیگر دونوں معانی کی نسبت خاص ہے۔اور جسم نامی جسم مطلق سے خاص ہے۔اور جسم مطلق ان سب سے عام ہے۔اور جسم نامی حیوان کی نسبت عام ہے۔

نوع حقیقی اور جنس حقیقی کی باہمی نسبت کا بیان

گذشتہ توضیح سے بخوبی سمجھ میں آجاتا ہے کہ نوع حقیقی اور جنس حقیقی میں باہم تباین کلی کی نسبت ہے۔کیونکہ نوع حقیقی متفق الحقیقت چیزوں پر صادق آتی ہے۔اور جنس حقیقی اسکے برعکس مختلف الحقیقت اشیاء پر صادق آتی ہے۔

نیز نوع حقیقی اپنے افراد کی مکمل اور پوری ماہیت وحقیقت پر دلالت کرتی ہے۔مگر اسکے برعکس جنس حقیقی اپنے افراد کی صرف جز پر دلالت کرتی ہے۔نیز نوع حقیقی اور جنس حقیقی باہم ایک دوسرے کی قسیم ہیں کیونکہ یہ دونوں کلی کی قسمیں ہیں۔اور اہل عقل کے نزدیک مسلمہ کلیہ ہے کہ "قسیم الشئی مبائنہ" کہ کسی چیز کا قسیم اسکے مبائن ہوتا ہے۔لہذا ان دلائل کے باعث نوع حقیقی اور جنس حقیقی کا باہم متبائن ہونا ایک نہایت ہی واضح امر ہے۔اسلئے ہر وہ شئی جو نوع حقیقی کا مصداق ہے وہ جنس حقیقی کا مصداق نہیں بن سکتی۔اور جو جنس حقیقی کا مصداق ہے وہ نوع حقیقی کا مصداق نہیں ہوسکتی ہے۔مثلاً انسان جب نوع حقیقی کا مصداق ہے تو وہ جنس حقیقی کے مصداق ہرگز نہیں ہوسکتا۔اور برعکس اسکے حیوان یا جسم نامی جنس حقیقی کا مصداق ہیں تو وہ نوع حقیقی کے مصداق ہرگز نہیں ہوسکتے۔ "فتامل و تدبر و تشکر"۔

انسان جنس حقیقی نہیں

مندرجہ بالا توضیح سے ان لوگوں کی غلط فہمی کا بھی ازالہ ہو جاتا ہے جنہوں نے نہ صرف قرآن وحدیث کے خلاف بلکہ عقل سلیم کے بھی خلاف اس غلط نظریہ کا اظہار کیا ہے۔ بلکہ اسی پر ان کو اصرار بھی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نوع انسانی نوع سے علیحدہ اور جداگانہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان انبیاء، آئمہ علیہم السلام اور دیگر انسانوں کیلئے اسی طرح جنس حقیقی ہے جس طرح کہ حیوان، گھوڑے اور انسان کیلئے جنس حقیقی ہے۔ اور وہ بعض اوقات نبوت کو انبیاء کیلئے فصل ممیز قرار دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات وحی کو۔ اور بعض اوقات عصمت کو۔ حالانکہ یہ سب ان کیلئے بے بنیاد دعوے ہیں جن کی ان کے پاس نہ کوئی عقلی دلیل ہے نہ نقلی۔ بلکہ دلائل عقلیہ ونقلیہ انکے ان غلط اور بے بنیاد دعوؤں کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں۔ ذیل میں ان دلائل پر مزید روشنی ڈالی جاتی ہے۔

انسان کے جنس حقیقی ہونے کے بطلان کے دلائل

دلیل اوّل:۔ یہ امر بدیہی طور پر مسلم ہے کہ انسان انواع عالم میں سے ایک نوع حقیقی ہے۔ زید، عمرو، بکر وغیرہ جسکی جزئیات ہیں۔ اور سابقہ بیانات میں نہایت وضاحت سے ثابت ہو چکا ہے کہ جو چیز نوع حقیقی کا مصداق، وہ جنس حقیقی کا مصداق نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نوع حقیقی اور جنس حقیقی باہم متبائن ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہوسکتا کہ انسان انبیاء، آئمہ اور دیگر انسانوں کیلئے اسی طرح جنس حقیقی ہے جس طرح کہ حیوان، گھوڑے اور انسان کیلئے جنس حقیقی ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ انسان نوع حقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ جنس حقیقی بھی ہو۔ حالانکہ یہ اجتماع متباینین ہے جو کہ محال ہے۔

حیوان بے شک گھوڑے اور انسان کیلئے جنس حقیقی ہے مگر حیوان صرف جنس حقیقی ہی ہے۔ وہ نوع حقیقی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اور انسان نوع حقیقی ہے اسلئے وہ جنس حقیقی نہیں ہوسکتا۔ اور جب انسان جنس جنس حقیقی نہیں ہوسکتا تو معلوم ہوا کہ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کی نوع حقیقی انسان ہی ہے۔ انکی کوئی علیحدہ نوع نہیں۔ علیحدہ نوع والا دعوی باطل ہے۔

دلیل دوم:۔ اگر فرض کیا جائے کہ انسان انبیاء، آئمہ اور دیگر انسانوں کیلئے جنس حقیقی ہے تو لازم آئیگا کہ انسان ماہیت انبیاء و آئمہ کی بھی جز ہو۔ اور دیگر انسانوں کی ماہیت کیلئے بھی جز ہو۔ کیونکہ جنس حقیقی اپنے مصداق کی ماہیت کا جز ہوتی ہے۔ حالانکہ انسان تمام انسانوں کی کل ماہیت ہے جز ماہیت نہیں۔ اور جب انسان اپنے مصادیق کیلئے جز ماہیت نہیں تو پھر وہ جنس حقیقی نہیں ہوسکتا۔ اور جب وہ جنس حقیقی نہیں ہوسکتا تو ثابت ہوا کہ وہ ہی انبیاء و آئمہ کی نوع حقیقی ہے۔ اسلئے یہ دعوی باطل ہے کہ انبیاء و آئمہ کی نوع حقیقی انسان نہیں کچھ اور ہے۔

دلیل سوئم:۔ اگر یہ فرض کیا جائے کہ انبیاء و آئمہ کیلئے انسان جنس حقیقی ہے تو لازم آئے گا کہ انبیاء کیلئے بھی کوئی فصل ممیز ہو۔ اور آئمہ کیلئے بھی کوئی نہ کوئی فصل ممیز ضرور ہو۔ کیونکہ اس تقدیر پر نبی بھی انسان کی ایک نوع ہوگی اور امام بھی ایک جداگانہ نوع ہوگی۔ اور ہر نوع کیلئے کوئی نہ کوئی فصل ممیز ضرور ہوتی ہے جو اس نوع کی جز ہوتی ہے اور اسے دیگر انواع سے ممتاز کرتی ہے۔ لہٰذا ضروری ہوگا کہ نبی کی طرح امام کیلئے بھی کوئی فصل ممیز ہو۔ حالانکہ اس کیلئے کوئی فصل ممیز ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ اگر کہا جائے کہ نبوت اور وحی ہی امام کیلئے بھی فصل ممیز ہے تو یہ بداہتہً باطل ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ ہر امام نبی ہو اور ختم نبوت کا مسئلہ غلط ہو جائے حالانکہ یہ محال ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ختم ہوگئی ہے اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ اور اگر کہا جائے کہ نبی کیلئے تو فصل ممیز نبوت ہے لیکن امام

کیلئے فصل ممیز عصمت ہے۔ تو اس سے لازم آئے گا کہ نبی معصوم نہ ہو۔ نیز یہ کہ نبی کی ماہیت امام کی ماہیت سے جداگانہ ہو جائے۔ حالانکہ یہ ہر دو صورتیں باطل ہیں۔ کیونکہ ہر نبی معصوم بھی ہوتا ہے اور نبی اور امام کی نوع بھی ایک ہے۔ انکی نوعیں باہم جداگانہ نہیں ہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ انسان غیر معصوم کے مقابلہ میں امام اور نبی ہر دو کیلئے عصمت فصل ممیز ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ انسان غیر معصوم کو الگ نوع اس وقت کہا جا سکے گا جب اس کیلئے کوئی امر وجودی فصل قرار دیا جائے۔ اس لئے کہ فصل ممیز امر وجودی ہوتا ہے جو جنس حقیقی کے ساتھ ملتا ہے تو دونوں کا مجموعہ نوع کہلاتا ہے۔ غیر معصوم کے مفہوم کو فصل ممیز نہیں قرار دیا جا سکتا کیونکہ وہ امر عدمی ہے وجودی نہیں۔ اور جب انسان غیر معصوم کیلئے کوئی فصل ممیز متحقق نہیں ہو سکتی۔ تو معلوم ہوا کہ عصمت نبی اور امام کیلئے فصل ممیز نہیں بلکہ انکا خاصہ ہے۔

نیز عصمت کو امام کیلئے فصل ممیز قرار دینے کا تقاضا یہ ہے کہ ہر معصوم امام ہو۔ حالانکہ بہت سے معصوم ایسے ہیں جو امام نہیں ہیں۔ کیونکہ جو انبیاء علیہم السلام امام نہیں تھے جیسے مثلاً حضرت لوط علیہ السلام تو وہ معصوم تو تھے۔ اسلئے کہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے مگر وہ امام نہیں تھے۔ اور عصمت کو نبی کیلئے فصل ممیز قرار دینے کا مقتضی یہ ہے کہ ہر معصوم نبی ہو حالانکہ بہت سے معصوم ایسے ہیں جو نبی نہیں۔ مثلاً آئمہ اثنا عشر علیہم الصلوۃ والسلام۔ کیونکہ جناب امیر المومنین علیہ السلام سے لیکر حضرت صاحب العصر والزمان علیہ السلام تک بارہ امام سب کے سب معصوم ہیں مگر کوئی بھی ان میں سے نبی نہیں۔ اور حضرت جناب سیدہ خاتون فاطمہ زہراؑ عصمت کے درجہ پر یقیناً فائز ہیں مگر نہ نبوت کے درجہ پر فائز ہیں نہ امامت کے درجہ پر۔ لہذا معلوم ہوا کہ عصمت کو انبیاء و آئمہ علیہم السلام کیلئے فصل ممیز قرار دینا غلط ہے۔ بلکہ عصمت ایک لطف ربانی ہے جو اس شخص کا خاصہ ہوتا ہے جسے قدرت اس شرف سے مشرف فرما دیتی ہے۔

اور جب امام اور نبی کیلئے نہ نبوت فصل ممیز ہو سکتی ہے نہ عصمت تو دیگر کوئی وصف

ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ جوان کیلئے فصل ممیز قرار دیا جا سکے۔ تو معلوم ہوا کہ انسان نبی اور امام کیلئے جنس حقیقی نہیں بلکہ وہ انکی نوع حقیقی ہے۔

نبوت و امامت کا فصل ممیّز نہ ہونا قرآن وحدیث کی روشنی میں

فصل ممیّز چونکہ اپنی نوع کی جز اور ذاتی ہوتی ہے۔ لہذا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ کسی نوع کی کوئی جزی متحقق اور موجود ہو مگر اس نوع کی فصل ممیّز متحقق نہ ہو۔ حالانکہ کئی ایک انبیاء و آئمہؑ ایسے تھے کہ جن کے متعلق قرآن کریم و احادیث معصومینؑ کے ایسے نصوص موجود ہیں جو دلالت کرتے ہیں کہ ان انبیاء و آئمہؑ کو جب خداوند عالم نے پیدا کیا تو اپنی عمر کے ایک حصے تک با کمال معصوم تھے لیکن وہ نبی یا امام نہ تھے۔ بعد کو اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت یا امامت کے عہدہ پر یا ہر دو کے عہدے پر سرفراز کیا۔ یہ واضح دلیل ہے اس کی کہ نبوت اور امامت نوع انبیاءؑ کی فصل ممیّز نہیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ انسان ان کی جنس حقیقی نہیں بلکہ ان کی نوع حقیقی ہے۔ ذیل میں ان احادیث و آیات کو درج کیا جاتا ہے جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ نبوت و امامت نبی اور امام کے لیے فصل ممیّز نہیں بلکہ خاصہ ممیّزہ ہیں۔

﴿وَ اِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ﴾

اے میرے حبیب! اس وقت کا ذکر کیجئے جب کہ ابراہیمؑ کے رب نے چند چیزوں کے ذریعہ ابراہیمؑ کا امتحان لیا تو ابراہیمؑ نے ان کو پورا کر دیا۔ "اور امتحان میں کامیاب ہوئے"۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ اس کامیابی کے صلہ میں تجھے تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ خوشخبری سنی تو عظمت امامت کے پیش نظر انہوں نے عرض کیا۔ کہ پروردگار! کیا میری اولاد میں سے بھی تو کسی کو اس عظمت سے سرفراز کرے گا۔ تو قدرت نے فرمایا ہاں! لیکن میرا یہ وعدہ تیری اولاد کے ظالموں کو شامل نہ ہوگا۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۱۲۴)

متن آیت کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ایک وقت میں حضرت ابراہیم خود عالم دنیا میں موجود تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ابھی عام لوگوں کے لیے امام نہیں بنایا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مطلوبہ چیزوں کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کا امتحان لیا۔ وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اس کامیابی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو امامت کے عہدہ پر فائز کیا۔

اس سے صاف طور پر ثابت ہے کہ امامت حضرت ابراہیمؑ کی نوع کے لیے فصل ممیز نہیں تھی۔ ورنہ امامت انکی ماہیت اور حقیقت کا جز ہوسکتا تھا۔ کیونکہ اس سے تحصیل حاصل لازم آتی تھی۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ اپنی نوع کے لحاظ سے انسان ہی تھے۔ انسان کے علاوہ ان کی کوئی جداگانہ نوع نہ تھی۔ امامت ایک عہدہ تھا جو ان کو امتحان میں کامیابی کے بعد عطا ہوا۔ لہذا امامت ان کا خاصہ ممیزہ ہوسکتا ہے فصل ممیز نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ہے آیت کے الفاظ کا مدلول۔ اور اس آیت کے بارے میں جو آئمہ معصومینؑ کے ارشادات وارد ہوئے ہیں۔ ان کے لیے ملاحظہ ہو۔

تفسیر البرہان: ج ۱:ص ۱۴۹۔ تفسیر صافی: ص ۴۵۔ "فی الکافی عن زید الشحام قال سمعت ابا عبد اللّٰہ یقول اتخذ ابراهیمؑ عبدا قبل ان یتخذہ نبیا۔ و ان اللّٰہ اتخذہ نبیا قبل ان یتخذہ رسولا و ان اللّٰہ اتخذہ رسولا قبل ان یتخذہ خلیلا۔ و ان اللّٰہ اتخذہ خلیلا قبل ان یتخذہ اماما فلما جمع له الاشیاء قال ﴿أنی جاعلك للناس اماما﴾ قال فمن عظمها فی عین ابراهیمؑ ﴿قال ومن ذریتی۔ قال لا ینال عهدی الظلمین﴾ قال لا یکون السفیه امام التقی"۔

بروایت کافی شریف زید شحام سے روایت ہے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کو یوں فرماتے ہوئے سنا! کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے قبل عبد بنایا۔ اور اللہ جل شانہٗ نے ان کو رسول بنانے سے قبل نبی بنایا۔ اور خلیل بنانے سے قبل رسول بنایا۔ اور امام بنانے سے قبل خلیل بنایا۔

جب کہ یہ ساری چیزیں اس کے لیے اللہ نے جمع کر دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا!
﴿ انی جاعلك للناس اماما ﴾ کہ میں تجھے تمام لوگوں کا امام بنانا چاہتا ہوں۔فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی نگاہ میں امامت کی بہت بڑی عظمت ہونے کے باعث حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ کیا یہ نعمت عظمیٰ میری اولاد میں بھی جاری ہوگی۔تو اللہ جل شانہٗ نے فرمایا کہ ہاں مگر میرا یہ وعدہ ظالموں کو شامل نہ ہوگا۔پھر حضرت صادق آلِ محمدؑ نے فرمایا کہ" احمق وظالم۔متقی پرہیزگار کا امام نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث میں صراحت موجود ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر دنیا میں ایک ایسا وقت بھی گذرا کہ آپکو اس میں نبوت کا مرتبہ حاصل نہ تھا۔اللہ تعالیٰ نے انکو عصمت وعبودیت کے مرتبہ پر فائز کر دیا تھا مگر نبوت کے عہدہ پر فائز نہیں ہوئے تھے۔پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آپکو نبوت کا عہدہ اللہ کی جانب سے عطا ہو گیا مگر آپ رسالت کے عہدہ سے فیضیاب نہیں ہوئے تھے۔پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آپ رسالت کے مرتبہ پر بھی سرفراز ہو گئے مگر اس وقت انکو خُلّت کے مرتبہ سے سرفراز نہیں کیا گیا۔پھر ایک وقت ایسا آیا کہ آپکو خلت کی شان سے بھی نوازا گیا لیکن ابھی امامت کی نعمت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے۔اسکے بعد انکو امامت کا عہدہ دیا گیا اور وہ بھی پہلے انکا امتحان لیا گیا اس کے بعد انہیں یہ شرف عطا کیا گیا۔لہٰذا صادق آلِ محمدؑ کے اس فرمان ذیشان سے مثل روز روشن واضح ہے کہ نبوت، رسالت، امامت وغیرہ ایسے عہدے اور عظیم الشان مراتب ہیں جو حضرت ابراہیمؑ کی ماہیت وحقیقت عالیہ کا جز نہیں تھے بلکہ دنیا میں موجود ہونے کے بعد یکے بعد دیگرے انکو حاصل ہوتے رہے۔اور فصل ممیز ماہیت کا جز ہوتی ہے۔لہٰذا انتہائی وضاحت سے ثابت ہوا کہ نبوت اور امامت وغیرہ نبی اور امام کی ماہیت کیلئے فصل ممیز نہیں ہوتیں۔بلکہ ماہیت نبی وامام بھی صرف انسانیت ہوتی ہے اور وہ نوع انسان کے علاوہ کوئی جداگانہ نوع نہیں

دیکھئے۔ نیز ملاحظہ ہو۔ تفسیر البرہان: جلد نمبر ۱: ص ۱۵۰، ۱۵۱ الطبع جدید۔

" عن جابر عن أبي جعفرؑ قال سمعته يقول ان الله اتخذ ابراهيمؑ عبدا قبل ان يتخذه نبيا و اتخذه نبيا قبل ان يتخذه رسولا و اتخذه رسولا قبل ان يتخذه خليلا و اتخذه خليلا قبل ان يتخذه اماما فلما جمع له هذه الاشياء و قبض يده قال له يا ابراهيم ﴿ انى جاعلك للناس اماما ﴾ فمن عظمها فى عين ابراهيمؑ ﴿ قال و من ذريتى قال لاينال عهدى الظلمين ﴾

صاحب تفسیر البرہان نے بحوالہ کافی شریف جابر سے روایت کی ہے۔ کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے قبل عبد بنایا۔ اور رسول بنانے سے قبل نبی بنایا۔ اور خلیل بنانے سے قبل رسول بنایا۔ اور امام بنانے سے قبل رسول بنایا۔ اور جب یہ چاروں مراتب حضرت ابراہیمؑ کیلئے جمع کر دیئے تو اسکے بعد یوں فرمایا! کہ اے ابراہیمؑ! میں تجھے تمام لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ کی نگاہ عالی میں چونکہ امامت کی بہت بڑی عظمت تھی اسلئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں التجاء کی کہ پرور دگار! کیا یہ عظمت میری اولاد میں سے بھی کسی کو حاصل ہوگی۔ تو قدرت نے فرمایا کہ ہاں ضرور ہوگی۔ لیکن میرا یہ وعدہ ظالموں کو حاوی نہ ہوگا۔

حضرت امام محمد باقرؑ نے بھی بعینہ وہی کچھ فرمایا جو حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا تھا۔ قرآن کریم اور حضرت امام محمد باقرؑ اور حضرت امام جعفر صادقؑ سب کے ارشادات کے مطابق ثابت ہوا کہ نبوت اور امامت نبی کی ذات اور ماہیت کیلئے فصل ممیز نہیں ہوتی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ انسان نبی اور امام کیلئے اس طرح جنس حقیقی نہیں جس طرح حیوان، انسان اور گھوڑے وغیرہ کیلئے جنس حقیقی ہے۔ بلکہ انسان، نبی اور امام کیلئے بھی اسی طرح نوع حقیقی ہے جس طرح دیگر انسانوں کیلئے نوع حقیقی ہے۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ نبی اور امام نوع انسان کے

ایسے اکمل اور عظیم الشان و بلند مرتبہ افراد ہوتے ہیں جو کمال اور شان دوسرے انسانوں کو حاصل نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ عقیدہ قرآن کے بھی خلاف ہے اور آئمہ علیہم السلام کی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ کہ نبی اور امام کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ اور الگ ہوتی ہے۔ قرآن کریم رسول پاکؐ اور آئمہ اثنا عشرہ علیہم السلام کی ذوات مقدسہ پر ایمان رکھنے والا شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان نبی اور امام کیلئے جنس حقیقی ہے۔ اور نبوت یا امامت ان کیلئے فصل ممیز ہے۔ ملاحظہ ہو تفسیر البرہان طبع جدید: جلد نمبر ۱: ص ۱۵۱

"الشيخ المفيد عن أبي الحسن الاسدی عن صالح بن أبي حماد الرازی يرفعه قال سمعت ابا عبد الله الصادق عليه السلام ان الله اتخذ ابراهيمؑ عبدا قبل ان يتخذه نبيا و ان الله اتخذه نبيا ان يتخذه رسولا الی آخره"

اسی روایت کو شیخ مفید علیہ الرحمۃ نے بھی بسند مذکور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے قبل عبد بنایا۔ اور انکو رسول بنانے سے قبل نبی بنایا۔ الی آخرہ۔

اصول الکافی: جلد نمبر ۲: ص ۲۹۰ طبع طہران۔ مراۃ العقول شرح اصول الکافی: جلد نمبر ۱: ص ۲۸۸۔ البرہان: جلد نمبر ۲: ص ۶۵۷ پر مختصراً۔

"الحسين بن محمد عن معلی بن محمد عن علی بن اسباط قال رأيت ابا جعفرؑ و قد خرج علی فأخذت النظر إلی راسه و رجليه لاصف قامته لأصحابنا بمصر فبينا أنا كذلك حتی قعد فقال يا علیؑ ان الله احتج فی الامامة بمثل ما احتج به فی النبوة فقال و آتيناه الحكم صبيا ۔ ﴿ و لما بلغ أشده" "و بلغ اربعين سنة ﴾ فقد يجوز ان يؤتی الحكمة و هو صبی و يجوز ان

یو تاها و هو ابن اربعین سنة"۔

جناب آیت اللہ الحاج شیخ محمد باقر کمرئی نے اس حدیث کو بزبان فارسی حسب ذیل الفاظ میں ترجمہ تحریر فرمایا ہے۔

"علی بن اسباط گوید من امام جواد علیه السلام را دیدم که برائے من بیرون آمده بود و شروع کردم باد نگاه کردن و سراء پائے او را انداز کردم تا اندام او را برائے شیعان مصر وصف کنم در این میان که من در این فکر بودم نشست و فرمود، ای علی براستی خدا در امامت ما حجتی آورده بمانند آنچه در نبوت آورده و فرمود (۱۳۔ مریم) وباو دادیم نبوت را در کودکی که این در باره حضرت یحییٰ است و فرمود (۱۵۔ الاحقاف) و چون ببلوغ رسید و چهل ساله شد رواست که باو بنوت داده شود و کودکی باشد و رواست در سن چهل سالگی باو داده شود"۔

کہ علی بن اسباط کہتا ہے کہ میں نے حضرت جواد امام محمد تقی علیہ السلام کو اس وقت دیکھا کہ جب کہ حضرت میرے لئے باہر تشریف لائے تھے۔ میں نے ان کے سر سے لے کر پاؤں تک نگاہ کی۔ اور سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا کہ ان کے اعضاء مبارکہ اور قد و قامت کا اندازہ کروں۔ کیونکہ مجھے خیال پیدا ہوا کہ میں مصر جا کر وہاں کے شیعوں کو حضورؑ کے اعضاء اور قد و قامت کے اوصاف بیان کروں گا۔ میں ابھی اسی خیال میں تھا کہ حضورؑ بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اے علیؑ! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری امامت کے ذریعہ حجت قائم کرنے میں وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو کہ نبوت میں اختیار فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم نمبر ۱۳ میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا! کہ ہم نے اسے بچپنے میں نبوت عطا فرمائی۔ اور سورہ احقاف نمبر ۱۵ میں فرمایا! کہ جب وہ بلوغت کو پہنچے اور چالیس سال کی عمر کو پہنچے۔ اور یہ بھی جائز ہے

کہ کسی بچپنے میں نبوت عطا کر دی جائے اور کسی کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی جائے۔

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کا یہ فرمان: " فقد یجوز ان یؤتی الحکمة و ھو صبی و یجوز ان یوتاھا و ھو ابن اربعین سنة": کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بچپنے میں نبوت وامامت حاصل ہوجائے۔اور ایسا بھی جائز ہے کہ چالیس سال کی عمر میں عطا ہو۔اس بارے میں نص ہے کہ نبوت اور امامت نبی اور امام کی فصل ممیز نہیں ہوسکتی۔کیونکہ فصل داخل فی الماہیت ہوتی ہے اور جزء ذات شے ہوتی ہے۔اور ظاہر ہے کہ کل اپنے جزء کے بغیر محقق نہیں ہوسکتا۔پیدائش کے بعد ایک عرصہ تک نبی نہ ہونا اور پھر نبوت کا عطا ہونا یہ واضح دلیل ہے کہ نبوت نبی کیلئے فصل ممیز نہیں۔

﴿ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ﴾ (سورۃ القصص ۲۸۔آیت نمبر ۱۴)

اس آیت کی تفسیر ملاحظہ ہو۔تفسیر البرہان: جلد نمبر ۴: ص ۷۹۰۔الصافی: ص ۲۴۰

"ابن بابویہ قال حدثنا أبی رحمہ اللہ قال حدثنا محمد بن یحیٰ عن محمد بن احمد عن احمد بن ھلال عن محمد بن سنان عن محمد بن عبد اللہ بن رباط عن محمد بن النعمان الاحول عن أبی عبد اللہ علیہ السلام فی قول اللہ عز و جل و لما بلغ اشدہ ثمانی عشر سنة و استوی التحی"۔

کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس فرمان باری تعالیٰ ﴿ولما بلغ اشدہ الخ﴾ کے متعلق فرمایا کہ "اشدہ" سے مراد جوانی ہے۔اور "استوی" سے مراد ریش مبارک کا پیدا ہوجانا ہے۔لہٰذا آیت مذکورہ بالا کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا! جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بھرپور جوانی یعنی اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچے اور ان کی ریش مبارک پیدا ہوگئی تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کئے۔

اور ظاہر ہے کہ اس آیت میں علم سے مراد علم نبوت کے علاوہ دیگر کوئی علم مراد نہیں ہوسکتا۔ اور یہ اس لئے کہ یہ بداہتہً باطل ہے کہ اٹھارہ سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام بالکل علم سے بے بہرہ ہوں۔ اور اٹھارہ سال کی عمر کے بعد ان کو علم کا مسمیٰ حاصل ہو۔ بلکہ حق یہ ہے کہ اٹھارہ سال کی عمر سے قبل بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام عصمت اور بہت کچھ علوم وکمالات کے مالک تھے۔ اگر نہ تھا تو علم نبوت نہ تھا۔ لہٰذا اٹھارہ سال کی عمر کے بعد جو علم حاصل ہوا وہ علم نبوت کے علاوہ دیگر کوئی علم نہیں ہوسکتا۔ اور اس سے لازماً یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت اٹھارہ سال کی عمر میں حاصل ہوئی۔ اور یہ اس امر کی دلیل ساطع ہے کہ نبوت فصل ممیز نہیں ہوسکتی۔ بلکہ وہ نبی سے خارج ہوتی ہے۔ اسلئے یہ نظریہ باطل ہے کہ نبی کی نوع انسان نہیں بلکہ انسان سے جداگانہ ہے۔ یہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا تذکرہ۔ اب حضرت یوسف علیہ السلام کی نبوت کا ذکر ملاحظہ ہو۔

﴿ وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ﴾

دیکھو ترجمہ مولانا فرمان علی: ص ۳۷۸۔ اور جب یوسفؑ اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے ان کو حکم "نبوت" اور علم عطا کیا۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔ آیت نمبر ۲۲)

معلوم ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو بھی نبوت جوانی میں عطا ہوئی۔ اور نبوت سے مختص علوم بھی جوانی میں عطا ہوئے۔ اگرچہ اس سے قبل وہ عصمت اور دیگر بہت کچھ علوم ومعارف سے مشرف تھے۔ نیز ملاحظہ ہو:

اصول کافی: ج ۲: ص ۲۸۴۔ باب فی ان الامام متی یعلم أن الامرقد صار الیہ۔ حدیث نمبر ۴۔ یعنی اس مسئلہ کے متعلق باب کہ امام کو کب معلوم ہوتا ہے کہ امامت اس کی طرف منتقل ہوگئی ہے۔

"محمد بن یحیٰ عن محمد بن الحسین عن صفوان قال قلت للرضاؑ أخبرنی

عن الامام متی یعلم انه امام حین یبلغه ان صاحبه قد مضی او حین یمضی؟ مثل أبی الحسن علیه السلام قبض ببغداد و انت هنا؟ قال یعلم ذلك حین یمضی صاحبه قلت بای شیء؟ قال یلهمه اللّٰه"۔

صفوان سے باسناد مذکور روایت ہے کہ کہا میں نے حضرت امام علی رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور یہ فرمائیے کہ امام کو کب پتہ چلتا ہے کہ وہ امام ہوگیا اور امامت کے درجہ پر فائز ہو چکا ہے۔ کیا اس وقت امام کو اس کا پتہ چلتا ہے جبکہ اسے امام سابق کے فوت ہو جانے کی خبر پہنچتی ہے۔ یا اس وقت پتہ چل جاتا ہے جب امام سابق فوت ہوتا ہے؟ جیسے کہ مثلاً حضرت امام موسیٰ کاظمؑ بغداد میں فوت ہوئے اور آپؑ اس وقت یہاں موجود تھے؟ تو فرمایا کہ امام سابق جس وقت فوت ہوتا ہے اسی وقت امام لاحق کو پتہ چل جاتا ہے کہ وہ اب امام ہوگیا ہے۔ میں عرض گزار ہوا کہ امام لاحق کو کس طرح یہ علم حاصل ہوتا ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کا الہام کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام سابق سے امام لاحق کی طرف امامت کا انتقال ہوتا ہے۔ سابق امام اپنی زندگی میں تو خود امام ہوتا ہے۔ اور آئندہ ہونے والا امام اس وقت عصمت و علم وغیرہ شرائط امامت سے متصف ہوتا ہے۔ لیکن ابھی عہدۂ امامت پر بالفعل فائز نہیں کیا گیا ہوتا۔ جب امام سابق دنیا سے انتقال کرتا ہے اس وقت امامت امام لاحق کی طرف منتقل ہوتی ہے۔ اور یہ اس کی واضح دلیل ہے کہ امامت امام کی فصل ممیز نہیں بلکہ یہ ایک عہدۂ خداوندی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امام کو اس وقت عطا ہوتا ہے جب خداوند عالم اپنی حکمت کاملہ کے مطابق چاہتا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو، اصول الکافی: جلد نمبر ۲: ص ۲۸۶، ۲۸۷ طبع جدید طہران حدیث نمبر ۱۔ مراۃ العقول شرح اصول الکافی: باب حالات الائمۃ فی الحسن۔ جلد نمبر ۲: ص ۲۸۶۔ یزید کناسی سے روایت ہے کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقرؑ سے سوال کیا کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام نے جب جھولے میں ہونے کی حالت میں کلام کیا تھا تو کیا وہ اس وقت اپنے اہل زمانہ پر حجت تھے۔ تو فرمایا کہ وہ اس وقت نبی تھے حجت خدا بھی تھے لیکن رسول نہیں تھے۔ کیا تو یہ فرمان باری عزاسمہ نہیں سنا کرتا

﴿انی عبد اللہ آتانی الکتاب و جعلنی نبیا الخ﴾ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے کتاب عطا فرمائی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے **الخ**۔

میں عرض گزار ہوا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت کہ جب وہ جھولے میں تھے حضرت زکریا علیہ السلام پر بھی حجت تھے؟ تو فرمایا! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت سب لوگوں کے لئے معجزہ خدا تھے۔ اور حضرت مریم کے لئے بالخصوص رحمت خداوندی تھے۔ کیونکہ اس وقت گویا ہو کر حضرت مریم کی تہمت کو دور کر دیا۔ اور وہ اس وقت نبی تھے اور ہر اس شخص کے لئے حجت تھے جس نے اس وقت ان کے کلام کو سنا۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام خاموش ہو گئے کلام نہ کیا۔ حتیٰ کہ دو سال گزر گئے اس عرصہ میں حضرت زکریا علیہ السلام تمام لوگوں کے لئے حجت تھے۔ پھر حضرت زکریاؑ فوت ہو گئے۔

"فورثہ ابنہ یحییٰ الکتاب و الحکمتہ و ھو صبی صغیر" تو انکے فرزند حضرت یحییٰ علیہ السلام ان کی وراثت میں کتاب اور حکمت کے وارث ہوئے جبکہ وہ چھوٹے سے بچے تھے۔ کیا تم نہیں سنا کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ ﴿یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ و آتیناہ الحکم صبیا﴾

کہ اے یحییٰ کتاب خدا کو مضبوطی اور استحکام سے اخذ کر لو۔ اور ہم نے اسے بچپنے میں ہی حکم عطا کر دیا تھا۔

حضرت آقا حاجی شیخ محمد باقر کمری نے اس آیت کا ترجمہ بزبان فارسی ان الفاظ میں کیا ہے کہ "ای یحییٰ بگیر کتاب را وما با و حکم نبوت داد یم و ھنوزاو کودک بود"

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے سلسلہ کلام کو برقرار رکھتے ہوئے مزید فرمایا! جب عیسیٰ علیہ السلام سات سال کی عمر کو پہنچے تو انہوں نے اپنی نبوت و رسالت کے متعلق کلام کیا ۔جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی۔ اور اس وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت یحییٰ علیہ السلام اور دیگر تمام لوگوں پر حجت تھے۔(انتھی بقدر الحاجتہ)۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس وقت نبوت عطا ہو گئی تھی۔جبکہ انکی پیدائش کے ابتدائی ایام تھے اور اس وقت جھولے میں جھولتے تھے۔مگر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو دو سال کی عمر کے بعد نبوت عطا ہوئی۔لہذا معلوم ہوا کہ نبوت نبی کے لئے فصل ممیز نہیں۔ بلکہ یہ ایک ایسا عظیم الشان خداوندی عہدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے اور جس عمر میں چاہے عطا فرما دیتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔

اصول الکافی: جلد نمبر ۲:ص ۲۹۷ طبع طہران ایران۔کتاب الحجہ باب موالید الائمہ علیہم السلام حدیث نمبر ۲۔مراۃ العقول: جلد نمبر ۲:ص ۲۹۰۔

حسن بن راشد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ! جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوتا ہے کہ امام کو پیدا کرے تو وہ فرشتے کو حکم دیتا ہے وہ فرشتہ بحکم خدا عرش کے نیچے سے پانی کا شربت لے کر والد امام کی خدمت میں پہنچتا ہے۔اور اسے وہ پلا دیتا ہے۔پس اس سے اللہ تعالیٰ امام کو خلق فرماتا ہے۔" فیمکث اربعین یوما و لیلة فی بطن أمه لا یسمع الصوت ثم یسمع بعد ذلك الكلام "

امام شکم مادر میں ابتدائی چالیس شب و روز تو اس حالت میں رہتا ہے کہ آواز نہیں سن سکتا۔لیکن اس کے بعد وہ کلام کو سنتا ہے۔پھر جب امام کی پیدائش ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسی فرشتہ کو بھیجتا ہے جس نے مشروب عرشی والد امام کو پلایا تھا۔تو وہ فرشتہ امام کی دونوں آنکھوں کے درمیان "پیشانی پر" یہ آیت لکھ دیتا ہے۔

﴿وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لامبدل لكلماته وهو السميع ا

لعلیم ﴾فلما مضی الامام الذی کان قبله رفع له منار من نور ینظر به الی
اعمال الخلائق"

پھر سابق امام کہ جو والد ہوتا ہے جب دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔تو امام لاحق کے لئے ایک نورانی مینار بلند ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ وہ ساری مخلوق کے اعمال کو دیکھتا ہے۔ "فبهذا یحتج الله علی خلقه" اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر حجت قائم کرے گا۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سابق امام کے دنیا سے انتقال کرنے کے وقت لاحق امام کی طرف امامت منتقل ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ نورانی مینار جو امام کے لئے بلند ہوتا ہے ۔اور جس کے ذریعہ وہ تمام مخلوق کے اعمال کو دیکھتا ہے وہ سابق امام کے فوت ہو جانے کے بعد امام لاحق کے لئے بلند کیا جاتا ہے۔لہذا اس سے بھی معلوم ہوا کہ امامت امام کی فصل ممیز نہیں۔مراۃ العقول: جلد نمبر ۲: ص ۲۹۰ میں تفسیر مینار میں تحریر ہے۔

"اما المنار فسیاتی فی بعض الاخبار انه ملك و ورد فی بعضها انه روح القدس و قیل کنایة عن جعله محلا للالهامات الربانیة و الافاضات السبحانیته"

کہ بعض احادیث میں عنقریب آجائے گا کہ مینار سے مراد فرشتہ ہے "جو اعمال عباد کی اطلاع امام کو پہنچاتا ہے" اور بعض احادیث میں وارد ہوا ہے کہ وہ روح القدس ہے۔اور بعض اہل علم نے کہا کہ مینار نورانی کا امام کے لئے بلند کیا جانا یہ اس مطلب کی طرف کنایہ ہے کہ اسے الہامات ربانیہ اور افاضات قدسیہ کا محل بنا دیا جاتا ہے۔

بہر حال مینار سے مراد جو بھی ہو حدیث کا معنی یہی ہے کہ یہ شرف امام لاحق کو امام سابق کے انتقال فرما جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ جو اسکی دلیل ہے کہ بالفعل عہدہ امامت امام لاحق کی طرف اس وقت منتقل ہوتا ہے جبکہ امام سابق کی رحلت کا وقت ہوتا ہے۔اور یہ دلیل ہے کہ امامت امام کے لئے فصل ممیز نہیں۔ کیونکہ فصل ممیز جز ذات ہوتی

ہے اور کوئی ذات اپنی جز کے بغیر متحقق ہی نہیں ہو سکتی۔ امام عالیمقام کی شخصیت ایک عرصہ تک بغیر امامت کے عہدہ پر فائز ہونے کے موجود رہ سکتی ہے۔ لہذا معلوم ہوا کہ امامت اور نبوت نبی اور امام کی ماہیت کا جز اور فصل ممیز نہیں۔

نیز اصول الکافی: جلد نمبر ۲: ص ۲۹۸۔ کتاب الحجہ باب مذکور حدیث نمبر ۳۔ مراۃ العقول: جلد نمبر ۱: ص ۲۹۰۔ یونس بن ظبیان سے حضرت امام جعفر صادقؑ کی اسی مضمون کی حدیث منقول ہے جسکے آخر میں یہ الفاظ ہیں۔ "فاذا قام بهذا الأمر رفع الله له فی كل بلدة منارا ينظر به الى اعمال العباد" کہ جب امام عہدہ امامت کو سنبھال لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے ہر شہر میں ایک نورانی مینار قائم کر دیتا ہے۔ جسکے ذریعہ وہ بندوں کے اعمال کی طرف نگاہ کرتا ہے۔

نیز اصول الکافی یہی باب حدیث نمبر ۴۔ مراۃ العقول: جلد نمبر ۱: ص ۲۹۱۔ محمد بن مروان کی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ہی تقریباً اسی مضمون پر دلالت کرنے والی حدیث منقول ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔" فاذا ولد خط بين كتفيه

﴿وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو السميع العليم﴾

فاذا صار الأمر اليه جعل الله له عمودا من نور يبصر به ما يعمل اهل كل بلدة۔

کہ امام جب پیدا ہوتا ہے تو اسکے دونوں شانوں کے درمیان یہ سطر لکھ دی جاتی ہے۔

﴿وتمت كلمة ربك صدقا وعدلا لا مبدل لكلماته وهو السميع العليم﴾

اور جب عہدہ امامت اس کی طرف پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک نورانی عمود اسکے لئے قائم کر دیتا ہے۔ جسکے ذریعہ وہ ہر شہر والوں کے اعمال کو دیکھتا ہے۔

فاذا قام بهذا الامر اور فاذا صار الامر اليه۔ کے الفاظ اس مطلب کیلئے نص ہیں کہ پیدائش کے بعد عہدہ امامت عمر کے کسی حصہ میں امام کی طرف انتقال پذیر ہوتا ہے۔ ایسا نہیں کہ پیدائش سے قبل ہی امامت کو امام کی ماہیت کا جز بنا دیا جاتا ہو۔ تا کہ وہ

اسکے لیے فصل ممیز قرار دیا جاسکے۔

نیز اصول الکافی: جلد نمبر۲:ص۳۰۰ طبع جدید باب مذکور حدیث نمبر۶۔

مراۃ العقول: جلد نمبر۱:ص۲۹۱ میں بھی یہی الفاظ موجود ہیں۔

فاذا وضعته کتب الملك بين عينيه ﴿وتمت كلمة ربك﴾ فاذا قام بالامر رفع

له، كل بلدة منار ينظرمنه الى اعمال العباد۔

کہ جب امام کی والدہ ماجدہ سے ولادت ہوتی ہے۔تو اللہ تعالیٰ کا فرستادہ فرشتہ

اسکی پیشانی پر دونوں آنکھوں کے درمیان یہ آیت ﴿ تمت كلمة ربك ﴾ لکھ دیتا ہے۔

اور جب وہ عہدہ امامت کو سنبھال لیتا ہے تو ہر شہر میں ایک نورانی مینار اس کیلئے بلند کر دیا جاتا

ہے۔جس کے ذریعہ وہ تمام بندوں کے اعمال کو دیکھتا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو۔اصول الکافی: جلد نمبر۲:ص۴۹ طبع جدید ایران کتاب الحجہ باب

وقت " ما يعلم الامام جميع علم الامام الذى كان قبله حدیث نمبر۱۔

مراۃ العقول: جلد نمبر۱:ص۱۹۸

بیان راوی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ

بعد والا امام سابق امام کے سارے علم کا عالم کس وقت بنتا ہے۔قال فی آخر دقيقة تبقى

من روحه. تو فرمایا:۔کہ اس وقت عالم بنتا ہے جبکہ سابق امام کی زندگی کا آخری لمحہ ہوتا ہے۔

نیز باب مذکور حدیث نمبر۲۔ عن عبيد زرارة و جماعة معه قالوا سمعنا أبا

عبد الله عليه السلام يقول يعرف الذى بعد الامام علم من كان قبله فى

آخر دقيقة تبقى من روحه۔

کہ عبید اللہ بن زرارہ اور اسکے ساتھ ایک جماعت راویوں کی بیان کرتی ہے کہ ہم

نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یوں فرماتے ہوئے سنا کہ! بعد والا امام سابق امام کے سارے

علوم کا عالم اس وقت بنتا ہے جبکہ سابق امام کی زندگی کا آخری لمحہ باقی رہ جاتا ہے۔

نیز باب مذکور حدیث نمبر۳۔ عن علی بن اسباط عن بعض اصحابه عن ابی عبد اللّٰه قال قلت له الامام متی یعرف امامته و ینتهی الامر الیه قال فی آخر دقیقة من حیاة الاول۔

علی بن اسباط نے اپنے بعض اصحاب سے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں میں نے عرض کیا کہ! امام کو اپنی امامت کا علم کب حاصل ہوتا ہے۔ اور امامت اس کی طرف کس وقت منتقل ہوتی ہے؟ تو فرمایا! کہ سابق امام کی زندگی کے آخری لمحہ میں۔

ان سب حدیثوں کا ماحصل یہ ہے کہ سابق امام کی زندگی کے آخری لمحات میں ہی لاحق امام کو اپنے امام ہو جانے کا بھی علم ہوتا ہے۔ اسی وقت اسکی طرف امامت انتقال پذیر ہو کر پہنچتی بھی ہے۔ اور اسی وقت اسے سابق امام کے تمام علوم کا علم بھی حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سب امور اس مطلب کیلئے براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ ہیں کہ امامت ایک عہدہ الٰہیہ اور منصب ربانی ہے۔ جو ماہیت امام کا جز نہیں بلکہ ایک خارجی امر ہے جو اللہ تعالٰی کی طرف سے امام کو عطا ہوتا ہے۔ اور یہی شان نبوت بھی ہے۔ لہٰذا نبوت اور امامت کو نبی اور امام کی فصل ممیز قرار دینا اور نبی اور امام کی نوع کو انسانی نوع سے جداگانہ قرار دینا قرآن کریم اور ارشادات معصومین علیہم السلام کی مخالفت ہے۔

نیز ملاحظہ ہو کتاب عیون اخبار الرضا علیہ السلام: جلد نمبر۲: ص ۱۵۶۔ حضرت امام علی رضا علیہ السلام اور مامون رشید کا ایک مکالمہ منقول ہے جس میں لکھا ہے۔

قال له المامون یا أبا الحسنؑ بلغنی ان قوما یغلون فیکم و یتجاوزون فیکم الحد فقال الرضا علیه السلام حدثنی أبی موسیٰ بن جعفر عن أبیه جعفر

بن محمد عن أبيه محمد بن على عن أبيه على ابن الحسين عن أبيه الحسين

بن على عن أبيه على ابن ابى طالب عليهم السلام ، قال قال رسول الله صلى

الله عليه وآله وسلّم لا ترفعو نى فوق حقى فان الله تبارك و تعالى اتخذ

نى عبدا قبل ان يتخذ نى نبيا ۔(انتهى بقدر الحاجة) ۔

مامون نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کہا کہ اے ابوالحسن علیہ السلام! مجھے خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ تمہارے متعلق غلو کرتے ہیں۔ یعنی وہ تمہارے بارے میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ تو حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ سے میرے والد ماجد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے بیان فرمایا۔ اور انہوں نے اپنے والد گرامی امام جعفر صادق علیہ السلام سے۔ اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار امام محمد باقر علیہ السلام سے۔ اور انہوں نے اپنے والد ماجد امام علی زین العابدین علیہ السلام سے۔ اور انہوں نے اپنے والد گرامی امام حسین علیہ السلام سے۔ اور انہوں نے اپنے پدر بزرگوار جناب امیر مومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے بیان فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا تھا کہ! مجھے میرے حق سے بلند نہ کر دیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے عبد بنایا۔

اس حدیث پاک میں یہ الفاظ " ان اللّٰہ تبارك وتعالى اتخذ نى عبدا قبل ان يتخذ نى نبيا " کے الفاظ صراحۃً اس مطلب پر دال ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت نبی پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کو بھی مثل ابراہیمؑ پہلے عبد بنایا اور پھر نبی بنایا۔ جسکا صاف طور پر یہی معنی ہے کہ اللہ نے آنحضرتؐ کو پیدا کیا تو پہلے انکو عبودیت کے مرتبہ سے نوازا۔ اور پھر انکو نبوت عطا فرمائی۔ پہلا شرف عبودیت کا عطا ہوا۔ اور دوسرا شرف نبوت کا عطا کیا گیا۔ عبودیت بھی ایک ذیشان مرتبہ ہے جسکے متعلق تشہد میں شہادت دینے کی تعلیم دی گئی ہے۔ چنانچہ ہر نماز گزار تشہد نماز میں یوں شہادت ادا کرتا ہے "و اشهد ان محمدا عبده ور

سولہ" کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالٰی کے عبد اور اسکے رسول ہیں۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت آنحضرت ﷺ کی ماہیت کا جز نہیں تھی۔ بلکہ ایک بہت بڑا جلیل القدر اور عظیم الشان عہدہ الٰہیہ ومنصب ربانی ہے جو آپکو اللہ کی جانب سے عبودیت کا مرتبہ حاصل ہونے کے بعد حاصل ہوا۔ لہٰذا یہ کہنا رسول پاک ﷺ کی حدیث پاک کی مخالفت اور آپکی نافرمانی ہے کہ نبوت نبی کیلئے فصل ممیز ہوتی ہے۔

خلاصہ

ان آیات اور احادیث معصومین علیہم السلام سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے پہلے عبد بنایا، پھر نبی، پھر رسول، پھر خلیل اور پھر امام بنایا۔ اور امامت کا عہدہ بالخصوص بڑے بڑے امتحانات میں کامیاب ہونے کے بعد عطا ہوا۔

۲۔ آنحضرت نبی پاک محمد مصطفٰے ﷺ کو بھی اللہ تعالٰی نے پہلے عبد بنایا اور اسکے بعد نبوت کے عہدہ پر فائز کیا۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام ہر دو کو جوانی میں نبوت ملی۔ جبکہ انکی عمر اٹھارہ سال کی ہو چکی تھی۔

۴۔ حضرت یحیٰ علیہ السلام کو دو سال کی عمر کے بعد بقول ابن عباس تین سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔

۵۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش کے بعد ماں کی گود میں یا جھولے میں ہونے کی حالت میں نبوت عطا ہوئی۔

۶۔ یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو بچپنے میں نبوت عطا ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ کسی کو چالیس سال کی

عمر میں عطا ہو۔عطیہ نبوت کیلئے قدرت نے کسی خاص عمر یا خاص وقت کو مخصوص نہیں فرمایا۔

۷۔ ہر امام کو امامت اس وقت حاصل ہوتی ہے جبکہ سابق امام کی زندگی کے آخری لمحات ہوتے ہیں۔اسی وقت اسے سابق امام کے سارے علوم بھی حاصل ہوتے ہیں۔اور اسی وقت اسے اپنے امام ہو جانے کا بھی پتہ چلتا ہے۔اسی وجہ سے حضرت امام محمد تقی علیہ السلام اور حضرت صاحب العصر والزمان بارھویں امام علیہ السلام کو سن بلوغ تک پہنچنے سے پہلے امامت عطا ہوئی۔اور دیگر تمام آئمہ کو سن بلوغ کے بعد امامت کا شرف حاصل ہوا۔

آیات واحادیث کے یہ نتائج وثمرات اس مطلب کیلئے دلائل ساطعہ وبراہین قاطعہ ہیں کہ نبوت اور امامت کو نبی اور امام کی ذات کیلئے فصل ممیز قرار نہیں دیا جاسکتا۔کیونکہ یہ ایسے مناصب جلیلہ ہیں جو فضل خداوندی کے طفیل اس شخص کو عطا ہوتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ اسکا اہل پاتا ہے۔اور اس عمر میں عطا ہوتے ہیں جس میں عطا ہونا مصلحت خداوندی کے موافق ہوتا ہے۔یہ خارجی عہدے ہیں۔نبی یا امام کی ذات میں داخل نہیں ہوتے۔اسلئے انکو فصل ممیز قرار دینا قرین صواب نہیں۔اور اسی وجہ سے انبیاء وآئمہ کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ قرار نہیں دی جاسکتی۔بلکہ وہ نوع انسانی کے ہی کامل ترین افراد ہوتے ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

بنابر مشہور احادیث میں وارد ہوا ہے۔" النبی نبی و لو کان صبیا " کہ نبی ایک بلند مرتبہ ہستی ہوتی ہے۔اگرچہ کہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔اسکا صحیح مطلب یہ ہے کہ نبی جس طرح بڑا اور بالغ ہوسکتا ہے اسی طرح نابالغ بھی ہوسکتا ہے۔یہ ضروری نہیں کہ نبوت سن بلوغ کو پہنچنے کے بعد ہی عطا ہو۔بلکہ یہ نابالغ کو بھی عطا ہوسکتی ہے۔جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت

یحییٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچپنے میں ہی عطا ہوگئی۔اور بلوغ کے بعد بھی عطا ہوسکتی ہے۔جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام وغیرہ کا تذکرہ گزر چکا ہے۔اور نبی خواہ بڑا ہو خواہ بچہ وہ یقیناً ایک عظیم الشان ہستی ہوتی ہے۔یہ ہے اس حدیث کا صحیح معنی مگر بعض لوگوں کو حدیث مذکور "النبی نبی و لو کان صبیا" کا معنی سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی ہے یا وہ عمداً اسکا معنی غلط بیان کرتے ہیں۔کیونکہ وہ اسکا معنی یہ بیان کرتے ہیں کہ ہر نبی بچپنے سے ہی نبی ہوتا ہے۔بلکہ بعض تو کہتے ہیں کہ ہر نبی بطن مادر سے ہی نبی ہوتا ہے۔اور نبوت اسکی ماہیت کا جزو لاینفک ہوتی ہے۔حالانکہ اس حدیث کا یہ معنی ہرگز نہیں کیونکہ اگر یہ معنی مراد لیا جائے تو سابقہ تمام ان آیات اور احادیث کی تکذیب لازم آتی ہے۔جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبوت ذات نبی کا جز نہیں ہوتی۔ "ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء" بلکہ وہ تو ایسا فضل الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔اور آیات واحادیث کی تکذیب ایک مومن ہرگز نہیں کرسکتا۔لہٰذا حدیث مذکور "النبی نبی و لو کان صبیا" کا صحیح مفہوم اور معنی وہی ہے جو ہم نے پہلے تحریر کردیا کہ ہر نبی ایک بلند مرتبہ اور واجب التعظیم اور واجب الاطاعت ہستی ہوتی ہے خواہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔اور یہ اس لئے کہ نبی "نبا ینبو" سے مشتق ہے۔جو کہ ناقص واوی کلمہ ہے۔اور اس مادہ کا معنی ہی ہے بلند ہونا۔

اور جو معنی ان لوگوں نے تحریر کیا ہے اگر آیات واحادیث بالا سے قطع نظر کی جائے تو بھی ان الفاظ کا وہ معنی مراد لینا عقلاً درست نہیں ہوسکتا۔کیونکہ اس معنی کی بنیاد پر "النبی نبی و لو کان صبیا" کے الفاظ مہمل اور بے سود و بے فائدہ ہوکر رہ جاتے ہیں۔اور یہ اسلئے کہ اس بنیاد پر "النبی" کے لفظ کا معنی ہوگا" وہ کہ جو بچپنے کے وقت سے نبی ہے"۔لہٰذا اس جملے کا معنی گویا یوں ہوجائے گا" جو بچپنے کے وقت سے نبی ہے وہ بچپنے کے

وقت سے نبی ہے۔ اگرچہ کہ بچہ ہی کیوں نہ ہو'' اور ان الفاظ کے مطلب کی رکاکت اور انکا
بے فائدہ ہونا محتاج بیان نہیں۔ برعکس اسکے اگر اسکا یہ معنی کیا جائے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی
طرف سے عہدہ نبوت عطا ہوتا ہے۔ وہ ایک عظیم الشان اور واجب التعظیم وواجب
الاطاعت ہستی ہوتی ہے اگرچہ کہ وہ بچہ ہی کیوں نہ ہو۔ ولا ریب کہ یہ معنی عظیم الشان
فائدہ پر مشتمل ہے۔ لہٰذا جو معنی وہ حضرات کرتے ہیں وہ مہمل، بے فائدہ اور غلط ہے۔ اور
آیات واحادیث کی تکذیب کو مستلزم ہونے کے باعث باطل اور موجب ضلالت
ہے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ امام کا بچپن بھی دیگر تمام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے۔ وہ
عصمت، علم، کمالات سے متصف ہوتے ہیں۔ صاحبان اعجاز ہوتے ہیں۔ صلاحیت
امامت موجود ہوتی ہے۔ البتہ بالفعل عہدہ امامت پر سابق امام کی زندگی کے آخری لمحات
میں فائز ہوتے ہیں۔

تولیدِ مثل اتحاد نوعی کی دلیل ہے

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر تا ایں دم ہر انسان کا بچہ انسان ہی پیدا ہوتا چلا آیا ہے۔
خواہ وہ انسان نبی تھا یا نہیں، امام تھا یا نہیں، ولی تھا یا نہیں، لیکن اسکا ہر فرزند انسان ہی ہوا۔ مگر
ایسا نہیں کہ ہر نبی کا فرزند نبی ہی ہو غیر نبی نہ ہو۔ اور امام کا فرزند امام ہی ہو غیر امام نہ ہو۔
بلکہ انبیاء اور آئمہ کی بہت سی اولاد ایسی ہوئی جو نبی یا امام نہیں تھے۔ حضرت آدمؑ نبی تھے لیکن
قابیل وہابیل نبی نہیں تھے۔ ہاں حضرت آدمؑ کی مثل وہ انسان ضرور تھے حضرت نوحؑ کا بیٹا
جو نافرمانی کے باعث غرقاب ہو گیا تھا وہ نبی نہیں تھا۔ مگر حضرت نوحؑ کی طرح انسان ضرور
تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے فرزندان میں سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کے اور کوئی نبی نہیں
تھا۔ لیکن سارے کے سارے انسان یقیناً تھے۔ جیسے خود نبی خدا حضرت یعقوبؑ انسان تھے،

حضرت اسماعیل علیہ السلام نبی تھے لیکن انکا کوئی فرزند نبی نہیں تھا۔ ہاں انکی اولاد میں صرف آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی ہوئے۔ لیکن انکی ساری اولاد تا ایں دم انکی مثل انسان ہے۔

برعکس اس کے آنحضرت پاک محمد مصطفےٰ کے والد ماجد حضرت عبداللہ نبی نہیں تھے۔ لیکن انسان ہونے میں آنحضرت سے مماثلت رکھتے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ابراہیمؑ میں سے ہر ایک نبی تھے لیکن ان میں سے ہر ایک کے والد بزرگوار نبی نہیں تھے لیکن انسان یقیناً تھے جس طرح کہ یہ دونوں انبیاء خود انسان تھے۔ غرض ہر نبی کا باپ اور ہر نبی کا فرزند سب انسان ہی تھے لیکن بکثرت ایسا ہوا کہ نبی کا فرزند نبی نہ ہوا۔ یا نبی کا باپ نبی نہ ہوا۔ اگرچہ بعض انبیاء کے فرزند انبیاء بھی ہوئے جیسے حضرت ابراہیمؑ کے دونوں فرزند نبی تھے۔ اور حضرت یعقوبؑ کے فرزند حضرت یوسفؑ بھی نبی تھے۔

غرض انسان ہونے میں ہر نبی اپنی اولاد اور اپنے آباؤ اجداد کی مثل ہے لیکن نبی ہونے کے اعتبار سے بعض انبیاء کی اولاد نبی نہیں۔ اور بعض کے آباؤ اجداد نبی نہیں اور بعض کے نہ آباء نبی ہیں نہ اولاد۔ یہ امر اس کی دلیل ہے کہ انسان سب کی نوع ہے، نبی نوع نہیں۔ اگر نبی کی جداگانہ نوع ہوتی تو کسی نبی کا فرزند غیر نبی نہ ہوتا بلکہ ہر نبی کا ہر فرزند نبی ہی ہوتا۔ اور اسی طرح کسی نبی کا باپ غیر نبی نہ ہوتا بلکہ ہر نبی کا باپ بھی نبی ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

برعکس اس کے ہر نبی کا باپ بھی انسان تھا۔ اور ہر نبی کی اولاد انسان ہی تھی۔ اسی طرح ہر امام خود بھی انسان تھا اس کے فرزندان بھی سارے ہی انسان تھے۔ اور ان کے آباء واجداد بھی سارے ہی انسان تھے۔ مگر بعض آئمہ کے والد امام تھے اور بعض کے والد امام نہیں تھے۔ اور اس طرح آئمہ کی اولاد میں سے بعض امام تھے اور بعض امام نہیں تھے۔ اس سے نہایت وضاحت کے ساتھ اس امر پر دلالت قائم ہوتی ہے کہ نہ نبی علیحدہ نوع ہے نہ امام۔ بلکہ سب کی نوع انسان ہے۔ نبی اور امام بھی انسان کے ہی اکمل افراد ہیں۔ فرق ہے تو یہ کہ

انسانی افراد میں سے جس کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے عہدہ کے قابل قرار دیتے ہوئے فائز فرمادیا وہ نبی ہوتا ہے اور جسے یہ عہدہ نہیں ملا وہ نبی نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس پر نبی کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔ اسی طرح امام بھی ایسا انسان کامل ہوتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے امامت کا منصب عطا کر دیا ہے اور اسے امام کہا جاتا ہے۔ لیکن جسے یہ منصب نہیں ملا وہ امام نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کی نجات کا دارومدار اطاعت امام پر ہوتا ہے۔ رہا انسان ہونے کا سوال تو نبی اور امام بھی انسان ہیں۔ اور اولادِ آدمؑ میں سے جن کو نبوت یا امامت نہیں ملی وہ بھی انسان ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا ہرگز صحیح نہیں کہ نبی کی نوع انسان نہیں بلکہ نبی نوع انسان سے جداگانہ ہے۔ اور علی ہذا القیاس یہ کہ امام کی نوع انسان نہیں بلکہ امام کی نوع انسان سے علیحدہ ہے۔

مختصر یہ کہ نبی اور امام علیحدہ نوعیں نہیں سب کی نوع انسان ہے۔ اسی وجہ سے قرآن اور حدیث میں جابجا نبی اور امام کو انسان کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سابقاً تفصیل سے دلائل قرآن وحدیث پیش ہو چکے ہیں۔ ہاں کمالات کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے۔ نبی اور امام کے کمالات اس قدر بلند ہوتے ہیں کہ ان کے باعث اللہ تعالیٰ ان کو نبوت یا امامت کا ہر دو کا منصب عطا فرمادیتا ہے۔ اور دوسرے انسانوں کے کمالات اس معیار بلند پر نہیں ہوتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو یہ جلیل القدر مناصب عطا نہیں کرتا۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ نبوت اور امامت نبی یا امام کی فصل ممیّز نہیں ہوتی۔ کیونکہ فصل ممیّز ماہیت کا جز ہوتی ہے۔ اگر نبوت اور امامت ماہیت نبی وامام کا جز ہوتی تو ہر نبی کی ساری اولاد بھی نبی ہوتی اور ہر امام کی ساری اولاد بھی امام ہوتی۔ اور ہر نبی کے آباؤ اجداد بھی نبی ہوتے اور ہر امام کے آباؤ اجداد بھی امام ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر ماہیت تولید مثل کا باعث ہوتی ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ ہر نبی کے آباؤ اجداد بھی اور ہر نبی کی ساری اولاد بھی نبی ہو۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ ہر امام کی ساری اولاد بھی اور انکے سارے

آباؤاجداد بھی امام ہوں۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ عصمت بھی نبی یا امام کی فصل ممیز نہیں۔ کیونکہ اگر عصمت انکی فصل ممیز ہوتی تو ہر نبی اور امام کا ہر فرزند بھی معصوم ہوتا حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ انبیاء کی اولاد میں بہت سے کافر، مشرک اور فاسق و فاجر ہیں۔ عادل ہی نہیں چہ جائیکہ وہ معصوم ہوں۔

جب یہ امر مثل روز روشن واضح اور ثابت ہو گیا کہ نبی اور امام کی فصل ممیز نہ نبوت ہو سکتی ہے، نہ امامت اور نہ عصمت۔ تو ثابت ہوا کہ نبی اور امام کی فصل ممیز وہی ہوتی ہے جو عام انسانوں کی ہوتی ہے۔ اسلئے انکی نوع بھی وہی ہے جو عام انسانوں کی ہے۔ انکی کوئی جداگانہ نوع نہیں ہے۔

حدیث پاک "کنت نبیا و آدم بین الماء والطین" بھی جداگانہ نوع کی دلیل نہیں

بنابر مشہور حضور سرور کائنات کا فرمان ہے کہ میں اسوقت بھی نبی تھا۔ جبکہ حضرت آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ یعنی حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت سے قبل بھی میں نبی تھا۔ اس حدیث سے بعض لوگوں کو یہ وہم لاحق ہو گیا ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی جسمانی خلقت سے پہلے بھی حضور پاکؐ نبی تھے۔ تو معلوم ہوا کہ نبوت انکی ماہیت کا جز تھی لہٰذا وہ ان کیلئے فصل ممیز تھی۔ اور اس وجہ سے انکی نوع دوسرے بنی آدم سے جداگانہ تھی۔

مگر انکا یہ وہم ایک خیال خام ہے قرین صواب نہیں۔ اور چند وجوہ کے باعث باطل ہے۔

وجہ اوّل:۔ یہ کہ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ نبوت عالم جسمانی عنصری کی پیدائش کے لحاظ سے حضور سرور کائنات کی ماہیت کا جز تھی۔ تو پھر لازم آتا ہے کہ حضور پاکؐ حضرت آدمؑ کی اولاد نہ ہوں حالانکہ یہ باطل ہے۔ کیونکہ سابقاً آیات واحادیث کے ذریعہ ثابت ہو چکا کہ حضور سرور کائناتؐ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت نوحؑ سے ملتا ہوا حضرت آدم علیہ السلام سے جاملتا ہے۔ اور حضرت آدم علیہ السلام گو کہ نبی تھے لیکن نبوت انکی ماہیت کا جز نہ تھی۔ ورنہ تو انکی ساری اولاد نبی ہوتی۔ کیونکہ ماہیت تولید مثل کا باعث ہوتی ہے جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا۔ پدر کی ماہیت کے جو اجزا ہوتے ہیں فرزند کی ماہیت بھی ان تمام اجزا پر مشتمل ہوتی ہے۔ باپ اور بیٹے کی ماہیت کے اجزا میں اختلاف ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انسان کا بچہ انسان ہوتا ہے۔ انسان کا بچہ اونٹ، گھوڑا وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اونٹ کا بچہ اونٹ ہی ہوتا ہے۔ اونٹ کا بچہ انسان یا بھینسا وغیرہ نہیں ہو سکتا۔ گندم کاشت کی جائے تو گندم ہی پیدا ہوتی ہے۔ گندم کے دانے سے چنا یا مکئی، باجرہ وغیرہ پیدا نہیں ہو سکتے۔ اور چنا کاشت کیا جائے تو چنا ہی پیدا ہوتا ہے۔ چنے کے دانے سے گندم یا جو وغیرہ پیدا نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اگر نبوت حضرت آدمؑ کی ماہیت کا جز ہوتی تو حضرت آدمؑ کی ساری اولاد نبی ہوتی غیر نبی کوئی نہ ہوتا۔ اور جب حضرت آدمؑ کی بیشتر اولاد نبی نہیں تو معلوم ہوا کہ نبوت حضرت آدمؑ کی ماہیت کا جز نہیں۔ اور جب نبوت حضرت آدمؑ کی ماہیت کا جز نہیں تو معلوم ہوا کہ وہ آنحضرتؐ سرور کائنات کی ماہیت کا بھی جز نہیں۔ کیونکہ حضورؐ پاک بھی حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔

وجہ دوم:۔ اس کے بطلان کی یہ ہے کہ اگر نبوت کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت و ماہیت پاک کا جز تسلیم کیا جائے تو لازم آئے گا کہ جناب امیر المومنین علی ابن

ابی طالب علیہ السلام کی نوع حضور سرور کائنات کی نوع سے الگ اور جداگانہ ہو۔ حالانکہ نبیؐ اور علیؑ ہر دو ایک ہی نور سے پیدا ہوئے دونوں کی نوع ایک ہے۔ اور یہ اسی صورت میں صحیح ہوسکتا ہے جبکہ نبوت ماہیت جناب سرور کائنات کا جز نہ ہو۔ بلکہ یہ ایک ایسا عہدہ اور منصب ہو جو حضورؐ کو اللہ کی طرف سے عطا ہوا ہو۔ اور یہی حق ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ جس طرح نبوت جناب سرور کائنات کی ماہیت مطہرہ کا جز تھی اسی طرح جناب امیر المومنین علیہ السلام اور دیگر آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی ماہیت کا بھی جز تھی۔ کیونکہ یہ چہاردہ معصومینؑ ایک ہی نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ تو اس سے لازم آئے گا کہ نبوت حضور سرور کائناتؐ پر ختم نہ ہوئی ہو۔ اور مسئلہ ختم نبوت باطل قرار دیا جائے۔ حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ نبوت حضور سرور کائناتؐ پر ختم ہو چکی ہے۔ آپکے بعد کوئی نبی نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ نبوت جناب سرور کائنات کی ماہیت مقدسہ کا بھی جز نہیں۔ اس لئے انکی نوع وہی ہے جو دیگر انسانوں کی ہے۔ انکی نوع انسانی نوع سے جداگانہ نہیں۔ نبوت ایک منصب الٰہی اور خداوندی عہدہ ہے جس پر حضور سرور کائنات کو عالم ارواح میں بھی سرفراز کیا گیا۔ اور عالم اجسام میں بھی آپکو یہ شرف بخشا گیا۔ اور عالم اجسام میں نبوت کا دروازہ حضور سرور کائنات کے بعد بند ہو گیا۔ لیکن نبوت حضرتؐ کی ماہیت کا جز نہیں بلکہ نبوت ایک خارجی شئی عہدہ ربانی ہے جو حضورؐ کو منجانب اللہ عطا ہوا۔

وجہ سوم:۔ اگر تسلیم کیا جائے کہ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت و ماہیت میں تھی تو لازم آتا ہے کہ سادات بنی فاطمہ صلوات اللہ علیہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد نہ ہوں۔ کیونکہ سادات بنی فاطمہؑ میں سے کوئی بھی نبی نہیں۔ حالانکہ اولاد اپنے والد کی حقیقت اور ماہیت کے تمام اجزا کی حامل ہوتی ہے۔ اور اس میں کوئی مسلمان شک نہیں کرسکتا کہ

سادات بنی فاطمہ آنحضرتؐ کی اولاد ہیں۔ان کے متعلق ہی آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔"اکرموا اولادی الصالحون للہ و الطالحون لی" کہ میری اولاد کی عزت اور اکرام کرو، جو ان میں سے جو نیک ہیں انکا تو اسلئے کہ وہ خداوند عالم کے فرمانبردار اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں عزت یافتہ ہیں۔چنانچہ خداوند عالم نے خود فرمایا ہے۔ ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ﴾ کہ اللہ کے دربار میں تم میں سے وہ شخص سب سے زیادہ عزت یافتہ ہے جو اسکا سب سے زیادہ فرمانبردار اور متقی ہے۔اور جو میری اولاد میں سے نیک نہیں ہیں بداعمال ہیں انکی عزت میری وجہ سے کرو۔کیونکہ گو وہ نیک نہیں ہیں تاہم وہ میری اولاد ہیں۔انکی عزت و اکرام سے میری عزت و احترام کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

نیز سادات بنی فاطمہؑ پر خمس حلال ہے اور غیر بنی ہاشم کی زکوۃ حرام ہے۔یہ بھی اسی وجہ سے ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی اولاد ہیں۔بہرحال سادات بنی فاطمہ کا اولاد رسول ہونا ایک امر مسلم ہے۔حالانکہ ان میں سے نبی کوئی بھی نہیں تھا اگرچہ بعض معصوم تھے۔امامت کے عہدہ پر بعض فائز تھے۔متقی پرہیزگار بھی ان میں بہت سے ہوئے اور ساتھ ہی بہت سے ان میں سے بدکار اور فاسق بھی ہوئے۔لیکن جناب سیدہ صلوات اللہ علیہا کی اولاد میں سے کہ جو اولاد رسول بھی ہیں کوئی نبی نہیں ہوا۔کیونکہ نبوت کا دروازہ آنحضرتؐ کے بعد بند ہو چکا تھا۔یہ اس امر کی بین اور واضح دلیل ہے کہ نبوت آنحضرت ﷺ کی ماہیت وحقیقت کی جز نہیں۔اور جب جز نہیں تو وہ انکے لئے فصل ممیز نہیں ہو سکتی۔اور جب فصل ممیز نہیں بلکہ خاصہ ممیز ہے تو معلوم ہوا کہ حضور سرور کائنات کی نوع انسان ہی ہے۔انکی کوئی جداگانہ نوع نہیں۔ہاں وہ اپنی انسانیت اور فضائل وکمالات کے لحاظ سے تمام انسانوں سے ممتاز اور سب کے سردار ہیں۔

وجہ چہارم:۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ نبی کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ ہے تو قرآن پاک کی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔ ذیل میں ان بعض آیات کو سپرد قلم کیا جاتا ہے جن کی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔

پہلی آیت

﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ﴾

کیا لوگوں کو اس وجہ سے تعجب لاحق ہو گیا ہے کہ ہم نے ان میں سے ہی ایک مرد کی طرف یہ وحی نازل کی کہ لوگوں کو "عذاب الٰہی" سے ڈراؤ اور مومنوں کو یہ بشارت دو کہ ان کیلئے پروردگار کے ہاں بلند درجہ ہوگا۔ لیکن ان کافروں نے کہہ دیا کہ یہ شخص "یعنی محمد مصطفےٰ ﷺ" العیاذ باللہ کھلا ہوا جادوگر ہے۔ (سورۃ یونس ۱۰۔ آیت نمبر ۲)

اس آیت میں "رجل منھم" میں جو ضمیر ہے یہ "الناس" کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اور "الناس" سے مراد کافر لوگ ہیں۔ لہٰذا "الی رجل منھم" کا معنی یہ بنتا ہے کہ ہم نے ایسے مرد کی طرف وحی کی جو انہیں تعجب کنندہ اور آنحضرتؐ کو معاذ اللہ جادوگر کہنے والوں میں سے ہی تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں میں سے کیسے قرار دیا جو کافر تھے؟ تو اسکا جواب سوائے اسکے اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ یہ نوعی اتحاد کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ کیونکہ وہ کفار تھے اور آنحضرت ﷺ سید المرسلین اور انبیاء کے سردار تھے۔ اگر فریقین کی نوعیں الگ الگ ہوتیں تو آنحضرتؐ کو ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں کہا جا سکتا تھا جو کہ کفار تھے۔ کیونکہ دو نوعوں میں سے ایک نوع کے کسی فرد کو دوسری نوع کے افراد میں سے ہرگز شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ہر نوع دوسری نوع کے متبائن ہوتی ہے۔

مثلاً ایک انسان کو یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اونٹوں میں سے ہے یا گھوڑوں میں سے ہے۔علی ہذا القیاس ایک اونٹ یا گھوڑے کو یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انسانوں میں سے ہے۔اسی طرح ایک اونٹ کے متعلق یہ کہنا ہرگز درست نہیں ہوسکتا کہ وہ گھوڑوں میں سے ہے۔اور گھوڑے کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اونٹوں میں سے ہے۔ہاں مگر ایک انسان کو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہے۔اور ایک گھوڑے کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ گھوڑوں میں سے ہے۔اور ایک اونٹ کو اونٹوں میں سے قرار دیا جاسکتا ہے۔اور وہ مذکورہ لوگ اگرچہ کفار تھے تاہم نوع انکی انسانی تھی۔ماہیت وحقیقت انکی انسان ہی تھی۔اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی نوع انسان کے ہی ایک کامل واکمل فرد تھے۔اسلئے یہ کہا گیا کہ "ہم نے ایک ایسے مرد کی طرف وحی کی جوان ہی لوگوں میں تھا" لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ نہیں تھی۔ورنہ انکو مذکورہ لوگوں سے شمار نہ کیا جاتا۔

اسی سے یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا کہ قرآنی رو سے انسان معصوم کی نوع غیر معصوم انسان سے الگ نہیں ہوتی ہے۔کسی برگزیدہ بندے کا معصوم ہونا اسے انسانی نوع سے خارج نہیں کر دیتا۔اور اسکے الگ نوع ہوجانے کا باعث نہیں ہوسکتا۔لہٰذا جن حضرات نے معصوم کی نوع الگ اور غیر معصوم کی نوع الگ قرار دی ہے وہ صرف معقولات سے بے بہرہ ہیں۔بلکہ وہ قرآنی حقائق سے بھی ناآشنا ہیں۔

اگرچہ اپنے مقام پر مفسر قرآن ہی کیوں نہ کہلاتے رہیں۔کیونکہ آنحضرت ﷺ تمام معصومینؑ کے سردار معصوم تھے۔اور کفار کے غیر معصوم ہونے میں شک نہیں ہوسکتا۔مگر باوجود اسکے اللہ تعالیٰ نے "رجل منهم" کے لفظ سے نص قائم کردی کہ معصوم کی نوع جداگانہ نہیں ہوتی۔بلکہ معصوم اور غیر معصوم دونوں کی نوع ایک ہی ہوسکتی ہے۔

معلوم ہوا کہ نہ نبوت نوع کے جداگانہ ہونے کا باعث ہوسکتی ہے۔نہ عصمت اور

نہ ہی وحی کا نازل ہونا اس شخصیت کی نوع کے جداگانہ ہونے کا باعث ہوسکتا ہے جس پر وحی نازل ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں لفظ "اوحینا" کے ذریعہ وحی کا ذکر بھی ہو گیا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ نہ نبوت نبی کی فصل ممیز ہوسکتی ہے، نہ عصمت اور نہ ہی وحی۔ یہ ہر سہ امور ذات نبی کی جز نہیں بلکہ یہ خارج از ذات امور ہیں۔ لہٰذا خاصہ ممیزہ ہیں فصل ممیز نہیں۔ اور جب ان تینوں امور میں سے کوئی بھی فصل ممیز نہیں ہوسکتی تو معلوم ہوا کہ انسان جنس نہیں۔ کیونکہ جنس بغیر فصل کے موجود ہی نہیں ہوسکتی۔ بلکہ جنس بذات خود ایک مبہم امر ہوتا ہے جسے فصل ممتاز اور متحقق کرتی ہے۔ جیسے کہ علماء معقول کے ہاں یہ ایک محقق اور مسلم امر ہے۔ ملاحظہ ہو سلم العلوم بحث جنس۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر حدیث "کنت نبیا و آدمؑ بین الماء والطین" سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے کہ نبوت نبی کیلئے فصل ممیز ہوتی ہے۔ اور اس لئے نبی کی نوع انسانی نوع سے الگ اور جداگانہ ہوتی ہے۔ تو قرآن پاک کی آیت مذکورہ بالا کی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔ لہٰذا حدیث مذکور سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط اور باطل ہے۔

دوسری آیت

﴿ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾

اور انہوں نے اس وجہ سے تعجب کیا کہ "اللہ کے عذاب سے" ڈرانے والا انکے پاس ان میں سے ہی "ایک انسان" آ گیا ہے اور (اسی تعجب کی وجہ سے) ان کافروں نے کہا کہ یہ تو "معاذ اللہ" جادوگر ہے اور جھوٹا ہے۔ (سورۃ ص ۳۸۔ آیت نمبر ۴)

اس آیت مبارکہ میں بھی سورۃ یونس کی آیت کی مثل اللہ تعالیٰ نے وہی لفظ "منہم" استعمال فرما کر اس امر پر دلالت قائم کی ہے کہ ان کفار کی نوع انسان تھی۔ اور

انکی طرف آنے والے نبی پاک یعنی آنحضرت ﷺ کی نوع بھی انسانی تھی۔حضورؐ کی نوع کوئی جداگانہ نہیں تھی۔ کیونکہ اگر انکی جداگانہ نوع ہوتی تو اللہ تعالیٰ رسول پاکؐ کے متعلق لفظ "منھم" فرما کر آنحضرتؐ کو ان میں سے شمار نہ کرتا۔لہٰذا اگر نبی پاک کی نوع انسانی نوع سے الگ مانی جائے تو مثل سورہ یونس کی آیت کے اس آیت مذکورہ کی بھی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔لہٰذا آنحضرتؐ کی نوع کا انسانی نوع سے الگ اور جداگانہ قرار دینا ان دونوں آیتوں کے رُو سے باطل ہے۔

تیسری آیت

﴿ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴾

بلکہ انہوں نے اس وجہ سے تعجب کیا کہ "اللہ تعالیٰ کے عذاب سے" ڈرانے والا "نبی" انکے پاس ان میں سے ہی "ایک انسان" آ گیا۔لہٰذا ان کافروں نے کہہ دیا کہ یہ عجیب چیز ہے۔

(سورۃ ق ۵۰۔آیت نمبر۲)

اس آیت میں بھی مثل سابقہ دو آیتوں کے وہی لفظ "منھم" نبیؐ پاک کی شان میں نازل ہوا ہے۔جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ انسانی نوع کا ہی ایک فرد کامل تھے۔جس کے رذیل ترین افراد کفار بھی تھے۔لہٰذا اگر نبیؐ پاک کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ فرض کی جائے تو سورہ یونس اور سورہ ص کی دونوں آیتوں کی طرح اس آیت کی بھی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔لہٰذا نبوت کو نبی کی فصل ممیز قرار دے کر نوع نبی کو انسانی نوع سے الگ قرار دینا از روئے قرآن کریم باطل ہے۔

چوتھی آیت

﴿ أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ﴾

کیا تمہیں اس وجہ سے تعجب لاحق ہوگیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ذکر "یعنی قرآن پاک" جو تمہارے پاس آیا ہے وہ ایک ایسے مرد پر نازل ہوا ہے جو تم میں سے ہی "ایک انسان" ہے۔ تاکہ وہ تمہیں "عذاب خدا" سے ڈرائے۔ (سورۃ اعراف ۷۔ آیت نمبر ۶۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لفظ "منکم" ضمیر خطاب کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اور یہ خطاب ان کفار کو ہی ہے جو ایک انسان کا نبی ہونا درست خیال نہیں کرتے تھے۔ اور اس وجہ سے ایک انسان کا نبی ہونا ان کیلئے باعث تعجب ہوگیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انکے اس خیال فاسد کے فساد کو ظاہر فرمایا اور "منکم" کے لفظ سے نص قائم کی کہ ہمارا نبی اس نوع انسان کا ہی ایک فرد اکمل ہے جس نوع کے تم رذیل ترین افراد ہو۔ کیونکہ نبی نوع انسان کا ہی فرد کامل ہوتا ہے۔ اسکی نوع انسانی نوع سے جداگانہ نہیں ہوتی۔ لہذا نوع نبی کو انسانی نوع سے علیحدہ اور جداگانہ قرار دینا سابقہ تین آیات کی مانند اس آیت پاک کی بھی مخالفت اور تکزیب لازم آتی ہے۔ نیز لفظ "رجل" بمعنی مرد سے بھی اسی مضمون پر نص قائم ہے کہ نبی نوع انسان کا فرد ہوتا ہے۔

پانچویں آیت

﴿ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

بے شک تمہارے پاس ایک رسولؐ آیا ہے جو تمہارے ہی نفسوں میں سے "ایک انسان" ہے۔ جسکو تمہارا تکلیف اٹھانا بڑا ناگوار ہے۔ تمہاری بھلائی اور بہبودی کا وہ خواہاں ہے۔ اور مومنین پر وہ بڑا مہربان اور ان

کیلئے بڑا رحم دل اور شفیق ہے۔ (سورۃ التوبہ ۹۔ آیت نمبر ۱۲۸)

اس آیت میں عام لوگوں کو خطاب ہے۔ اور لفظ "من انفسکم" کے ذریعہ اس مضمون کو ادا کیا ہے کہ وہ اس انسانی نوع میں سے ایک کامل ترین اور برگزیدہ فرد ہے۔ جس کے افراد تم بھی ہو۔ لہٰذا وہ تمہاری نوع انسانی کے افراد میں سے ہی ایک عظیم الشان فرد ہے۔ بنابریں اگر نوع نبی کو انسانی نوع سے الگ تجویز کیا جائے تو سورہ یونس ۔سورۃ ص۔ سورۃ ق اور سورۃ اعراف کی گزشتہ چار آیتوں کے ساتھ اس آیت کی بھی مخالفت اور تکذیب لازم آئے گی۔ لہٰذا نوع نبی کا نوع انسانی سے الگ قرار دینا باطل ہے۔

چھٹی آیت

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں سے انکے نفوس میں سے ایک شخص کو رسول بنا کر مبعوث کیا ہے۔ جو انکے سامنے آیات الٰہیہ پیش کرتا ہے۔ اور ان کو پاکیزہ کرنے کی کوشش بجالاتا ہے ۔اور انکو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ (سورۃ آل عمران ۳۔ آیت نمبر ۱۶۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بالخصوص مومنین کا ذکر فرمایا ہے اور رسول مقبول کا انکی طرف مبعوث کرنا ان کے حق میں ایک احسان عظیم قرار دیا ہے۔ اور ساتھ ہی لفظ 'من انفسھم' کو سرکار رسالت کی شان والاشان میں نازل فرما کر اسی مطلب کو واضح فرمایا ہے کہ رسول پاک اسی نوع انسانی کے ہی ایک باکمال اور ذی شرف فرد ہیں۔ کہ جو دیگر مومنین کی بھی نوع ہے۔ اور مومنین اسکے افراد ہیں۔ بہرحال اسی نوعی اتحاد کے باعث آنحضرت ﷺ کے نفس مبارک کو نفوس مومنین میں سے شمار کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر نوعی اتحاد کا لحاظ نہ کیا

جائے تو پھر کسی طرح سے آنحضرتؐ کا نفس مطہر ومقدس نفوس مومنین کی صف میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔اور یہ اسلئے کہ آنحضرت ﷺ کو تمام کمالات کے اعتبار سے شان امتیازی حاصل ہے۔اور ہر کمال میں اتنی بلندی اور رفعت حاصل ہے کہ مومنین کو وہ شان اور رفعت ہرگز حاصل نہیں۔لہٰذا سرکار رسالت ﷺ کو اگر نفوس مومنین کی صف میں بھی شمار کیا جاسکتا ہے تو صرف اسی اعتبار سے کہ لفظ انسان کو جو ایک نوعی معنی رکھنے والی کلی ہے وہ ہر مومن پر بھی صادق آتی ہے۔اور نبی پاک ﷺ پر بھی صادق آتی ہے۔لہٰذا اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ نبی کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ نہیں ہے۔اور نوع نبی کو جداگانہ قرار دینے سے جہاں گذشتہ پانچ آیتوں کی مخالفت اور تکذیب ہوتی ہے وہاں اس آیت کی بھی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔

ساتویں آیت

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ﴾

وہی اللہ جل شانہٗ ہی تو وہ ہستی ہے جس نے ان پڑھوں یا ام القریٰ کے رہنے والوں میں ایک رسول مبعوث کیا۔جو ان میں کا ہی ایک ''انسان'' ہے۔جو ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات پیش کرتا ہے۔اور انکو پاکیزہ کرتا اور انہیں کتاب ''قرآن پاک'' اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔اگرچہ کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔(سورۃ الجمعہ ۶۲۔آیت نمبر ۲)

اس آیت میں بھی لفظ "منھم" کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اس مطلب پر دلالت قائم کی ہے کہ آنحضرت سرکار رسالت ﷺ اسی نوع انسانی کا ایک کامل ترین فرد ہے۔کہ مکہ معظمہ کے باشندے یا دیگر عام ان پڑھ عرب جس کے افراد تھے۔اس آیت سے بھی یہ مطلب ثابت ہے کہ نوع نبی انسانی نوع سے جداگانہ نہیں۔ورنہ سابقہ چھ آیات کے

ساتھ اس آیت مبارکہ کی بھی مخالفت اور تکذیب لازم آئے گی۔

آٹھویں آیت

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾

جس طرح کہ ہم نے تم میں ایک رسول بھیجا ہے جو تم میں سے ہی "ایک انسان" ہے۔ وہ ہماری آیتیں تمہارے سامنے پیش کرتا ہے۔ تمہیں پاکیزہ کردینے کی کوشش کرتا ہے۔ اور تم کو کتاب اور حکمت کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اور ان چیزوں کی تمہیں تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

(سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۱۵۱)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے "رسولا منکم" کے الفاظ سے وہ مضمون ادا فرمایا جو سورہ یونس۔ سورہ ص۔ سورہ ق۔ سورہ الاعراف۔ سورہ التوبہ۔ سورہ آل عمران اور سورہ الجمعہ کی گزشتہ سات آیات میں بیان فرمایا! کہ جناب سرکار رسالت ﷺ اگرچہ کہ "اپنے تمام کمالات میں سارے انسانوں سے افضل اور سب سے ممتاز ہیں۔ لیکن انسانی نوع کا فرد ہونے کے اعتبار سے وہ بھی اسی نوع کے افراد میں سے ایک فرد ہیں۔ لہٰذا آپ کی نوع کو انسانی نوع سے الگ اور جداگانہ قرار دینا جس طرح سابقہ سات آیات کی مخالفت ہے اسی طرح اسکی بھی مخالفت اور تکذیب کو مستلزم ہے۔

نویں آیت

﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾

کہ اے رسولؐ کہہ دیجئے کہ میرا رب پاک ہے۔ میں تو بس ایک انسان ہوں جو کہ رسول ہوں"۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت نمبر ۹۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿ بشرا رسولا ﴾ کے الفاظ سے اسی مسئلہ کو بیان

فرمایا کہ حضور سرور کائنات کسی دیگر نوع کے نہیں نوع انسانی کے ہی فرد کامل اکمل تھے۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نوع انسانی نوع نہیں بلکہ انکی نوع الگ اور جداگانہ ہے۔ وہ گزشتہ آٹھ آیتوں کے علاوہ اس آیت کی بھی مخالفت اور تکذیب کرتے ہیں۔

دسویں آیت

﴿ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴾
لوگوں کے پاس جب ہدایت آئی "یعنی قرآن کریم کے ذریعہ دین الٰہی آیا" تو انکو ایمان سے صرف اسی چیز نے روکا کہ انہوں نے کہا! کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟

(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت نمبر ۹۴)

روز اوّل سے کفار کا یہ عقیدہ چلا آیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا نبی اور رسول انسانی نوع کا فرد یعنی انسان نہیں ہو سکتا بلکہ وہ انسانی نوع سے الگ اور جداگانہ نوع کا فرد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی چیز کا تذکرہ فرمایا کہ کفار کا یہ غلط عقیدہ ہی انکو حضور سرور کائنات پر ایمان لانے سے مانع ہوا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے اسی عقیدہ باطلہ کے تحت از راہ تعجب یہ کہا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیج دیا ہے؟ اور پھر اسی عقیدہ باطلہ کے باعث حضورؐ پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ تم چونکہ انسانی نوع کے ایک فرد اور انسان ہو لہٰذا تم نبی اور رسول نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا تم اپنے دعوی نبوت اور رسالت میں سچے نہیں ہو۔ اسلئے ہم تم پر ایمان نہیں لاتے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت وافیۃ الہدایۃ کے ذریعہ اس مطلب کی طرف اشارہ فرمایا کہ کفار کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ نبی انسانی نوع کا فرد نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکی نوع جداگانہ ہوتی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ نبی انسانی نوع کا ہی ایک فرد ہوتا ہے۔ اس کی نوع انسانی نوع سے الگ اور جداگانہ نہیں ہوتی۔ کفار اگر صحیح عقیدہ کو اپناتے تو انکو تعجب لاحق نہ ہوتا اور وہ حضورؐ کی

ذات والاصفات پر ایمان لانے سے انکار نہ کرتے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ نبی پاکؐ کے انسانی نوع کا فرد ہونے سے انکار کرنا اور نبی کی نوع کو انسانی نوع سے الگ اور جداگانہ نوع کا قرار دینا یہ کافروں کا عقیدہ ہے۔ جس سے سابقہ نو آیتوں کے ساتھ ساتھ اس زیر بحث آیت کی بھی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔ اعاذنا اللّٰہ من ھذہ العقیدۃ الفاسدۃ المخالفۃ للقرآن الحکیم و الفرقان العظیم۔

گیارھویں آیت

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾

اے نبی! ان کفار سے کہہ دیجئے کہ اگر زمین میں رہنے والے ملائکہ ہوتے جو اس میں اطمینان سے چل پھر رہے ہوتے تو پھر ہم ان پر کسی فرشتے کو آسمان سے رسول بنا کر بھیجتے۔

(سورۃ بنی اسرائیل ۱۷۔ آیت نمبر ۹۵)

اس آیت مبارکہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر زمین کے باشندے اس میں رہنے والے انسان نہیں فرشتے ہوتے تو پھر حکمت کا مقتضٰی یہ تھا کہ ان کی طرف کوئی فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جائے۔ تو ہم کسی فرشتے کو انکی ہدایت کیلئے رسول بنا کر بھیجتے۔ لیکن جبکہ صورتحال یہ ہے کہ زمین کے باشندے انسان ہیں فرشتے نہیں۔ تو پھر حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی طرف انسان کو رسول بنا کر بھیجا جائے۔ لہٰذا ہم نے ایک برگزیدہ اور باکمال انسان کو ہی منتخب کر کے رسول بنایا۔ اور اسے انکی ہدایت کیلئے مبعوث کیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حکمت ربانی کا تقاضا ہی یہ ہے کہ رسول انسانی نوع کا فرد ہو۔ لہٰذا جو لوگ کہتے ہیں کہ نبی نوع انسانی کا فرد نہیں ہوتا ہے بلکہ انکی نوع جداگانہ اور الگ ہوتی ہے وہ گویا حکمت ربانیہ کو اپنے اعتراض فاسد کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں خواہ انکو اس کا شعور نہ بھی ہو۔ تاہم انکے اعتراض اور اس عقیدہ فاسدہ سے اللہ تعالیٰ کی حکمت پر زد پڑتی ہے۔ لہٰذا یہ عقیدہ باطل ہے کہ نبی

نوع انسانی کا نہیں ایک الگ جداگانہ نوع کا فرد ہوتا ہے۔اس عقیدہ باطلہ سے جہاں سابقہ دس آیتوں کی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔وہاں آیت زیر بحث کی بھی مخالفت اور تکذیب لازم آتی ہے۔

بارہویں آیت

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾

اے نبی! "ان سے" کہہ دیجئے کہ میں تو تمہاری ہی مثل ایک انسان ہوں" لیکن میری طرف یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایسا معبود ہے جو واحد و یکتا اور یگانہ ہے۔(سورۃ الکھف ۱۸۔آیت نمبر ۱۱۰)

اس آیت میں دو مرتبہ لفظ " انما " استعمال ہوا۔اور اپنے مقام پر یہ ایک امر محقق ہے کہ یہ کلمہ " انما " حصر کا کلمہ ہے۔پہلی مرتبہ یہ قصر قلب کیلئے استعمال ہوا ہے۔کیونکہ قصر قلب وہ ہوتی ہے جو مخاطب کے اعتقاد اور خیال کی بالکل نفی کرتی ہے۔اور اسکے الٹ اور برعکس مطلب کو ثابت کرتی ہے۔اور اس آیت میں خطاب ان لوگوں سے ہے جو اس اعتقاد کے حامی تھے کہ جو دیگر انسانوں کی مانند نوع انسانی کا فرد ہو وہ نبی نہیں ہوسکتا۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے لفظ " انما " کے ذریعہ اس مطلب کو ادا فرمایا ہے۔

ان کفار کا یہ عقیدہ بالکل باطل ہے کہ نبی نوع انسانی کا فرد نہیں ہوسکتا۔بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے اور وہ یہ کہ نبی نوع انسانی کا ہی فرد ہوتا ہے۔اسلئے قدرت نے اپنے حبیب کو مامور فرمایا کہ! اے میرے پیارے ان کو کہہ دیجئے کہ میں اسی طرح نوع انسانی کا فرد اور انسان ہوں جس طرح تم نوع انسانی کے افراد ہو۔کیونکہ انسان کلی متواطی ہے جو اپنے تمام افراد پر برابر اور مساوی حیثیت سے صادق آتی ہے۔لیکن ہاں میں اس قدر کمالات،فضائل اور مزیات کا حامل ہوں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے فیضان سے

نواز دیا ہے۔اور نبوت کے شرف سے مشرف کر دیا ہے۔اور تم اس قدر رذائل اور فضائح کی آلائشوں سے ملوث ہو کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہوگا۔اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے معذب رہو گے۔

اور دوسری مرتبہ لفظ " انما " اس آیت میں قصر افراد کیلئے واقع ہوا۔کیونکہ قصر افراد اس حصر کو کہتے ہیں جس میں مخاطب کے اعتقاد اشتراک کی نفی ہوتی ہے۔اور یہاں جن کفار سے خطاب ہے وہ مشرک تھے۔صرف ایک ذات الٰہیہ جل شانہٗ کو ہی نہیں بلکہ ساتھ ہی اپنے بتوں کو بھی لائق عبادت سمجھتے تھے۔اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکے اس اعتقاد شرک کی نفی کیلئے فرمایا ﴿ اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ کہ صرف اللہ تعالیٰ ایک کہ جو وحدہ لاشریک و بے مثل و بے مثال ہے۔وہ لائق عبادت ہے اللہ کے ساتھ دوسرے جن بتوں وغیرہ کو تم اپنے فاسد خیال میں مستحق عبادت سمجھتے ہو۔وہ ہرگز لائق عبادت نہیں۔

غرض اس آیت مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے صراحۃً آنحضرت سرور کائنات ﷺ کو بشر یعنی انسان کہا ہے۔جو اس مطلب کیلئے نص ہے کہ حضور پاک نوع انسانی کے فرد کامل اکمل تھے۔اور وحی یا نبوت انکی ماہیت ہی تھی۔اگر انکی نوع کوئی جداگانہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ انکو بشر نہ کہتا۔لہٰذا اگر یہ کہا جائے کہ نبی کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ ہوتی ہے تو پھر گزشتہ گیارہ آیتوں کے ساتھ اس آیت کی بھی مخالفت اور تکذیب لازم آئیگی۔

توضیح درباره لفظ " مثلکم " در آیت مذکوره

لاریب کہ آنحضرت نبی مصطفےٰ ﷺ کی شان والا شان ساری مخلوق سے نہ صرف بلند ہے بلکہ انکی رفعت اور بلندی کے مدارج اور مراتب کو کسی شخص کا طائر خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔وہ اپنے روحانی اور جسمانی خَلقی اور خُلقی کمالات وفضائل اور صفات ومناقب کے لحاظ سے ہر مصنوع اور ہر مخلوق کی نسبت نہ صرف افضل ہیں بلکہ انکے فضائل ومناقب کی انتہا

ایک عامی انسان کے حدود تصور سے ہی باہر ہے۔ خواہ وہ اپنی ذہانت وفطانت کے اعتبار سے بلند سے بلند مرتبہ ہی رکھنے والا کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے انکی شان والاشان کے متعلق ہر شخص وہی کچھ کہہ سکتا اور اعتقاد رکھ سکتا ہے جو آنحضرتؐ نے خود فرمایا۔ یا انکے اوصیاء کرام آئمہ معصومین علیہم السلام نے بتایا۔ اور ایسا کوئی عقیدہ انکے بارے میں قائم نہیں کرسکتا جو انہوں نے خود تعلیم نہیں فرمایا، یا جس سے منع فرمادیا ہے۔

بنابریں ارشاد باری تعالیٰ ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ میں جس مثلیت کا اثبات ہے وہ کوئی ایسا معنی ہرگز نہیں ہوسکتا جس کا تعلق فضیلت اور شان سے وابستہ ہو۔ بلکہ وہ ایسا معنی ہوسکتا ہے جو ہر کس و ناکس اور ہر ادنیٰ واعلیٰ انسان کیلئے ثابت ہوسکتا ہو۔ اور جس کے اثبات سے نہ کسی ذی شرف اور صاحب کمال کے شرف وکمال میں کمی پیدا ہوسکتی ہو۔ اور نہ ہی کسی ادنیٰ اور پست مرتبہ کو اسکے باعث کوئی فضیلت یا بلندی حاصل ہوسکتی ہو اور وہ ہے نوع انسان کا فرد ہونا۔ اور اسکا مصداق ہونا۔ کیونکہ یہ ایک ایسا معنی ہے جو ہر ناقص سے ناقص اور پست سے پست انسان کیلئے بھی ثابت ہے۔ اور ہر باکمال اور ہر صاحب شرف کیلئے بھی ثابت۔ اور باوجود اسکے اس اثبات سے کسی کے واقعی مرتبہ میں نہ کچھ کمی ہوسکتی ہے نہ اضافہ۔ چنانچہ ایک عالم بھی انسان ہے اور جاہل بھی انسان، مومن بھی انسان ہے اور کافر بھی انسان، فاسق وفاجر بھی انسان ہے تو متقی وزاہد اور پرہیزگار بھی انسان، ایک بینا اور بصیر بھی انسان ہے اور نابینا اندھا بھی انسان ہے، سخی اور بہادر بھی انسان ہے اور کنجوس اور بزدل بھی انسان، حسین و خوبصورت بھی انسان ہے اور بدصورت وقبیح منظر سیاہ فام بھی انسان، اپاہج ولنگڑا بھی انسان ہے تو صحیح وسالم اعضاء رکھنے والا بھی انسان، ایک ذکی فہیم بھی انسان ہوتا ہے اور غبی کند ذہن بھی انسان، ایک دانا عقلمند بھی انسان ہے اور احمق بیوقوف بھی انسان، رئیس اور حاکم بھی انسان ہوتا ہے تو محکوم اور مزدور بھی انسان، بادشاہ شہنشاہ بھی

انسان ہے تو انکی رعایا کا ہر فرد بھی انسان، اسی طرح نبی اور امام بھی انسان ہوتا ہے اور انکی ثبوت پر ایمان رکھنے والے یا اس سے کفر اور انکار کرنے والے بھی انسان۔ غرض سب ہی انسان ہیں اور اس سے نہ کسی کی شان واقعی اور مرتبہ واقعیہ میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے نہ اضافہ۔

پھر لفظ انسان ایسا معنی رکھنے والی کلی ہے جو کلی مشکک نہیں بلکہ کلی متواطی ہے۔ کیونکہ کلی متواطی اہل معقول کے نزدیک اس کلی کو کہا جاتا ہے جو اپنے تمام مصادیق پر مساوی اور یکساں حیثیت سے صادق آتی ہے۔ برعکس اسکے کلی مشکک اس کلی کو کہتے ہیں جو اپنے مصادیق پر یکساں حیثیت سے صادق نہیں آتی۔ بلکہ اسکے صادق آنے میں شدت وضعف یا زیادتی ونقصان وغیرہ کے اعتبار سے فرق ہوتا ہے۔

انسان کلی متواطی ہے کیونکہ وہ اپنے سارے افراد پر مساوی حیثیت سے صادق آتی ہے۔ اس کے صادق آنے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ مثلاً ایسا نہیں ہوسکتا کہ ایک لمبے قد والے پر انسان زیادہ صادق آئے اور چھوٹے قد والے پر تھوڑا صادق آئے۔ یا برعکس اسکے چھوٹے قد والے پر انسان زیادہ صادق آئے اور لمبے قد والے پر تھوڑا صادق آئے۔ یا موٹے بدن والے پر انسان کا صدق زیادتی کی صورت سے ہو اور دبلے پتلے پر کم طور پر صادق آئے۔ یا اسکے برعکس صورت ہوجائے یا یہ کہ ایک امیر پر انسان کا صدق زیادتی کے ساتھ ہو اور غریب پر کم طور پر صادق آئے۔ بہرحال انسان کا اپنے افراد اور مصادیق پر صادق آنا اس قسم کے اختلاف کی صورت سے نہیں بلکہ وہ سب پر یکساں صادق آتا ہے۔

چنانچہ انسان ہونے کے اعتبار سے جیسے ایک عالم انسان ہے اسی کی مثل جاہل بھی انسان ہے۔ دونوں کے انسان ہونے میں کوئی فرق نہیں۔ اسی طرح جیسے ایک سخی اور بہادر انسان ہے اسی کی مثل کنجوس اور بزدل بھی انسان ہے۔ دونوں کے انسان ہونے میں کوئی

فرق نہیں۔علی ہذالقیاس امیر،غریب،بینا،نابینا،جوان،بوڑھا،بیمار،تندرست،حاکم محکوم وغیرہ سب انسان ہونے میں برابر ہیں۔جس طرح ایک انسان ہے اسی کی مثل دوسرا انسان ہے۔سب کے انسان ہوتے میں کوئی فرق نہیں اگر چہ کہ ان کے کمالات اور صفات وغیرہ میں اختلاف ہے۔اور انسان کے سب پر صادق آنے سے صاحبان کمالات کے کمالات میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوسکتا۔یہی معنی ہے نبی پاکؐ کے دیگر انسانوں کی مثل انسان ہونے کا۔کہ جس طرح دوسرے لوگ انسان کے افراد ہیں اور انسان ان پر صادق آتا ہے۔اسی طرح آنحضرت سرکار رسالتؐ بھی انسان کا ایک فرد باکمال ہیں۔اور انسان ان پر اسی کی مثل صادق آتا ہے جس طرح کہ دوسرے لوگوں پر صادق آتا ہے۔اور ان دوسرے لوگوں کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہوجاتا۔

یہ ہے وہ معنی جسے ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ اے میرے پیارے! ان سے کہہ دیجیے کہ میں انسان کا فرد ہوتے میں تمہاری ہی مثل ہوں۔اس توضیح سے یہ امر بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ جو لگ اس مثلیت کے اثبات کو رسولؐ پاک کی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔وہ جاہل ہیں انہیں حقائق امور سے شناسائی نہیں۔کیونکہ اگر اس مثلیت کا اثبات شان سید المرسلین خاتم النبیینؐ کے خلاف ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس لفظ "مثلکم" کو حضورؐ کی شان والاشان میں ہرگز نازل نہ فرماتا۔اور جب نازل فرمادیا ہے تو معلوم ہوا کہ جو لوگ اس مثلیت کا انکار کرتے ہیں وہ قرآن شریف کے منکر ہیں۔

مندرجات بالا کی مزید توضیح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ بعض الفاظ کا معنی ایسی نوعیت کا ہوتا ہے کہ فی نفسہ یعنی اس کی نفس ذات کی اعتبار سے وہ کمال ہوتا ہے اور نہ ہی وہ معنی نقص ہوتا ہے۔بلکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے نقص اور کمال دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے۔اگر شرف وکمال کے اسباب اس معنی میں جمع ہوجائیں تو وہی باکمال اور ذی شرف شمار

ہونے لگتا ہے۔ اور اگر نقص و پستی کے اسباب اس میں متحقق ہو جائیں تو وہی معنی ناقص اور پست شمار ہونے لگتا ہے۔ مثلاً ایک لفظ ہے "صورت" اس کا معنی اپنی ذات کے اعتبار سے نہ کمال کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی نقص شمار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر اس میں خوبی اور اچھائی کے اسباب متحقق ہوں تو اسے کہا جاتا ہے "خوبصورت" اور اگر اس میں عیب و نقص کے اسباب متحقق ہوں تو پھر کہا جائے گا "بدصورت"۔ معلوم ہوا کہ لفظ "صورت" اپنے ذات کے اعتبار سے نہ اچھی کہی جا سکتی ہے نہ بری۔ کیونکہ اگر وہ اپنی ذات کے اعتبار سے خوبی کو چاہتی تو بدصورت کوئی نہ ہوتا اور اگر ذاتی اعتبار سے برائی اور نقص کو چاہتی تو خوبصورت کوئی نہ ہوتا۔ حالانکہ خوبصورت و بدصورت ہر دو متحقق ہیں۔

اسی طرح ہے لفظ بو کہ وہ فی نفسہ نہ اچھائی کو چاہتی ہے نہ برائی کو بلکہ دونوں کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ خوشبو بھی ہو سکتی ہے اور بدبو بھی ہو سکتی ہے۔ بو کا اطلاق دونوں پر ہوتا ہے مگر باوجود اس کے خوشبو کی اچھائی میں اس اطلاق کے باعث کوئی نقص لازم نہیں آتا۔ اتنی وضاحت کے بعد اب بخوبی سمجھ آ سکتا ہے کہ انسان بھی ایک ایسا معنی رکھنے والا لفظ ہے جو فی نفسہ نہ کمال ہے نہ نقص۔ بلکہ نقص اور کمال دونوں کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ نیک بھی ہو سکتا ہے بد بھی ہو سکتا ہے، مومن بھی ہو سکتا ہے کافر بھی ہو سکتا ہے، عالم بھی ہو سکتا ہے جاہل بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن بد کا انسان ہونا نیک انسان کے لیے کسی نقص کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اور اسی طرح کافر اور جاہل کا انسان ہونا مومن اور عالم کیلئے کسی عیب اور نقص کا موجب نہیں ہو سکتا۔ بس جس طرح کہ کافر اور جاہل ہونا مومن انسان اور عالم کیلئے کسی نقص کا باعث نہیں ہو سکتا اسی طرح سب دیگر ہر قسم کے انسانوں کا انسان ہونا بھی نبی پاکؐ کے کمالات میں کسی نقص کا باعث نہیں ہو سکتا۔ یہ ہے معنی قول باری تعالیٰ ﴿ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ ﴾ کا کہ میں بھی تمہاری ہی مثل نوع انسان کا ایک فرد

ہوں۔مگر اس کمال عظیم کا مالک ہوں کہ میری طرف اللہ کی جانب سے وحی ہوتی ہے اور تم میں سے کسی کو بھی یہ شرف حاصل نہیں ہے۔اور میں دیگر بھی بہت سے ایسے کمالات کا مالک ہوں جن سے تم خالی ہو۔

اس توضیح پر مطلع ہونے کے بعد ایک معمولی عقل وفہم کا آدمی بھی بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ ﷺ کی مذکورہ نوعیت کی مثلیت پر کسی قسم کا کوئی اعتراض قائم نہیں ہوسکتا۔ بلکہ جو اس مثلیت پر معترض ہو اور اسکا انکار کرے وہ قرآن کریم کا منکر ہے۔اور عقل سلیم کا دشمن۔

تیرھویں آیت

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ﴾

''اے میرے حبیب! تم سے پہلے بھی میں نے گاؤں کے رہنے والے کچھ مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ (سورۃ یوسف ۱۲۔آیت نمبر۱۰۹)

اس آیت میں بھی ان کافروں کے عقیدہ کی تردید ہے جن کا یہ خیال خام تھا کہ ایک انسان نبی نہیں ہوسکتا۔تو اللہ تعالی نے یہ ایک اپنا دائمی طریق کار بیان فرمایا کہ اے نبیؐ! آپ سے پہلے بھی ہمیشہ میں نے انسانوں کو ہی نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔اسلئے آپ بھی انسان ہیں اور میرے نبی ہیں۔آپکا انسان ہوتے ہوئے نبی ہونا میرے دائمی طریقہ اور ہمیشہ کی سنت کے مطابق ہے۔وہ لوگ باطل اعتقاد کے حامی ہیں جو کہتے ہیں کہ نبی نوع انسانی کا فرد نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اسکی نوع انسانی نوع سے جداگانہ ہوتی ہے۔اس آیت میں ﴿ نُوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ ﴾ کے الفاظ سے وحی کا ذکر بھی آگیا ہے۔جس سے یہ بات اس آیت کے ذریعہ بھی واضح ہو رہی ہے کہ نبی کیلئے نہ وحی فصل ممیز ہے اور نہ ہی نبوت اور نہ ہی انسان کو جنس بنایا جاسکتا ہے بلکہ وہ نوع ہے۔واضح رہے کہ رجال رجل کی جمع ہے اور رجل انسان

کی اس صنف کا نام ہے جو مرد کہلاتی اور عورت کے مقابلہ میں ہوتی ہے۔

چودھویں آیت

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾

اے میرے حبیبؐ! میں نے ہمیشہ تم سے پہلے بھی کچھ مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا۔ لہٰذا "اے اہل مکہ" اگر تمہیں اسکا علم نہیں تو اہل علم سے پوچھ لو۔ (سورۃ النحل ۱۶۔ آیت نمبر ۴۳)

اس آیت کا مضمون بھی وہی ہے جو اس سے سابق نقل کردہ آیت مبارکہ کا ہے۔

ہم نے یہ چودہ آیات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے عدد مبارک کے مطابق نقل کر دی ہے۔ ان پر اطلاع کے بعد بھی اگر کوئی شخص یہ کہے گا کہ نبی پاکؐ نوع انسانی کا فرد نہیں تھے بلکہ انکی نوع علیحدہ اور جداگانہ تھی تو وہ ان چودہ آیات کا منکر اور تکذیب کنندہ ہوگا۔ بلکہ وہ چہاردہ معصومین علیہم السلام کے ارشادات کا بھی منکر اور مکذب ہوگا۔ کیونکہ حسب حدیث ثقلین چہاردہ معصومین علیہم السلام کا کوئی فرمان قرآن پاک کے خلاف نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا انتہائی وضاحت سے ثابت ہوگیا کہ حدیث مبارکہ "کنت نبیا و آدمؑ بین الماء والطین" کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوسکتا۔ کہ نبوت نبی کی فصل ممیز ہے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوع علیحدہ اور جداگانہ ہے اور وہ نوع انسانی کا فرد نہیں ہیں۔

وجہ پنجم:۔ اس وجہ کی پانچویں حدیث "کنت نبیا و آدمؑ بین الماء والطین" اس امر کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ نبوت نبیؐ پاک کی ماہیت کا جز اور فصل ممیز تھی یہ ہے کہ اگر اس حدیث کا معنی اور مطلب یہ لیا جائے تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہی گزشتہ حدیث کے مخالف اور اسکے معارض ہوجاتی ہے۔ جس میں حضرت نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے نبی بنانے سے پہلے عبد بنایا۔

وہ حدیث قبل ازیں کتاب عیون اخبار رضا علیہ السلام جلد نمبر ۲ ص ۱۵۶ سے نقل ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "لا ترفعونی فوق حقی فان اللہ تبارک و تعالیٰ اتخذنی عبدا قبل ان یتخذنی نبیا" کہ مجھے میرے حق سے بلند نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنانے سے پہلے عبد بنایا۔

اس حدیث میں رسول پاکؐ نے تصریح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پہلے عبد بنایا اور اسکے بعد نبی بنایا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضورؐ ایک وقت میں عبد بنائے گئے۔ تو اس وقت نبی نہیں تھے۔ عبد بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انکو نبوت کا شرف بخشا جس سے نہایت وضاحت سے یہ مطلب ثابت ہے کہ نبوت حضرت کی ماہیت کا جز نہ تھی۔ کیونکہ اگر جز ہوتی تو ایسا ممکن نہ تھا کہ نبوت سے پہلے حضرتؐ عبد بنائے جاتے۔ اور جب پہلے عبد بنائے گئے تو معلوم ہوا کہ عالم وجود میں آ جانے کے بعد انکو نبوت حاصل ہوئی۔ لہٰذا انکی ماہیت کا جز نہ ہوئی۔ اور جب نبوت ماہیت کا جز نہ ہوئی تو انسان آنحضرتؐ کی ماہیت کیلئے جنس نہ ہوئی۔ بلکہ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوع ہوئی۔

علاوہ ازیں انسان کا جنس حقیقی ہونا ہی محال ہے۔ جیسا کہ سابقاً بیان ہو چکا کہ انسان تمام اولاد آدمؑ اور خود حضرت آدمؑ سب کیلئے نوع حقیقی ہے۔ لہٰذا اسکا جنس حقیقی ہونا محال ہے۔ کیونکہ نوع حقیقی اور جنس حقیقی میں تباین کلی ہوتا ہے۔ اسلئے جنس حقیقی کا کوئی فرد نوع حقیقی نہیں ہوسکتا۔ اور اسی طرح نوع حقیقی کا کوئی فرد جنس حقیقی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا انسان جنس حقیقی نہیں ہوسکتا۔ نیز اگر انسان کو جنس حقیقی فرض کیا جائے تو اسکے ساتھ جب فصل ممیز ملتی ہے تو اس اقتران سے ایک نوع متحقق ہوتی اور پھر نوع کا نام انسان نہ ہوتا کچھ اور ہوتا۔ جیسے کہ حیوان کے ساتھ جب ناطق ملے تو دونوں کے مجموعے سے ایک نوع متحقق ہوتی ہے جسکا نام انسان ہے۔ اسی طرح اہل معقول کے نزدیک اگر حیوان کے ساتھ صاہل مقترن

ہوتو ایک نوع دیگر پیدا ہوتی ہے جسکا نام گھوڑا ہے۔ اور اسی طرح اگر حیوان کے ساتھ ناھک کا اقتران ہوتو جو نوع متحقق ہوگی اسکا نام گدھا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو فصل حیوان سے مقترن ہوتی جاتی ہے تو ایک نئی نوع ہوتی جاتی ہے۔ لیکن انسان کے ساتھ جس قدر اوصاف مقترن ہوتے رہیں سب کی نوع انسان ہی رہتی ہے نوع نہیں بدلتی۔ مثلاً انسان کے ساتھ علم کا اقتران ہوتو انسان عالم ہوگا۔ لہٰذا نوع نہیں بدلے گی۔ علی ہذا القیاس اگر اس سے قیام وقعود وغیرہ کا اقتران ہوتو گو وہ قائم وقاعد وغیرہ کہلائے گا۔ مگر اسکی نوع پھر بھی انسان ہی رہے گی نوع نہیں بدلے گی۔ اسی طرح انسان اور نبوت کے اقتران سے بھی نوع کی تبدیلی نہیں ہوگی۔ نوع نبی کی انسان ہی رہے گی۔ کیونکہ مجموعہ انسان ونبوت اگرچہ نبی کے باعظمت لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے مگر نوع نبی کی پھر بھی انسان ہی ہے کوئی دیگر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارہا نبی کو مختلف طریقوں اور متفاوت عبارتوں کے ذریعہ انسانوں میں سے شمار کیا۔ کبھی ان انسانوں میں سے کہا جو مومن تھے، کبھی ان انسانوں سے کہا جو کافر تھے، کبھی مومن اور کافر دونوں سے عام معنی کے اعتبار سے حضور کو انسانوں میں سے شمار کیا۔ آیات سابقاً بیان ہو چکیں۔ اور ظاہر ہے کہ مومن کافر وغیرہ سب کی نوع انسان ہی تھی۔ لہٰذا قدرت کا نبی کو انسانی نوع رکھنے والے افراد سے قرار دینا اسکی واضح دلیل ہے کہ انسان کو نبوت سے مشرف ہونے کے اعتبار سے بھی جب ملحوظ رکھا جائے تو بھی اسکی نوع انسان ہی ہوگی۔ اسکی کوئی جداگانہ نوع نہیں قرار دی جاسکتی۔ غرض نبوت ایک عظیم المرتبہ انسانی خداداد وصف ہے۔ جس طرح کہ عالم، مومن، عابد، شجاع، سخی، صادق وغیرہ انسانی اوصاف ہیں۔ اور جس طرح کہ ان اوصاف سے متصف ہونے والا شخص نوع انسانی کا ہی فرد ہوتا ہے۔ اسی طرح وصف نبی سے اتصاف رکھنے والی شخصیت بھی نوع انسانی کا ہی فرد ہوتی ہے۔ جیسے کہ جو شخص ان اوصاف جمیلہ سے خالی ہو وہ بھی انسان کی نوع کا ہی فرد ہوسکتا ہے یعنی

جاہل، کافر، بزدل، کنجوس وغیرہ بھی انسان ہی کے افراد ہیں۔ہاں عالم، مومن، عابد، شجاع وغیرہ یہ انسان کی اصناف کہلا سکتی ہیں انسان کی انواع نہیں کہلا سکتیں۔اور یہ ایسا واضح مسئلہ ہے کہ ایک عقل سلیم رکھنے والا کبھی اسکا انکار کرنے کیلئے تیار نہیں ہوسکتا۔لہٰذا آنحضرت ﷺ کے عالم ارواح میں نبی ہونے کے باوجود انکی روح مبارک کی نوع روح انسانی ہی ہے۔کسی دوسری نوع کی روح نہیں ہوسکتی۔

وقت ولادت سے نبی ہونا علیحدہ نوع ہونے کا باعث نہیں ہوسکتا

بعض لوگوں کو یہ وہم دامن گیر ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ چونکہ وقت ولادت سے نبی تھے۔اسلئے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کی نوع جداگانہ تھی۔یہ خیال بھی تعدد وجوہ کے باعث باطل ہے۔کیونکہ نوع کے جداگانہ ہونے کا دارومدار کسی وصف کے وقت ولادت حاصل ہونے پر نہیں ہے۔بلکہ اسکا مدار کسی وصف کے جز ماہیت ہونے پر قائم ہے۔اور یہ اسلئے کہ بہت سے ایسے اوصاف ہیں۔۔۔۔۔۔جو بعض انسانوں کو وقت ولادت سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔لیکن وہ صاحب وصف کی نوع کے جداگانہ ہونے کا باعث نہیں ہوسکتے۔مثلاً انسانی اوصاف میں سے ہے،بصیر ہونا یعنی بینائی سے متصف ہونا۔چنانچہ نوع انسان کے اکثر افراد وقت ولادت سے بینا پیدا ہوتے ہیں لیکن تاہم بینا ہونا یہ شخص بینا کی ماہیت کا جز نہیں۔اس لئے شخص بینا کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ نہیں بلکہ نابینا شخص کی نوع بھی انسان ہی ہے۔اگر بینا ہونا اسکی ماہیت کا جز ہوتا تو کسی بینا کا کوئی فرزند نابینا نہ ہوتا۔اور اسکے برعکس کسی نابینا کا کوئی فرزند بینا نہ ہوتا۔حالانکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ کئی بصیر ایسے ہوتے ہیں جن کے فرزند نابینا ہوتے ہیں اور کئی نابینا ایسے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ بابصارت فرزند عطا کرتا ہے۔

نیز کئی صاحبان بصارت ایسے ہوتے ہیں جو آخر عمر میں یا کسی حادثے کے

باعث نابینا ہو جاتے ہیں۔لیکن انکے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اندھے ہیں اور بینا نہیں رہے۔
لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ انسان نہیں رہے۔معلوم ہوا کہ بصیر ہونا ایسا وصف ہے جو وقت
ولادت سے ایک انسان کو حاصل ہوسکتا ہے لیکن وہ اسکی ماہیت کا جز نہیں ہے۔اسی طرح نبی
ہونا بھی ایک ایسا باعظمت اور عظیم المرتبہ وصف ہے جو وقت ولادت سے حاصل ہوسکتا ہے
مگر وہ ماہیت نبی کا جز نہیں۔ورنہ ہر نبی کا ہر فرزند نبی ہوتا۔اور کسی غیر نبی کا کوئی فرزند نبی نہ
ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔کیونکہ بہت سے انبیاء ایسے تھے جن کے کئی فرزند نبی نہیں
تھے۔چنانچہ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت یعقوبؑ وغیرہ انبیاء کی مثالیں موجود ہیں کہ
انکے فرزند ایسے بھی ہوئے جو نبی نہیں تھے۔حضرت آدمؑ کے ایک فرزند نے اپنے بھائی کو قتل
کر دیا تھا وہ نبی تو بجائے خود مومن ہی نہ تھا۔حضرت نوحؑ کا فرزند اپنے باپ کے ہمراہ کشتی پر ہی
سوار نہ ہوا تھا۔کافر ہو کر طوفان میں غرق ہو گیا تھا۔حضرت یعقوبؑ کے بعد فرزندان نے اپنے
بھائی یوسفؑ کو کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔یہ واقعات ایسے واضح ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اور کئی ایسے انبیاء ہیں جن کے والد نبی نہیں تھے۔مثلاً آنحضرت محمد مصطفےٰ ﷺ
کے والد ماجد اگرچہ ایک بلند مرتبہ صاحب ایمان تھے۔مگر تاہم نبی نہیں تھے۔حضرت موسیٰ
علیہ السلام کے والد ماجد بھی نبی نہیں تھے۔حضرت ابراہیمؑ کے والد بزرگوار بھی نبی نہیں تھے
اگرچہ صاحبان ایمان ضرور تھے۔یہ سب حقائق اس امر کی مثل روز روشن دلیل ہیں کہ نبی
ایک ایسا وصف عظیم الشان ہے کہ جو نبی کی ماہیت کا جز نہیں۔کیونکہ نبی کی ماہیت انسان ہی
ہے اور نبوت ایک منصب الٰہی ہے۔جو اللہ تعالیٰ اس برگزیدہ انسان کو عطا فرماتا ہے جسے وہ
عصمت کے درجہ پر فائز ہونے کے ساتھ اس عہدہ جلیلہ کیلئے منتخب فرما لیتا ہے۔خواہ اسے
بوقت ولادت ہی اس عہدہ پر فائز کر دے خواہ بعد از ولادت عمر کے کسی حصہ میں اس منصب
عظیم القدر سے سرفراز کرے۔

ارواح خمسہ پر دلالت کرنے والے احادیث سے بھی نبی کی علیحدہ نوع ثابت نہیں ہوتی

اصول الکافی للکلینیؒ میں ایک باب قائم کیا گیا ہے جسے ان الفاظ میں تحریر فرمایا۔
"باب ذکر الارواح التی فی الائمة علیهم السلام" کلینی علیہ الرحمہ نے اس باب میں تین حدیثیں تحریر فرمائی ہیں جن میں سے پہلی کو علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے مراۃ العقول شرح اصول الکافی: جلد نمبر ا: ص ۱۹۶ میں سند صحیح قرار دیا ہے۔ اور دوسری اور تیسری ہر دو حدیثوں کو علامہ موصوف نے کتاب مذکور کے ص ۱۹۷ میں ضعیف قرار دیا ہے۔ البتہ تیسری کو ضعیف علی المشہور کہا ہے اور دوسری کو صرف ضعیف۔ ان احادیث میں یہ مقصد بیان کیا گیا ہے کہ کافر میں تین ارواح ہوتی ہیں اور مومن میں چار اور امام میں پانچ۔ کافر میں جو تین روحیں جو ہوتی ہیں وہ یہ ہیں۔ (۱) روح القوہ (۲) روح الشہوۃ (۳) روح الحیوۃ اس کو پہلی حدیث میں "روح المدارج" کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور مومن میں یہ تین روحیں بھی ہوتی ہیں اور ساتھ ہی چوتھی ایک روح اور بھی ہوتی ہے جس کا نام ہے "روح الایمان" اور امامؑ میں یہ چار روحیں بھی ہوتی ہیں اور ان چاروں کے ساتھ ایک روح اور بھی ہوتی ہے جس کا نام ہے "روح القدس"۔

بعض حضرات کو یہ تو وہم دامن گیر ہوا ہے کہ جب امامؑ کی دیگر انسانوں کی نسبت ایک روح زائد ہوتی ہے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کی نوع انسان کی نوع سے الگ اور جداگانہ ہوتی ہے حالانکہ یہ تو ہم متعدد دلائل کے باعث باطل ہے۔

روح القدس کے باعث آئمہ وانبیاء کی نوع کو جداگانہ قرار دینے کا بطلان متعدد دلائل کے ذریعہ

دلیل اول:۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام کی نوع اس لئے نوع انسان سے جداگانہ ہے کہ انبیاء وائمہ علیہم السلام میں ایک روح دیگر تمام انسانوں کی نسبت زائد ہوتی ہے۔اور وہ ہے روح القدس۔تو اس سے لازم آئے گا کہ مومن کی نوع بھی کفار کی نوع سے جداگانہ ہو۔ کیونکہ مومن میں کفار کی نسبت ایک روح زیادہ ہوتی ہے اور وہ ہے روح الایمان۔ کافر میں روح الایمان نہیں ہوتی وہ خاص کر مومن میں ہوتی ہے۔کافر میں صرف تین روحیں ہوتی ہیں جیسا کہ احادیث مذکورہ میں وارد ہوا ہے۔ مگر تا ہم کافر انسان اور مومن انسان ہر دو کی نوع ایک ہوتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب کوئی کافر انسان مومن ہو جاتا ہے یا مومن مرتد ہو کر کافر ہو جاتا ہے تو انکی ماہیت منقلب نہیں ہو جاتی۔
بلکہ ایسا وصف بدلتا ہے جو انکی ماہیت کا جز نہیں۔ بلکہ انقلاب ماہیت تو ہے ہی محال اور قرآن پاک میں مومنوں اور کافروں ہر دو صنفوں کو انسان کہا گیا ہے۔چنانچہ ارشاد پاک ہے۔

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾

کہ لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان رکھتے اور یوم آخرت پر بھی ایمان رکھتے ہیں لیکن درحقیقت وہ مومن نہیں ہیں بلکہ وہ منافق اور کافر ہیں۔(سورۃ البقرہ ۲۔آیت نمبر ۸)

اس آیت میں منافقین کو جو بدترین کافر ہوتے ہیں انسانوں میں سے شمار کیا ہے۔نیز

﴿ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۔ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ

النَّارِ ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ﴾

پس لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا میں ہی دے دے۔ اور آخرت میں انکا کوئی حصہ ثواب نہیں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کافر ہیں۔ اور انہیں لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما۔ اور آخرت میں بھی نعمت ''ثواب'' عطا کر اور ہمیں آتش جہنم کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ یہی وہ لوگ ہیں'' کہ جو مومن ہیں'' جن کو انکے اعمال خیر کی وجہ سے حصہ ''ثواب عطا ہوگا''۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۲۰۰ تا ۲۰۲)

اس آیت میں مومنوں کو بھی انسانوں سے شمار کیا ہے اور کافروں کو بھی انسانوں سے ہی شمار کیا ہے۔ نیز

﴿ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾

کہ وہی اللہ تعالیٰ تو ہے جس نے تم سب لوگوں کو پیدا کیا۔ پھر بعض تم سے کافر ہو گئے اور بعض تم میں سے مومن ہوئے۔ (سورۃ التغابن ۶۴۔ آیت نمبر ۲)

اس آیت میں بھی کافر اور مومن ہر دو کو انسانوں میں سے ہی شمار کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو۔

﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۔ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۔ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴾

کہ لوگوں میں سے بعض وہ ''منافق'' ہیں جن کی ''چکنی چپڑی'' باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں تعجب میں ڈال دیتی ہیں۔ اور جو کچھ انکے دل میں ہے اس کی بھلائی اور اچھائی کے متعلق وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ قرار دیتا ہے۔ اور خدا کی قسمیں کھا کھا کر اپنے آپکو مخلص مومن ظاہر کرتا ہے۔'' حالانکہ وہ سب سے زیادہ جھگڑالو دشمن ہے۔ اور جب وہ والی اور بادشاہ بنے گا تو وہ زمین پر فساد بپا کرنے کی اور دین کی کھیتی اور نسل ''طاہرہ اور ذریت

طیبہ'' کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فساد سے محبت نہیں رکھتا۔ اور جب اس سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، خوف خدا کرو تو تکبر سے گناہ پر ابھارتا ہے۔ بس اسے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے قربان کر دیتے ہیں۔'' گویا رضائے مالک حاصل کرنے کیلئے اپنی جان کو فروخت کئے ہوئے ہیں''۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ (سورۃ البقرۃ ۲۔ آیت نمبر ۲۰۴ تا ۲۰۷)

احادیث آئمہ معصومین علیہم السلام میں وارد ہوا ہے کہ ﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي ﴾ کی آیت سے پہلے والی آیت اوّل اور ثانی کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔

ملاحظہ تفسیر البرہان: جلد نمبر ا: ص ۲۰۵ا لطبعۃ الثانیہ۔

اور اس آیت پاک ﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي ﴾ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان والا شان میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ سابقاً مفصل حوالہ جات کے ساتھ بیان ہو چکا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اوّل اور ثانی بھی انسانوں میں سے تھے اور جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام بھی انسانوں میں سے تھے۔ لیکن اوّل اور ثانی پرلے درجے کے بے ایمان اور منافق تھے جن کا مسکن جہنم ہے۔ "وھو الدرك الاسفل من النار" اور جناب حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نہ صرف مومن ہیں بلکہ وہ امیر المومنین ہیں۔ جو کہ "قسیم الجنۃ والنار" ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کافرین اور مومنین کی نوع انسان ہی ہے۔ ورنہ اوّل و ثانی اور جناب امیرؑ سب کو انسانوں میں سے شمار نہ کیا جاتا۔ اور کافر میں روحوں کا تین ہونا۔ مومن میں چار کا ہونا اور انبیاء و آئمہؑ میں پانچ کا ہونا اسکو نوع کے تبدیل ہو جانے میں کوئی دخل نہیں۔ نوع سب کی ایک ہے اور وہ ہے انسان۔

دلیل دوم:۔ ان احادیث میں روح کا لفظ بطور استعارہ واقع ہوا ہے۔

اور مجازاً لفظ روح سے مراد بظاہر کمال ہے۔ اور ان پانچوں ارواح سے جو جو کمال مراد لیا گیا

ہے ان میں سے ہر ایک کا جز ماہیت ہونا ضروری نہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ کیونکہ روح ایمان اور روح القدس یقیناً جزء ماہیت نہیں۔ بلکہ ان سے مراد ایسے کمالات ہیں جو صاحب روح ایمان اور صاحب روح القدس کی ماہیت سے حتماً خارج ہیں۔ کیونکہ اگر یہ انکی ماہیت کا جز ہوتے تو پھر ہر مومن کا فرزند مومن ہی پیدا ہوتا۔ اور اسی طرح نبی کا ہر فرزند نبی اور امام کا ہر فرزند امام ہوتا۔ جیسے کہ انسان کا ہر فرزند انسان ہوتا ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے مومنین کے فرزند بے ایمان ہوتے ہیں۔ اور بہت سے انبیاء کے کئی فرزند نبی نہیں ہوئے اور بہت سے آئمہ کے سارے فرزند امام نہیں ہوئے بلکہ صرف بعض امام تھے۔

نیز اگر روح ایمان اور روح القدس صاحب روح ایمان و صاحب روح القدس کی ماہیت کا جز ہوتے تو کوئی مومن کافر کا فرزند نہ ہوتا۔ بلکہ مومن ہمیشہ مومن کا فرزند ہوتا۔ نیز نبی ہمیشہ نبی کا ہی اور امام ہمیشہ امام کا ہی فرزند ہوتا حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ بہت سے مومن بے ایمانوں کی اولاد ہوئے اور کئی ایک نبی غیر نبی کی اور کئی امام غیر امام کی اولاد ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نہ صرف نبی بلکہ تمام انبیاء کے سردار تھے۔ مگر انکے والد ماجد نبی نہیں تھے اگرچہ کہ مومن کامل ضرور تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد اگرچہ مومن ضرور تھے مگر نبی نہ تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ روح الایمان سے مراد ایک کمال انسانی ہے جو کافر کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور روح القدس سے مراد کمال قوۃ قدسیہ ہے۔ جو صرف امام یا نبی کو حاصل ہوتا ہے دیگر کسی شخص کو حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن یہ انکی ماہیت کا جز نہیں بلکہ انکی ماہیت کے اجزاء وہی ہیں جو ایک انسان کی ماہیت کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا سب کی نوع انسان ہے۔ اسی وجہ سے قرآن پاک اور احادیث معصومینؑ میں انبیاء، آئمہ، مومنین، مسلمین، منافقین، کافرین، فاسقین سب کو انسان ہی شمار کیا گیا ہے۔ ہاں فرق ہے تو کمالات نفسانیہ اور بدینہ کے اعتبار سے ہے کہ انبیاء و آئمہ علیہم السلام اپنے ان کمالات کے لحاظ سے افضل ہیں۔ اور

محمدؐ وآل محمد علیہم السلام انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ اور انکے بعد پھر مومنین غیر مومنین سے افضل ہیں۔ اور جو مومن نہیں انکو کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ لیکن پھر بھی ہیں سب کے سب انسان۔ اجزاء ذہنیہ وخارجیہ ہر دو کے اعتبار سے سب انسان کے ہی افراد ہیں۔ کیونکہ اجزاء خارجیہ کے لحاظ سے انسان ہونے کی بنیاد زندگی اور حس وحرکت ارادی کے بعد اجزا بدن کی ساخت اور انکی وضع پر قائم ہے۔ انسانی وضع اور ساخت ایک خاص اور معروف طریقہ کی ہے۔ اور اسی طرح دیگر حیوانات میں سے ہر ایک کی وضع بھی اپنی ایک خاص صورت کی ہے۔ اسی ساخت کے اعتبار سے انواع حیوان کو عرفاً خارج میں امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ انسانی وہ وضع وساخت کہ جس کے اعتبار سے انسان دیگر ذی روح مخلوق سے جدا اور ممتاز ہوتا ہے وہ تمام انسانوں کی ایک ہی ڈھب کی ہے۔ خواہ وہ انبیاء وآئمہ ہوں یا مومنین متقین ہوں یا فساق وکفار ہوں۔ اگرچہ شرف اور کمال کے اعتبار سے بہت بڑا فرق ہے۔ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کو سب سے زیادہ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ آپ کے ابدان مطہرہ جس نطفہ مبارکہ سے پیدا ہوئے انکی تخلیق جنت کی غذا سے ہوئی۔ اور حضور سرور کائناتؐ کے بدن مطہر کا سایہ ہی نہ تھا۔ اور یہ شرف دیگر کسی انسان کو حاصل نہیں ہوا۔ پھر مومن کا بدن پاک ہوتا ہے اور کافر کا نجس العین۔ لیکن یہ نجاست دین اسلام اختیار کرنے سے دور ہو جاتی ہے۔ بہر حال ان سب امتیازات کے حاصل ہونے کے باوجود سب نوع انسان کے ہی افراد ہیں۔ روح القدس کی زیادتی انبیاء وآئمہؑ کی نوع کے علیحدہ ہونے کا اسی طرح باعث نہیں ہو سکتی جس طرح کہ روح الایمان کی کفار کے مقابلہ میں زیادتی مومنین کی نوع کے الگ ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ روح القدس سے مراد قوت قدسیہ ہے جو عقل وفہم اور ذہن وذکاوت کی انتہائی تیزی کا نام ہیں۔ جسکے ذریعہ علوم ومعارف دقیقہ کا نہایت آسانی سے ادراک ہو سکتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں اس امر پر دلالت موجود ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو اصول الکافی باب ذکر

الارواح التی فی الائمۃ علیہم السلام: حدیث نمبرا۔ جابر جعفی سے روایت ہے کہا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو تین اصناف پر پیدا کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ وَ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ﴾ کا یہی مطلب ہے۔ کیونکہ "السابقون" سے مراد اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاصان خدا ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے پانچ روحیں پیدا کی ہیں۔ "ایدھم بروح القدس فبہ عرفوا الاشیاء الخ" انکو اللہ تعالیٰ نے روح القدس کی تائید عطا کی ہے۔ چنانچہ اسی روح القدس کے ذریعہ انہوں نے تمام اشیاء کی معرفت حاصل کی۔

"فبہ عرفوا الاشیاء" کے الفاظ اس امر کی دلیل ہیں کہ روح القدس سے ایسی چیز مراد ہے جس کے ذریعہ تمام اشیاء کی معرفت حاصل ہوئی۔ اور قوۃ قدسیہ ایسی ہی ذہنی طاقت ہوتی ہے جسکے ذریعہ علوم ومعارف دقیقہ آسانی سے حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا روح القدس سے مراد قوت قدسیہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ذہن کی تیزی یا اسکی کمزوری کو نوع کے بدلنے میں کوئی دخل نہیں۔ ایک انسان ذہین بھی ہوسکتا ہے اور ذہین سے ذہین بھی ہوسکتا ہے۔ اور دوسرا انسان بلید اور کند ذہن ہوسکتا ہے۔ لہٰذا ذہنی تیزی یا کمزوری کے باعث نوع کی علیحدگی متحقق نہیں ہوسکتی۔

اسی باب کی دوسری حدیث میں یہ ہے "فبروح القدس یا جابر عرفوا ما تحت العرش الی ما تحت الثری" کہ روح القدس ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ حقائق اشیاء کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور قوت قدسیہ اسی ہی قوت اور طاقت کا نام ہے جسکے ذریعہ علوم ومعارف دقیقہ حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا روح القدس سے قوت قدسیہ مراد ہوسکتی ہے۔ اور اسکے طفیل نوع کا تغیر لازم نہیں آتا۔ اگرچہ روح القدس سے مراد کے متعلق بعض

دیگر احتمالات بھی بیان کے گئے ہیں لیکن سب کے سب ایسے ہی ہیں کہ ان سے بھی انبیاء و اوصیاء کی نوع کا انسانی نوع سے الگ ہونا لازم نہیں آتا۔ لہٰذا انبیاء و اوصیاء کی نوع بھی انسان ہی ہے اور یہ اسکے کامل ترین افراد ہیں۔

تیسری دلیل:۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر روح القدس کے ذریعہ انبیاء کی نوع علیحدہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ انکوان لوگوں سے شمار نہ کرتا جن کی نوع انسان ہے۔ حالانکہ بارہا اللہ تعالیٰ نے انکوان میں سے شمار کیا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو قرآن پاک۔

﴿ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَباً اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾

کہ کیا ان لوگوں کو اسکے باعث تعجب لاحق ہو گیا کہ ہم نے ان میں سے ہی ایک مرد کی طرف وحی نازل کی۔ ۱۔پ ۱۱:۔ سورۃ یونس ۱۰۔ ۶ع ۱۔ آیت نمبر ۲

اس آیت مبارکہ میں لفظ "رجل" سے مراد آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ذات پاک ہے اور لفظ "منھم" کی ضمیر کا مرجع "الناس" ہے جسکے باعث مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ ان لوگوں سے تھے۔ لیکن قابل غور امر یہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ بہت سے اوصاف جلیلہ کے حامل تھے۔ چنانچہ وہ معصوم بھی تھے، عالم علم لدنی بھی تھے، حبیب خدا بھی تھے، نبی اور رسول بھی تھے، مخلوق اوّل بھی تھے، نوری مخلوق بھی تھے اور اس قسم کے دیگر بہت سے اوصاف کے آپؐ حامل تھے۔ لیکن ان اوصاف میں سے کسی بھی وصف کے اعتبار سے حضورؐ کو ان مذکورہ لوگوں میں سے نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ وہ ان اوصاف میں سے کسی وصف میں حضورؐ کے ساتھ شرکت نہیں رکھتے تھے۔ اور یہ اسلئے کہ نہ وہ لوگ معصوم تھے، نہ عالم علم لدنی تھے، نہ نبی نہ رسول، نہ حبیب خدا، نہ نوری مخلوق وغیرہ۔ اور یہ ظاہر ہے ہاں انکے ساتھ آنحضرتؐ کو صرف انسان ہونے کا اشتراک حاصل تھا۔ لہٰذا اسی انسان والے

معنی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے "رجل منھم" کے الفاظ کے ذریعہ حضورؐ کو ان لوگوں میں سے شمار کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان ان لوگوں کی نوع حقیقی تھی۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ حضور سرور کائنات کی نوع حقیقی بھی انسان ہی تھی۔ اور آپؐ اس نوع کے کامل ترین فرد تھے۔ اگر آپکی نوع حقیقی جداگانہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ حضورؐ کو ان لوگوں میں سے شمار نہ کرتا۔ لہٰذا جو لوگ آنحضرت ﷺ کی نوع حقیقی انسان نہیں تسلیم کرتے وہ اس آیت مبارکہ کی مخالفت ہیں۔ اور اب وہ خود ہی بتائیں کہ مخالفت قرآن کرنے والا کون ہوتا ہے؟ نیز ملاحظہ ہو۔

﴿ قٓ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۔ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴾

کہ قرآن مجید کی قسم "کہ محمد مصطفےٰؐ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبی اور رسول ہیں" لیکن ان لوگوں کو اس وجہ سے تعجب لاحق ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والا "نبی" انکے پاس جو آیا ہے۔ وہ ان میں سے ہی ہے تو ان کافروں نے کہا کہ یہ عجیب چیز ہے۔ پ ۲۶: سورۃ ق ۵۰۔ ۱۵ ع ۱۔ آیت نمبر ۱، ۲

اس آیت میں لفظ "منھم" کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں میں سے شمار کیا ہے جن کی نوع حقیقی انسان ہی ہے۔ اور آنحضرتؐ کو انکے ساتھ سوائے انسان ہونے کے کوئی اشتراک حاصل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی نوع حقیقی بھی انسان ہی ہے۔ اور ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ انسان ان لوگوں کی تو نوع حقیقی ہو مگر آنحضرتؐ اور انکے اوصیاء کیلئے جنس حقیقی ہو۔ کیونکہ یہ عقلاً محال ہے کہ کوئی معنی بعض چیزوں کیلئے نوع حقیقی ہو اور پھر دوسری بعض کیلئے جنس حقیقی ہو جائے۔ کیونکہ نوع حقیقی مختلف الحقیقت اشیاء پر صادق نہیں آتی۔ متفق الحقیقت اشیاء پر صادق آتی ہے۔ اور جنس اسکے برعکس مختلف الحقیقت اشیاء پر صادق آتی ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ روح القدس کی تائید کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوع حقیقی انسان ہے۔ ولاریب کہ آپؐ اس نوع

کے کامل ترین فرد ہیں۔ نیز ارشاد قدرت ہے۔

﴿لَقَدْ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾

بیشک تمہارے پاس رسول آیا ہے جو تمہارے ہی نفوس میں سے ہے۔ (سورۃ التوبہ ۹۔ آیت نمبر ۱۲۸)

اس آیت میں خطاب عام انسانوں کو ہے جن میں مومنین بھی ہیں اور مسلمین، منافقین، مشرکین، کافرین اور فاسقین بھی ہیں اور متقین بھی ہیں۔ اور رسول پاک ﷺ بہت سے کمالات کے مالک تھے۔ کیونکہ آپ نبی بھی تھے، رسول، معصوم، خاتم النبیین، عالم علم لدنی، سید المرسلین، اور نوری انسان بھی تھے۔ اور مخلوق اوّل، مطاع کل اور حاکم جمیع مخلوقات بھی تھے۔ اور اس قسم کے دیگر بہت سے ایسے کمالات اور اوصاف جلیلہ و مناصب عظیمہ کے مالک تھے کہ جو ان لوگوں کو حاصل نہیں جن کو "من انفسکم" کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔ لہٰذا انکے کمالات و مناصب میں سے کسی کے بھی اعتبار سے رسول مقبول کو "من انفسکم" کے الفاظ سے موصوف نہیں کیا جا سکتا۔

کیونکہ ان لوگوں کو یہ کمالات و مناقب حاصل ہی نہیں تو پھر انکے اعتبار سے رسولؐ پاک کو ان لوگوں میں سے کہنا ہرگز درست نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا صرف مصداق انسان ہونا ہی ایک ایسا معنی ہے جس میں وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرکت رکھتے ہیں۔ لہٰذا اسی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے رسول پاک ﷺ کو عام لوگوں کے نفسوں میں سے قرار دیا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ روح القدس کی زیادتی نوع نبی کے جداگانہ ہونے کا باعث نہیں ہو سکتی ورنہ اللہ تعالیٰ رسولؐ پاک کو "من انفسکم" کی صفت سے متصف فرما کر یوں نہ فرماتا کہ! وہ رسول تمہارے نفسوں میں سے ہے۔ اسلئے معلوم ہوا کہ روح القدس نبیؐ پاک کی ماہیت اور حقیقت مبارکہ کا جز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ ایک داخلی نہیں خارجی امر ہے اور وہ قوت قدسیہ ہی ہو سکتی ہے۔

نیز آیات گزشتہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں نوعیت کی بنیاد نہ

معصوم ہونے پر قائم ہے اور نہ ہی نبی یا رسولؑ ہونے پر قائم ہے۔ بلکہ نوعیت کی بنیاد صرف انسانی معنی کے تحقق پر رکھی گئی ہے۔ لہٰذا جو لوگ معصوم ہونے یا نبی یا دیگر کسی ایسے کمال کو نوعیت کے الگ ہونے کا معیار قرار دیتے ہیں وہ قرآن کریم اور خداوند عالم کی مخالفت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں خوف خدا کرنا چاہیے اور مخالفت خدا اور مخالفت رسولؑ و آلِ رسولؑ اور مخالفت قرآن کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیے۔ نیز ارشاد قدرت ہے۔

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾

کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنین پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں ایسا رسول مبعوث فرمایا ہے جو انکے ہی نفوس میں سے ہے۔ (سورۃ آل عمران ۳۔ آیت نمبر ۱۶۴)

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رسولؑ پاک کو ان انسانوں میں سے شمار کیا ہے جو مومن ہیں۔ کیونکہ فرمایا ہے "رسولا من انفسھم"، یعنی ایسا رسول جو ان انسانوں کے ہی نفوس سے ہے جو صاحبان ایمان ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ مومنین نہ سارے کے سارے معصوم ہیں، نہ سارے عالم ہیں، نہ سارے متقی ہیں، بلکہ ان میں فاسق اور گنہگار بھی موجود ہیں۔ اور جاہل بھی موجود ہیں۔ مگر باوجود اسکے اللہ تعالیٰ نے رسولؑ پاک کو ایسے مومنین کے نفوس سے کہا ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں نوع کے تعین کیلئے اسی معنی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ جسکا اہل منطق نے اپنی اصطلاح میں اعتبار کیا ہے اور وہ ہے مصداق انسان ہونا۔ کیونکہ وہ مومنین جن کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بعثت آنحضرتؐ کے احسان سے ممنون فرمایا ہے وہ انسان ہی ہیں۔ اسلئے اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں نوع کے تعین کیلئے نہ عصمت کا اعتبار ہے، نہ علم کا، نہ تقوی و پرہیزگاری وغیرہ کا۔ بلکہ اسکے تعین کیلئے صرف انسان کے معنی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ یہی اعتبار ارباب معقولات اور اہل منطق کے نزدیک ملحوظ ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ میں اہل منطق کی اصطلاح سے ہٹ کر کوئی

دوسری راہ نکالنا نہ صرف راہ عقل سے گریز ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس راہ سے انحراف کرنا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سارے قرآن پاک میں اپنایا ہے۔

﴿ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ ﴾

کہ جس طرح ہم نے تم میں رسول مبعوث کیا جو تم میں سے ہی ہے۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۱۵۱)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لفظ "منکم" کے ذریعہ عام انسانوں میں سے شمار کیا ہے۔ اور یہ صرف اسی اعتبار سے ہو سکتا ہے کہ صرف انسان کے مصداق ہونے کا اعتبار کیا جائے۔ ورنہ رسولؐ پاک معصوم ومطہر، عالم علم لدنی، نوری مخلوق، سرتاج انبیاء، خاتم المرسلین، مخدوم ملائکہ، علت غائیہ ممکنات عام انسانوں میں سے ہرگز نہیں ہو سکتے، اگر عام انسانوں میں سے ہو سکتے ہیں تو صرف اسی اعتبار سے کہ آنحضرتؐ بھی انسان اور دوسرے لوگ بھی انسان ہیں۔ سب لفظ انسان کا مصداق ہیں۔ اور دیگر تمام لوگوں کیلئے اہل منطق کی اصطلاح میں انسان نوع حقیقی ہے۔ لہٰذا آنحضرتؐ کیلئے بھی انسان نوع حقیقی ہی قرار دیا جائیگا۔ جنس حقیقی ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ جو لفظ کسی مخلوق کیلئے نوع حقیقی ہو اسکا دوسری مخلوق کیلئے جنس حقیقی ہونا محال ہے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ نوع حقیقی اور جنس حقیقی کے درمیان تباین کلی کی نسبت قائم ہے۔

نیز اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اہل منطق نے بھی عالم دنیا کی انواع کی تقسیم میں اسی طریقہ کو اختیار کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی پاک کی نوع کے تعین میں عصمت یا روح القدس یا علم یا زہد وتقویٰ وغیرہ کو ملحوظ رکھا گیا ہوتا تو رسولؐ پاک کا عام انسانوں میں کسی طرح بھی شمار کرنا صحیح نہ ہوتا۔ اور قرآن میں ایسا وارد نہ ہوتا کہ وہ انسانوں میں سے ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا کہ نبی کی نوع انسانی نوع سے جداگانہ ہے نہ صرف عقل سلیم کی مخالفت ہے بلکہ قرآن پاک رسول خدا اور آئمہ ہدیٰ

علیہم السلام کے بتائے ہوئے صراط مستقیم کی مخالفت ہے۔ اور ان تمام آیات سے مثل روز روشن واضح ہے کہ روح القدس اگر نبی اور امام کی نوع کو تبدیل کر دینے کا باعث ہوتی تو اللہ تعالیٰ رسول پاک کو عام انسانوں میں سے ہرگز شمار نہ کرتا۔ لہٰذا روح القدس ہو یا عصمت یا کوئی دیگر فضیلت یہ ایسے فضائل ہیں جن کے باعث انبیاء اور آئمہ کی نوع حقیقی انسانی نوع حقیقی سے جداگانہ قرار نہیں دی جا سکتی۔ بلکہ ان فضائل کے ذریعہ دیگر افراد انسانی پر انکی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

﴿ وَ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴾

اور ان لوگوں نے اس بات سے تعجب کیا کہ ان کے پاس جو "عذاب خدا سے" ڈرانے والا "پیغمبر" آیا ہے۔ وہ ان میں سے ہی ایک انسان ہے۔ اور ان کافروں نے کہہ دیا کہ یہ تو "معاذ اللہ" جادوگر ہے اور بڑا جھوٹا ہے۔ (سورۃ ص ۳۸۔ آیت نمبر ۴)

اس آیت میں بھی اسی طرح آنحضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں "منذر منھم" کا لفظ وارد ہوا۔ جس طرح کہ سورہ یونس کی گذشتہ آیت میں وارد ہوا۔ اور اس آیت سے بھی مثل سابقہ آیات کے یہی مطلب ثابت ہوتا ہے کہ باوجود آپکے ساری مخلوق کا سرتاج ہونے کے اور پاک و پاکیزہ معصوم اور روح القدس کی تائید سے مشرف ہونے کے پھر بھی آپ انسانوں میں سے ہی ہیں۔ اور انسان آپکی نوع حقیقی ہے جنس حقیقی نہیں۔ ورنہ آپکو "منذر منھم" کے لفظ سے قرآن مجید میں تعبیر نہ کیا جاتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو حضور سرورکائنات کی نوع انسان سے جداگانہ قرار دیتا ہے یا بے دین ہے۔ اسکا قرآن پاک پر ایمان نہیں۔

﴿ هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾

کہ وہی خداوند عالم ہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول مبعوث کیا۔ جو ان کی نوع میں سے ہی

ایک انسان ہے۔ (سورۃ الجمعہ ۶۲۔ آیت نمبر۲)

اس آیت میں "منھم" کی ضمیر "الامیین" کی طرف عائد ہو رہی ہے۔ اور "امیین" کا معنی ہے ان پڑھ۔ اور آنحضرت ﷺ ہرگز ان پڑھ نہیں تھے بلکہ وہ درس قدرت کے پڑھائے ہوئے ایسے عالم تھے جن کا علم سمندر کی حیثیت رکھتا ہے اور دیگر تمام مخلوقات کا علم اسکے مقابلہ میں ایک قطرہ کی وقعت رکھتا تھا۔ لہٰذا حضور کے "امیین" میں سے ہونے کے یہی معنی ہیں کہ حضورؐ انکی ہی نوع انسانی کا ایک فرد تھے۔ جس طرح سابقہ آیت میں "منھم" کی ضمیر کفار کی طرف لوٹ رہی تھی۔ اس معنی کے اعتبار سے کہ وہ انسان تھے۔ اسی طرح اس آیت میں "امیین" "ان پڑھوں" کی طرف لوٹ رہی ہے اسی اعتبار سے کہ وہ انسان تھے۔ لہٰذا روح القدس کی تائید کے باوجود آپ نوع انسانی کا ہی فرد تھے۔ آپ کی نوع کوئی جداگانہ نہیں تھی۔ ورنہ قرآن پاک میں انکو ایسے لوگوں سے قرار نہ دیا جاتا جن کی نوع حقیقی انسان تھی۔

بعض لوگ اس آیت میں لفظ "الامیین" سے مراد مکہ معظمہ کے باشندے لیتے ہیں۔ کیونکہ مکہ کا لقب تھا ام القری۔ لہٰذا اس کی طرف جو منسوب ہوں گے انکو "امیین" کہا جائے گا۔ مگر یہ معنی مراد لینا قرین صواب نہیں۔ کیونکہ رسولِ خدا صرف مکہ والوں کی طرف ہی پیغمبر ہو کر نہیں آئے تھے بلکہ تمام دنیا میں رہنے والے انسانوں کی طرف پیغمبر ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

کہ اے میرے حبیب! ان سے کہہ دیجئے کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ (سورۃ الاعراف ۷۔ آیت نمبر ۱۵۸)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾

اور لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان اس طرح قربان کر دیتے ہیں کہ گویا وہ رضائے خدا کیلئے اپنی جان فروخت کئے ہوئے ہیں۔ (سورۃ البقرہ ۲۔ آیت نمبر ۲۰۷)

یہ آیت جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی شان والاشان میں نازل ہوئی ہے۔ جیسا کہ سابقاً کئی مرتبہ بیان ہو چکا۔ اسمیں اللہ تعالیٰ نے جناب امیر المومنینؑ کو "ومن الناس" کے الفاظ کے ذریعہ انسانوں میں سے قرار دیا ہے۔ اور اس سے دو آیتیں قبل آیت ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ کہ لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جن کا کلام اور چکنی چپڑی باتیں دنیا کی زندگی میں آپکو تعجب میں ڈال دیتی ہیں۔ اور ساتھ ہی وہ جو کچھ اس کے دل میں ہے اس پر اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہے۔ حالانکہ وہ پرلے درجے کا جھگڑالو دشمن ہے۔

یہ آیات جیسا کہ سابقاً گزر چکا اوّل اور ثانی کی مذمت اور انکے جہنمی ہونے کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ لیکن جس طرح جناب امیرؑ کو "ومن الناس من" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اسی طرح ان مذموم اشخاص کو بھی "و من الناس من" کے الفاظ سے ہی تعبیر کیا گیا۔ یعنی جناب امیرؑ کو بھی انسانوں میں سے شمار کیا گیا۔ اور اوّل و ثانی کو بھی انسانوں سے ہی شمار کیا گیا۔ انسان ہونے میں تو بظاہر فریقین کو برابر قرار دیا گیا ہے لیکن فرق یہ ہے کہ جناب امیرؑ کو مذکورہ بالا آیت میں فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اور اوّل و ثانی کی مذمت کیونکہ انکے بارے میں قدرت نے فرمایا ﴿حَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ کہ انکا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اور جناب امیرؑ کی ایسی شان بیان کی کہ جس کے طفیل یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ جنت کے مالک ہیں۔ جسے چاہیں جنت عطا کریں اور جسے چاہیں جنت کے قریب تک نہ پھٹکنے دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

﴿ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَ أَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾
کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے انکی جانیں اور انکے مال جنت کے بدلے خرید لئے ہیں۔
(سورۃ التوبہ ۹۔ آیت نمبر ۱۱۱)

لہٰذا امیرؑ نے جہاں اپنی جان قربان کر کے رضائے خداوندی حاصل کر لی وہاں جنت کے بھی اس طرح مالک ہو گئے کہ گویا انہوں نے خرید لی ہے۔ لہٰذا اب جنت میں اللہ تعالیٰ اسی کو داخل کرے گا جس سے امیر المومنینؑ راضی ہوں گے۔ اسی لئے جناب امیرؑ قسیم النار والجنۃ ہونیکا شرف رکھتے ہیں۔ بہر حال انسان ہونے میں جناب امیرؑ اور اوّل وثانی از روئے قرآن پاک مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح کہ دیگر تمام لوگ بھی انکے ساتھ انسان ہونے میں مساوات رکھتے ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ باوجود روح القدس کی تائید ہونے کے جناب امیرؑ کی نوع نہیں بدلی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ انکے شان والاشان میں ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ ﴾ کے الفاظ نازل نہ فرماتا۔ لہٰذا نوع میں مساوات ہے مگر فضیلت میں جناب امیرؑ کو اس قدر بلندی اور رفعت حاصل ہے کہ بعد از جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری کائنات سے آپؑ افضل ہیں۔

﴿ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۔ وَقَالَ الْإِنْسَانُ مَا لَهَا ﴾
کہ جب زمین میں نہایت شدت سے زلزلہ آئے گا اور وہ اپنے خزانے اگل دے گی۔ اور ایک انسان اسے کہے گا کہ اسے کیا ہو گیا ہے؟ (سورۃ زلزال۔ آیت نمبر ۲،۳)

احادیث آئمہ معصومینؑ میں وارد ہوا کہ اس انسان سے مراد امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی ذات والاصفات ہے۔ اگر روح القدس کی تائید یا دیگر کسی فضل و شرف کے باعث جناب امیر علیہ السلام کی نوع انسانی نوع سے علیحدہ ہو گئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ جناب امیر علیہ السلام کو اس آیت مبارکہ میں انسان کے لفظ سے تعبیر نہ فرماتا۔ انسان کے لفظ سے تعبیر

کرنا اسکی دلیل ہے کہ جناب امیرؑ کی نوع بھی مثل جناب سرور کائناتؐ اور دیگر انبیاء و آئمہ علیہم السلام کے اور مثل دوسرے لوگوں کے انسان ہی ہے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ انسان دوسرے لوگوں کیلیے نوع حقیقی ہو اور آئمہ وانبیاء کیلیے جنس حقیقی ہو۔ اور یہ اسلئے کہ کوئی نوع حقیقی جنس حقیقی نہیں ہوسکتی۔ انکے مابین تباین کلی کی نسبت ہے جیسا کہ سابقاً بار ہا بیان ہو چکا۔

﴿ خلق الْاِنْسَانَ ۔ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾

کہ اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کو پیدا کیا اور اسے بیان "حکمت اور قرآن" کی تعلیم دی۔ (سورۃ الرحمن ۔ آیت نمبر ۳،۴)

سابقاً بیان ہو چکا کہ اس انسان سے مراد از روئے احادیث آئمہ و معصومین علیہم السلام جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ذات والا صفات ہے۔ کیونکہ وہ مدینۃ العلم اور دار الحکمت کے باب ہیں۔ لہٰذا یہ آیت بھی اسکی دلیل ہے کہ باوجود تائید روح القدس کے جناب امیر المومنین علیہ السلام نوع انسانی کے ہی کامل ترین فرد ہیں۔ اگر آپکی نوع انسان نہیں کوئی اور ہوتی تو پھر آپکو انسان سے تعبیر نہ کیا جاتا۔ کیونکہ انسان اپنے افراد کی نوع حقیقی ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾

"اے میرے حبیب" کہہ دیجئے کہ میں تو بس تمہاری ہی مثل انسان ہوں مگر میری طرف یہ وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود یکتا و یگانہ ہے۔ (سورۃ الکھف ۔ آیت نمبر ۱۱۰، سورۃ حم السجدہ ۔ آیت ۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کو مامور فرمایا کہ وہ مخلوق کو یہ بتادیں کہ آپ دیگر انسانوں کی مثل انسان ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مثلیت صرف انسان کا مصداق اور نوع انسانی کا فرد ہونے میں ہے۔ کیونکہ یہی ایک جہت ہے جس میں آنحضرتؐ دیگر انسانوں کی مثل ہیں۔ ورنہ دیگر تمام جہات کے اعتبار سے حضورؐ پاک نہ صرف انسانوں سے بلکہ تمام مخلوق سے جداگانہ شان رکھتے ہیں۔ کیونکہ انسانوں میں تو

جاہل، بزدل، کنجوس، فاسق، فاجر، منافق، مشرک اور کافر وغیرہ بھی موجود ہیں۔ اور آپ نہ صرف عالم علم لدنی بلکہ آپکے علم وفضل کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ تمام انبیاء واوصیاء ماسلف اور تمام اہل زمین وآسمان ملائکہ وغیرہ کا علم آپکے علم کے مقابلہ میں ایسے ہی ہے جیسے کہ سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ۔ نیز آپ اپنے دیگر کمالات، شجاعت، سخاوت، حسن خلق، حلم وبردباری وغیرہ کے اعتبار سے اس رفعت اور بلندی کے مالک کہ کسی کا طائر خیال بھی وہاں تک پرواز نہیں کرسکتا۔ آپ مطاع کل ہیں، آپ عین ایمان ہیں غرض آپکے کسی بھی کمال میں عامۃ الناس انکے مثل ہرگز نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا صرف ایک انسان کا معنی کلی ہے کہ جو کلی متواطی ہونے کے اعتبار سے آپکی ذات والاصفات پر بھی اسی طرح صادق آتا ہے جس طرح کہ دیگر انسانوں پر صادق آتا ہے۔ کیونکہ کلی متواطی کی شان ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے تمام افراد پر مساوی حیثیت سے صادق آتی ہے۔ اسی معنی کو اللہ تعالیٰ نے "بشر مثلکم" کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے۔

اور انسان چونکہ نوع حقیقی ہے۔ لہٰذا نبی پاک کیلئے بھی انسان نوع حقیقی ہی ہے۔ کیونکہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ نوع حقیقی اپنے بعض افراد کی تو نوع حقیقی ہو اور دوسرے بعض کی نوع حقیقی نہ ہو۔ بلکہ انکی جنس حقیقی ہو جیسا کہ سابقاً بارہا بیان ہوچکا۔

ایک تنفر انگیز مغالطہ

اکثر باطل پرست افراد کا یہ طریقہ کار ہے کہ وہ عموماً سادہ لوح انسانوں کو نفرت دلانے کیلئے انکے جذبات سے کھیلتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص "وہابی" ہے۔ کیونکہ وہ کہتا ہے کہ نبی پاک ہم جیسے انسان تھے۔ اسلئے وہ مقصر ہے، وہابی ہے، قشری ہے۔ اس نفرت انگیز

طریقہ سے وہ عامۃ الناس کو گمراہ کرنے میں بڑی آسانی سے کامیاب ہو جاتے ہیں۔

حالانکہ ان لوگوں کا ایک گمراہ کن مغالطہ ہے۔ کیونکہ ہم جیسے انسان ہونے کا اعتقاد اس حد تک ہرگز قبیح اور قابل نفرت نہیں ہو سکتا جس حد تک قرآن پاک میں وارد ہوا ہے اور جس حد تک احادیث معصومینؑ نے اس کی رہنمائی کی ہے۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث معصومین علیہم السلام میں جو کچھ وارد ہوا ہے وہ ہرگز قبیح نہیں ہو سکتا۔ اور قرآن پاک میں "مثلکم" کی نص موجود ہے۔ اسکا انکار قرآن پاک کا انکار ہے اور قرآن پاک کا اور احادیث معصومینؑ کا انکار کفر ہے۔ اگر یہ مثلیت صرف انسانی مفہوم کے صادق آنے تک ہی منحصر ہے۔ رہا فضل وشرف اور کمالات واوصاف کا اعتبار تو اسمیں آنحضرت ﷺ اور آئمہ معصومین علیہم السلام ہرگز ہماری مثل نہیں۔ اس اعتبار سے وہ ہر شخص سے بلند تر اور ہر فرد انسانی سے افضل ہیں۔ حتیٰ کہ تمام انبیاء واوصیاء ماسبق کے بھی وہ سردار اور سرتاج ہیں۔ ہر شیعہ انکی اس فضیلت کا قائل ہے۔ جو اس کا قائل نہ ہو وہ شیعہ نہیں۔ کوئی شیعہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ وہ ذوات قدسیہ اپنے فضائل وکمالات میں معاذ اللہ ہم جیسے ہیں۔ اور ایسا ہو ہی کیسے سکتا ہے جبکہ وہ نفوس قدسیہ تمام عالم دنیا کی علت غائیہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو پیدا نہ فرماتا تو کسی چیز کو پیدا نہ کرتا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو نہ زمین ہوتی، نہ آسمان، نہ عرش، نہ کرسی، نہ لوح، نہ قلم، نہ ملک، نہ فلک، نہ آفتاب، نہ ماہتاب، نہ جن، نہ انس، نہ حیوانات، نہ نباتات، غرض کوئی شی نہ ہوتی، وہ فرشتوں کے بھی مخدوم ہیں۔ سارا عالم ان کے مقابلہ میں ایک ذرہ بے مقدار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ شمس تابندہ کی شان رکھتے ہیں۔ مگر اس ساری فضیلت کے باوجود پھر بھی وہ ہیں انسان۔ کیونکہ انسان کلی کی تعریف بھی ان پر صادق آتی ہے اور قرآن کریم اور ارشادات معصومینؑ میں بھی ان کو انسان، بشر، رجل وغیرہ کے الفاظ سے یاد فرمایا گیا ہے۔ اور جب وہ انسان ہیں اور ظاہر ہے کہ انسان کے افراد اپنے کمالات وہبیہ اور

کسبیہ دونوں کے اعتبار سے اختلاف رکھتے ہیں۔کوئی ان سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں ،کچھ کم فضیلت کے مالک ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن میں فضل واشرف بالکل ندارد ہیں ۔مثلاً کوئی نابینا ہے،کوئی بہرہ ہے تو کوئی قوت صامعہ سے پوری طرح متصف،کوئی لنگڑا ہے تو کوئی صحیح وسالم ٹانگیں رکھنے والا ہے،کوئی بے دست وپا تو کوئی بادست وپا ہے،کوئی ذہین و فہیم ہے تو کوئی کندذہن اور بلید،کوئی عالم ہے تو کوئی جاہل،کوئی سخی ہے تو کوئی کنجوس،کوئی بہادر ہے تو کوئی بزدل،کوئی حسین اور خوبصورت ہے تو کوئی قبیح منظر اور بدصورت،کوئی امین ہوتا ہے تو کوئی خائن،کوئی انصاف پرور ہوتا ہے تو کوئی ظالم،کوئی پاکدامن اور عفت پسند ہوتا ہے تو کوئی فاسق وفاجر،کوئی سچا اور حق پسند ہوتا ہے تو کوئی کاذب جھوٹا اور بدمعاش۔

پھر اخلاق کریمہ اور مناصب جلیلہ سے جو افرادانسانی متصف ہوتے ہیں ان کے مراتب اور مدارج بھی ایک جیسے نہیں۔ایک شخص ایک حدتک علم وفضل سے بہرہ ور ہوتا ہے تو دوسرا اس سے زیادہ علم رکھنے والا اور تیسرا ان دونوں سے زیادہ علم رکھتا ہے۔تو کوئی سب سے زیادہ علم کا فخر حاصل کیے ہوئے ہوتا ہے۔"فوق کل ذی علیم" کہ ہر صاحب علم سے اوپر ایک اور صاحب علم وفضل ہوتا ہے۔حتیٰ کہ انبیاء اور رسول بھی ایک مرتبہ کے اللہ تعالیٰ نے پیدا نہ کیے فرمایا﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ کہ ہم نے بعض رسولوں کو دوسرے بعض سے فضیلت دی ہے۔

مگر اس قدر تفاضل کے باوجود ہیں سب ہی انسان۔اس لیے سب کی نوع ایک ہے،علم وفضل وغیرہ کے اعتبار سے اختلاف یا ان امور میں زیادتی یا کمی رکھنے والا ہونا نوع حقیقی کی جدائی اور تبدل کا باعث نہیں ہوتا۔لفظ انسان سب پر یکساں صادق آتا ہے۔ کیونکہ اگر اس سے نوع متغیر ہوجائے تو پھر بندے بندے کی نوع الگ ہوجائے گی۔بینا کی نوع الگ ہوگی تو نابینا کی نوع الگ ہوجائے گی،بہرے کی الگ ہوجائے گی اور سماعت

کاملہ رکھنے والے کی الگ، جاہل کی نوع الگ ہو جائے گی اور عالم کی الگ، بخی کی الگ ہو جائے گی اور کنجوس کی الگ، بہادر کی الگ ہوگی تو بزدل کی الگ، حسین کی الگ ہوگی اور بدصورت کی الگ، متقی کی الگ ہوگی اور فاسق و فاجر کی الگ، مومن کی الگ ہوگی کافر کی الگ ہوگی، ظالم کی الگ ہوگی اور انصاف پرور کی الگ ہوگی، امین کی الگ ہوگی اور خائن کی الگ، اور اس طرح بندوں کی نوعیں لاتعداد ہو جائیں گی۔

پھر ایک کافر اگر مومن ہو جائے یا فاسق متقی بن جائے یا خائن امین بن جائے یا اس کے برعکس مومن مرتد ہو جائے یا متقی فاسق اور امین خائن بن جائے۔ اور اس طرح اوصاف میں تبدیلی ہو جائے تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان لوگوں کی نوعیں تبدیل ہو گئیں۔ حالانکہ نوع کا تبدیل ہونا ایسے امور کے ذریعہ محال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام امور عوارض میں سے ہیں ذاتیات نہیں۔ اور نوع کی تبدیلی عوارض کے ذریعہ نہیں ہوتی ذاتیات کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ اور جس طرح کہ علم وایمان وغیرہ، اخلاق حسنہ اور کفر و شرک، فسق و فجور اور ظلم و جور وغیرہ انسان کے لیے ذاتی نہیں۔ اسی طرح نبوت و امامت بھی انسان کے لیے ذاتی نہیں۔ کیونکہ اگر انسان کے لیے ان میں سے کوئی چیز ذاتی ہوتی تو کوئی فرد انسان اس سے خالی نہ ہوتا۔ مثلاً اگر ایمان انسان کے لیے ذاتی ہوتا تو ہر فرد انسان مومن ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس اگر علم انسان کے لیے ذاتی ہوتا تو ہر فرد انسان عالم ہوتا اور کوئی انسان جاہل نہ ہوتا۔ اسی طرح اگر نبوت انسان کے لیے ذاتی ہوتی تو ہر انسان نبی ہوتا۔ اور امامت اگر انسان کے لیے ذاتی ہوتی تو ہر انسان امام ہوتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ انسان کئی عالم ہوتے ہیں، کئی جاہل، کئی نبی ہوتے ہیں اور بیشتر نبی نہیں ہوتے۔ اور جو نبی ہوتے ہیں وہ بھی اس وقت نبی ہوتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو نبوت عطا ہوتی ہے اس سے پہلے نہیں۔ ایسے ہی بعض انسان امام ہوتے ہیں سب نہیں۔ اور جو امام ہوتے ہیں وہ بھی اس

وقت جبکہ ان کو امامت کے عہدہ پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سابقاً آیات اور احادیث کے ذریعہ ثابت ہو چکا کہ مثلاً حضرت ابراہیمؑ کو پہلے عبد بنایا گیا، پھر نبی بنایا گیا، پھر رسول بنایا گیا، پھر خلیل بنایا گیا اور پھر امام بنایا گیا۔

علی ہذا القیاس حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یوسفؑ کو جوانی میں نبوت عطا ہوئی۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بچپن میں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماں کی گود میں نبوت عطا ہوئی۔ اور ہر امام کو آئمہ اثنا عشر میں سے عہدہ امامت پر اس وقت فائز کیا گیا جبکہ سابق امام کی زندگی کے آخری اوقات ہوتے تھے۔ اگر چہ سارے انبیاء اور آئمہ علیہم السلام معصوم ابتدائے آفرینش سے ہی ہوتے تھے۔ اور بہت سے علوم کے مالک نبوت اور امامت کے عطا ہونے سے پہلے بھی ہوتے تھے۔ مگر بہت سے علوم ان کو عطیہ نبوت کے بعد بھی دیئے جاتے تھے۔ اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ کچھ علوم ایک نبی کو دیئے جاتے تھے اور دوسرے نبی کو وہ علوم نہیں دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت خضرؑ کو کچھ علوم ایسے دیئے گئے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نہیں دیئے گئے تھے۔

ان سب توضیحات سے یہ مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ انسان ہونے میں تو سب افراد انسانی برابر اور یکساں ہیں۔ مگر کمالات اور نقائص میں ان کے درمیان اختلاف اور تفاوت ہے۔ اور یہ اختلاف اور تفاوت ان کے انسان ہونے پر اثر انداز نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرآن پاک میں جو انبیاء کے لیے اس مفہوم کو ادا کیا گیا ہے کہ وہ دیگر انسانوں کی مثل ہیں۔ چنانچہ بارہا لفظ "مثلکم" وارد ہوا تو اس سے صرف انسان ہونے میں دیگر انسانوں کی مثل ہونا مراد ہے۔ کمالات اور فضائل میں مثل ہونا ہرگز مراد نہیں۔ اور نہ ہی کوئی شیعہ بلکہ عقلمند اس کا قائل ہو سکتا ہے کہ انبیاء اور آئمہؑ ہر لحاظ سے دیگر انسانوں کی مثل ہیں۔ اور لفظ انسان کا جو معنی ہے وہ اصطلاح منطق کے اعتبار سے نوع حقیقی ہے۔ اور وہ انبیاء اور آئمہؑ پر بھی عقلاً و نقلاً ہر دو اعتبار سے صادق آتا ہے اور بولا جاتا ہے۔ لہٰذا انبیاء اور آئمہؑ کی نوع بھی انسان ہی ہے انکی جداگانہ کوئی نوع نہیں۔

لہٰذا جو لوگ حق پرست علماء اور دیگر اہل حق کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں

کہ یہ انبیاء اور آئمہؑ کے متعلق اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ ہم جیسے ہیں یہ ان کا ایک گمراہ کن مغالطہ ہے۔ جس کے ذریعہ وہ سادہ لوح انسانوں کو گمراہ کر لیتے ہیں۔ اور قرآن پاک واحادیث معصومینؑ اور عقل سلیم کے ذریعہ جو حقائق ثابت ہیں ان سے وہ انہیں منحرف کر کے بے ایمان کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے قدرت نے فرمایا ہے

﴿اَوْلِیٰٓءُهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ﴾

ذاتی اور عرضی کا فرق

سابقاً بیان ہو چکا ہے کہ کلی کی پانچ قسمیں ہیں۔(۱) نوع (۲) جنس (۳) فصل (۴) خاصہ (۵) عرض عام۔ ان پانچ قسموں میں سے اوّل الذکر تین قسمیں اصطلاح منطق میں ذاتی کہلاتی ہیں۔ اور موخر الذکر دو قسمیں عرضی کہی جاتی ہیں۔ کیونکہ ذاتی اسے کہا جاتا ہے جو اپنے افراد کی ذات سے خارج نہ ہو خواہ وہ اپنے افراد کی ماہیت کا کل اور عین ہو یا اس کا جز ہو۔ پھر اگر وہ اپنے افراد کی حقیقت اور ماہیت کا عین ہو تو وہ نوع کہلاتی ہے۔ اور اگر اس کا عین نہیں جز ہو تو پھر اگر وہ اس ماہیت اور دیگر کسی نوع کے درمیان ایسی مشترک ہو کہ ان کے سارے مشترکات کو حاوی اور سب کو شامل ہو تو وہ جنس کہلاتی ہے۔ اور اگر کلی اپنے افراد کی حقیقت کا جز تو ہو لیکن اسی ایک ماہیت کے ساتھ خاص ہو اس کے اور دیگر نوع کے درمیان مشترک نہ ہو تو وہ فصل کہلاتی ہے۔ کیونکہ فصل اپنی نوع کو تمام ان انواع سے ممتاز کرتی ہے جو اس نوع کی جنس میں نوع مذکور کے ساتھ اشتراک رکھتی ہیں۔

اور اگر کلی اپنے افراد کی ماہیت سے خارج ہو تو پھر یا کسی ایک ماہیت نوعی یا جنسی سے خاص ہو گی یا خاص نہیں ہو گی۔ اگر خاص ہو تو وہ خاصہ کہلاتی ہے۔ اور نوع کے ساتھ خاص ہونے کی صورت میں خاصہ نوعیہ کہلاتی ہے۔ اور جنس کے ساتھ خاص ہونے کی صورت میں خاصہ جنسیہ کہلاتی ہے۔ اور اگر کلی اپنے افراد کی حقیقت سے خارج ہونے کی ساتھ ساتھ کسی ایک ماہیت کے افراد سے خاص نہ ہو تو وہ عرض عام کہلاتی ہے۔

عرض لازم اور عرض مفارق کا بیان

خاصہ اور عرض عام میں سے ہر ایک کی پھر دو دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ اگر وہ اپنے معروض سے جدا نہ ہوسکتی ہوں تو انکو عرض لازم کہا جاتا ہے۔ اور اگر جدا ہوسکتی ہوں تو انکو عرض مفارق کہا جاتا ہے۔ بنابریں خاصہ کی بھی دو قسمیں یعنی عرض لازم و عرض مفارق ہوتی ہیں۔ اور عرض عام کی بھی یہی دو قسمیں عرض لازم اور عرض مفارق ہوتی ہیں۔

لازم ماہیت اور لازم وجود کا بیان

پھر عرض لازم اگر ماہیت کو لازم ہو تو اسے لازم ماہیت کہا جاتا ہے۔ جیسے مثلاً اربعہ کیلئے زوجیت یعنی چار کا جفت ہونا اور اگر وہ ماہیت کو نہیں وجود کو لازم ہو تو اسے لازم وجود کہا جاتا ہے۔ جیسے حبشی کیلئے سیاہ فام ہونا۔ کیونکہ یہ حبشی کی ماہیت کو لازم نہیں بلکہ اسکے وجود کو لازم ہے۔ اور یہ اسلئے کہ حبشی کی ماہیت ہے انسان۔ لہٰذا اگر سیاہ فام ہونا حبشی کی ماہیت یعنی انسان کو لازم ہوتا تو پھر سارے انسان سیاہ فام حبشی کی شکل وصورت پر ہوتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اہل منطق کی اصطلاح میں لازم خارج کو ذاتی نہیں کہا جاتا

بعض حضرات ذاتی کی تعریف اصطلاح منطق کے اعتبار سے یہ کرتے ہیں کہ ذاتی وہ ہوتی ہے جو کسی ماہیت کے وجود کے ساتھ ساتھ ہو۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ ذاتی کی تعریف علم منطق کے لحاظ سے وہ ہے جو گزر چکی ہے۔ یعنی وہ کلی کہ جو کہ اپنے افراد کی ماہیت سے خارج نہ ہو۔ اور جو کلی کہ کسی ماہیت سے خارج ہو اور پھر وجود میں اس سے منفک نہ ہو تو اسے لازم وجود کہنا چاہیے ذاتی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں لغوی اعتبار سے اسے ذات کی طرف نسبت دے کر ذاتی کہا جائے تو یہ درست ہوگا۔ لیکن منطق کے لحاظ سے اسے ذاتی کہنا صحیح نہیں ہے۔

نوع اضافی کا بیان

علم منطق کی ایک اصطلاح نوع اضافی بھی ہے۔ اور نوع اضافی ہر اس ماہیت کو کہا جاتا ہے جو کسی جنس کے تحت واقع ہو۔ نوع حقیقی اور اسکے مابین عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ نوع سافل یعنی انسان پر نوع حقیقی اور اضافی دونوں صادق آتی ہیں۔ کیونکہ انسان کا نوع حقیقی ہونا تو ظاہر ہے۔ اور نوع اضافی اس پر اسلئے صادق آتی ہے کہ اسکی جنس قریب حیوان ہے اور جنس متوسط جسم نامی اور جسم مطلق ہے۔ اور بنا بر نظریہ حکماء اسکی جنس عالی جوہر ہے۔ لہذا انسان ان تمام جنسوں کے تحت واقع ہے۔ اور حیوان پر مثلاً نوع اضافی صادق آتی ہے۔ کیونکہ وہ جسم نامی وغیرہ مذکورہ اجناس کے تحت واقع ہے مگر اس پر نوع حقیقی صادق نہیں آتی۔ کیونکہ حیوان جنس حقیقی ہے اور کسی بھی جنس حقیقی پر نوع حقیقی صادق نہیں آتی۔ اور ہر امر بسیط پر نوع حقیقی صادق آتی ہے لیکن نوع اضافی صادق نہیں آتی۔ کیونکہ امر بسیط کی کوئی جنس نہیں ہوتی۔ اور یہ اسلئے کہ اگر اسکی کوئی جنس ہو تو پھر فصل بھی ضرور ہوگی۔ لہذا وہ جنس اور فصل سے مرکب ہو جائے گا بسیط نہیں رہے گا۔ اور اگر کوئی نوع ایسی ہو جس کے نہ اوپر کوئی جنس ہو نہ ہی اسکے تحت کوئی جنس ہو تو ایسی نوع کو نوع مفرد کہا جائے گا۔ لیکن علماء محققین کے نزدیک ایسی نوع کا کوئی وجود نہیں ہے۔

انسان نوع سافل ہے جنس حقیقی نہیں

جو لوگ انبیاء اور آئمہؑ کی نوع الگ قرار دیتے ہیں ان میں سے بعض انسان کو انبیاء اور آئمہؑ کی جنس حقیقی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ انسان پر جہاں نوع اضافی صادق آتی ہے وہاں اس پر نوع حقیقی بھی صادق آتی ہے۔ اور سابقاً بارہا بیان ہو چکا کہ کوئی نوع حقیقی جنس حقیقی نہیں ہو سکتی۔ اور کوئی جنس حقیقی نوع حقیقی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ انکے

درمیان تباین کلی کی نسبت ہے۔ لہٰذا جب انسان جنس حقیقی نہیں ہوسکتا بلکہ وہ نوع حقیقی ہے تو معلوم ہوا کہ اسکے تحت کوئی نوع نہیں ہے بلکہ وہ نوع سافل ہے۔ لہٰذا انبیاء اور آئمہؑ کی نوع حقیقی بھی انسان ہی ہے۔ اور یہ بالکل ظاہر ہے کیونکہ انبیاء اور آئمہؑ انسان ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن پاک اور احادیث معصومینؑ کے ذریعہ ثابت ہوچکا۔ اور جو بھی انسان ہو انسان اسکی نوع حقیقی ہی ہوتا ہے جنس حقیقی نہیں بن سکتا۔

کمالات ومدارج عرضیہ کا تفاضل اختلافِ نوع کا باعث نہیں ہوسکتا

اس میں شک نہیں کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام اپنے کمالات اور اپنی شان کے مراتب ومدارج کے اعتبار سے تمام انسانوں سے بلندتر اور فوقیت کے مالک ہیں۔ اور پھر انبیاء میں سے آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی ذات پاک سب سے زیادہ فضیلت کی مالک اور سب سے افضل واکمل ہے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اصطلاح منطق کے اعتبار سے جو ان ذوات مقدسہ کی نوع حقیقی قرار دی جاسکتی ہے وہ انسان نہیں بلکہ کچھ اور ہے۔ کیونکہ اگر لفظ ''نبی'' کو انکی نوع حقیقی قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں۔ اور یہ اسلئے کہ سب انبیاء کی شان ایک جیسی نہیں۔ انکے مراتب اور مدارج مختلف ہیں۔ کچھ اولی العزم ہیں کچھ غیر اولی العزم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔ ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾ کہ ہم نے اپنے رسولوں میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ لہٰذا اگر اختلاف فضیلت اور تفاوت مراتب کے باعث نوع بدل جائے تو پھر انبیاء کی نوعیں بھی متعدد ہو جائیں گی۔ لہٰذا لفظ نبی کا انکی نوع حقیقی ہونا صحیح نہیں۔ نیز یہ کہ نوع حقیقی تو کلی ذاتی کی قسم ہے اور ذات کا ذات سے انفکاک محال ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم سابقاً بیان کر چکے کہ حضرت ابراہیمؑ جیسے اولی العزم نبی پہلے عبد بنائے گئے، پھر نبی بنے، پھر رسول بنے، پھر خلیل بنے اور پھر امام بنے۔ اور اسی سے یہ

بھی واضح ہوجاتا ہے کہ لفظ امام بھی انکی نوع حقیقی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ چار مدارج طے کرنے کے بعد جاکر امام بنے۔ اگر امام ہونا نوع حقیقی ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ کی ذات سے اسکا ابتداً انفکاک ہرگز نہ ہوسکتا۔ حالانکہ جب تک انہوں نے بہت سے امتحانات الہیہ میں کامیابی حاصل نہ کرلی تھی وہ امام نہیں بنائے گئے تھے۔

علاوہ ازیں بہت سے انبیاء ایسے ہیں جو امامت کے درجہ پر فائز نہیں تھے۔ لہٰذا لفظ ''امام'' کو انکے لئے نوع حقیقی ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور آئمہ اثنا عشر علیہم السلام نبی نہیں تھے۔ کیونکہ نبوت جناب رسول خداؐ پر ختم ہوچکی تھی۔ لہٰذا اگر نبی کو نوع حقیقی قرار دیا جائے تو آنحضرت ﷺ کی نوع الگ ہوجائے گی اور آئمہؑ کی نوعیں الگ ہوجائیں گی۔ اور پھر جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام دیگر آئمہؑ سے افضل تھے انکی نوع الگ ہوجائے گی۔ پھر جناب امام حسن علیہ السلام دیگر آئمہؑ سے افضل تھے تو انکی نوع الگ ہوجائے گی۔ پھر جناب امام حسین علیہ السلام بقیہ آئمہؑ سے افضل تھے تو انکی نوع الگ ہوجائے گی۔ اور اس طرح جو امام دوسرے سے افضل اسکی نوع الگ اور جو نبی دوسرے کسی نبی سے افضل اسکی نوع الگ۔ حالانکہ یہ سب کچھ واضح طور پر غلط ہے۔ لہٰذا سب انبیاء اور آئمہؑ وغیرھم کی نوع حقیقی از روئے اصطلاح منطق ایک ہی ہے اور وہ ہے انسان۔ البتہ مراتب اپنے اپنے ہیں اور شان اپنی اپنی ہے۔ اختلاف مراتب اور شان کی فضیلت میں تفاوت کے باعث نوع حقیقی کا بدل جانا ضروری نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ آئمہؑ اور انبیاء علیہم السلام کو قرآن کریم اور احادیث معصومین علیہم السلام میں لفظ انسان، بشر اور رجل یعنی مرد وغیرہ سے یاد کیا گیا ہے۔ اگر ان ذوات مقدسہ کی نوع انسان نہ ہوتی کوئی دیگر ہوتی تو پھر انہیں انسان اور بشر وغیرہ سے یاد نہ کیا جاتا۔ کیونکہ لفظ انسان نوع حقیقی ہے۔

ہاں کمالات و مراتب کے تفاضل کے باعث نوع انسان کی صنفیں الگ ہوجاتی

ہیں۔ مثلاً علماء کی صنف جہلاء کی صنف سے الگ شمار ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے کہ عالم اور جاہل برابر نہیں۔ اور اسی طرح صلحاء کی صنف فساق سے الگ، بہادروں کی صنف بزدلوں سے الگ اور سخیوں کی کنجوسوں سے، ذکیاء کی کند ذہنوں سے، حسینوں اور خوبصورت انسانوں کی صنف سیاہ فام حبشیوں اور بدصورت انسانوں سے الگ شمار کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح انبیاء کی صنف غیر انبیاء سے الگ، آئمہ علیہم السلام کی غیر آئمہ سے اور معصومینؑ کی صنف غیر معصومین سے جداگانہ شمار ہوگی۔ لیکن نوع حقیقی ان سب کی ایک ہی ہے۔ یعنی از روئے علم منطق جسے نوع حقیقی کہا جاتا ہے وہ سب کی مشترکہ اور ایک ہی ہے۔ اختلاف اصناف کے باعث نوع حقیقی کا مختلف ہو جانا صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ نوع حقیقی مقسم ہے۔ اور اسکی اصناف اسکی قسمیں ہیں۔ اور کسی چیز کی اقسام میں مساوات نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک دوسرے سے ممتاز اور جداگانہ ہوتی ہیں۔ بنابریں اصناف انسان میں سے انبیاء کی صنف دیگر تمام انسانوں سے جداگانہ ہے۔ اور اولی العزم انبیاء کی صنف دیگر انبیاء سے افضل اور جداگانہ ہے۔ اور پھر محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی صنف اولی العزم انبیاء سے بھی افضل اور جداگانہ ہے۔ اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اصناف کا اختلاف عوارض کے اختلاف پر مبنی ہوتا ہے۔ اور عوارض ایک ہی نوع کے افراد کے مختلف ہو سکتے ہیں۔ اسلئے ایک ہی نوع کے اصناف اختلاف پذیر ہو جاتے ہیں۔ لیکن نوع حقیقی کا دوسری نوع حقیقی سے مختلف ہونا اسکے ذاتیات کے اختلاف پر مبنی ہوتا ہے۔ جب ذاتیات اور اجزاء بدل جائیں تو انواع کا بدل جانا اور مختلف ہو جانا ایک واضح اور بین امر ہے۔ مگر ان کمالات اور مراتب کے اختلاف اور تغیر کے باعث جو ذاتیات میں سے نہیں عوارض ہوتے ہیں نوع حقیقی نہیں تبدیل ہو سکتی۔ البتہ نوع لغوی جو صنف کے معنی میں ہوتی ہے وہ عوارض کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے۔ لہٰذا انبیاء اور آئمہؑ کی نوع بمعنی لغوی دیگر تمام انسانوں سے الگ اور جداگانہ ہے لیکن نوع منطقی انبیاء کی الگ نہیں ہے۔

صنف اور نوع لغوی کا بیان

لغت عرب کے لحاظ سے نوع۔ صنف۔ ضرب اور قسم ایک معنی میں مستعمل ہوتی ہیں۔ چنانچہ لغت کی مشہور کتاب المنجد میں ہے۔" الصنف..... والصنف(ج) اصناف وصوف: النوع والضرب "یقال عنده صنف من الامتعة" ای نوع منها " کہ صِنف اور صَنف جسکی جمع اصناف اور صنوف آتی ہے اس کا معنی ہے نوع اور قسم۔ نیز لغت "ن و ع" میں لکھا ہے النوع (ج) انواع کل صنف من کل شیء وهو أخص من الجنس، نوع جس کی جمع انواع ہوتی ہے وہ ہر شئے کی صنف کو کہا جاتا ہے اور وہ جنس سے خاص ہوتی ہے۔

اس مختصر توضیح سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ نوع کا منطقی اور لغوی معنی ایک نہیں بلکہ ان میں بہت کچھ فرق ہے۔ نوع منطقی اور نوع لغوی کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ انسان پر مثلاً یہ دونوں صادق آتی ہیں اسلئے کہ انسان ازروئے اصطلاح منطق نوع حقیقی ہے۔ اور نوع کے لغوی معنی کے لحاظ سے وہ حیوان کی ایک قسم ہے۔ اور حیوان پر نوع لغوی تو صادق آتی ہے۔ کیونکہ وہ جسم کی ایک قسم ہے لیکن نوع حقیقی منطقی اس پر صادق نہیں آتی۔ کیونکہ حیوان جنس حقیقی ہے اور سابقاً بیان ہو چکا کہ نوع حقیقی اور جنس حقیقی میں تباین کلی ہے۔ اور بسیط حقیقت رکھنے والی چیز پر نوع حقیقی صادق نہیں آئیگی۔ مگر نوع لغوی اس پر صادق آجائے گی۔ کیونکہ وہ موجود کی ایک قسم ہے۔ اور نوع حقیقی اسلئے صادق نہیں آتی کہ نوع حقیقی جنس وفصل سے مرکب ہوتی ہے وہ بسیط نہیں ہوتی۔

"انسان کی انواع لغویہ متعدد ہیں"

انسان کو مقسم قرار دے کر اگر اسکی تقسیم کی جائے تو متعدد اعتبارات کے لحاظ سے اسکی

متعدد انواع پیدا ہوتی ہیں جو باہم ایک دوسرے کے متبائن ہوتی ہیں۔ مثلاً علم کے اعتبار سے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں عالم اور جاہل، ایمان کے اعتبار سے بھی اسکی دو قسمیں ہوتی ہیں مومن اور بے ایمان، اسلام کے لحاظ سے مسلم اور کافر، عصمت کے لحاظ سے معصوم اور غیر معصوم، تقویٰ کے لحاظ سے متقی اور فاسق، نبوت کے اعتبار سے نبی اور غیر نبی، امامت کے لحاظ سے امام اور غیر امام، انبیاء کے عزم کے اعتبار سے اولی العزم اور غیر اولی العزم۔ غرض اگر نوع کا لغوی معنی مراد لیا جائے تو پھر انبیاء اور آئمہؑ کی نوعیں یقیناً جداگانہ ہیں۔ لیکن جو لوگ یہ ادعاء کرتے ہیں کہ انبیاء و آئمہؑ کی انواع جداگانہ ہیں۔ شاید انکو یہ علم نہیں کہ انبیاء اور آئمہ کی انواع لغوی معنی کے لحاظ سے جداگانہ ہیں۔ نوع کے منطقی معنی کے لحاظ سے جداگانہ نہیں۔ اور انکی یہ لاعلمی ہی اسکا باعث ہے کہ جب وہ نوع انبیاء و آئمہؑ کے جداگانہ ہونے کا ادعاء کرتے ہیں تو پھر انبیاء اور آئمہؑ کیلئے وہ جنس اور فصل بھی تلاش کرنے لگتے ہیں۔ اور اسکے باعث وہ عجیب اختلاف کا شکار ہوتی ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ آنحضرت نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ کی جنس بشر ہے اور فصل "یُوْحیٰ اِلَیَّ" ہے۔ انکی یہ رکیک اور غلط توجیہہ وہ آیت مبارکہ ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ کے پیش نظر کرتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ انبیاء اور آئمہؑ کی جنس انسان ہے اور عصمت انکی فصل ہے۔ بعض کہتے ہیں نورانیت انکی فصل ہے، کوئی کہتا ہے کمال ذاتی انکی فصل ہے، تو کوئی کہتا ہے کہ روح نبوتی انکی فصل ہے۔

یہ سب تکلفات اور تحملات محض اسی وجہ سے انکو اختیار کرنے پڑے ہیں کہ وہ یہ سمجھ نہیں سکتے ہیں کہ نوع لغوی کا معنی اور ہے اور نوع حقیقی منطقی کا معنی اور ہے۔ اور جنس و فصل کی ضرورت نوع حقیقی منطقی کیلئے لاحق ہوتی ہے۔ نوع کا لغوی معنی جنس و فصل کی طرف

محتاج نہیں ہوتا۔ بلکہ اسکے لئے تو ایک مقسم کی ضرورت ہوتی ہے جس کو جب مختلف عوارض بھی لاحق ہوتے ہیں تو ہر عرض کے اسے لاحق ہونے سے اسکی ایک ایسی قسم پیدا ہو جاتی ہے جو مقسم کے ان افراد کے خلاف ہوتی ہے جن کو وہ عرض عارض نہیں ہوتا خواہ کوئی دوسرا عرض اسے عارض ہو یا نہ ہو۔

تنازع ختم ہونے کی صورت

اتحاد نوع انبیاء وآئمہ اور اختلاف نوع کو اختیار کرنے والے فریقین اپنی ضد کو چھوڑ دیں اور ہر فریق یہ تسلیم کر لے کہ لغوی معنی کے لحاظ سے انبیاء وآئمہ کی نوع دیگر انسانوں سے جداگانہ اور افضل واعلی ہے۔ اور منطقی معنی کے لحاظ سے انبیاء وآئمہ اور دیگر تمام انسانوں کی نوع حقیقی ایک ہی ہے۔ مگر وہ اس نوع کے اعلیٰ افراد ہیں تو تنازع اور جھگڑا ختم ہے۔ اور اس صورت میں فریقین جادہ حق اور صراط مستقیم پر گامزن ہوں گے اور راہ راست کو اختیار کرنے والے ہونگے۔ فضائل محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی کثرت اور بلندی کے باعث جن لوگوں کو اشتباہ ہوتا ہے انکی نوع الگ ہے۔ یہ علیحدگی نوع اسکے لغوی معنی کے اعتبار سے درست قرار پائے گی۔ اور انکی انسانیت اور بشریت کے لحاظ سے جو آیات اور احادیث وغیرہ کے ذریعہ انکی نوع کا عام انسانوں کی نوع سے متحد ہونا ثابت ہوتا ہے یہ اسکے منطقی معنی کے لحاظ سے درست ہوگا۔ لہٰذا کوئی تباین اور تنافی ہر دو فریقوں میں باقی نہ رہے گی۔

انواع عالم کے انضباط کا مدار نوع کے معنی لغوی پر نہیں اسکے معنی منطقی پر ہے

موالید ثلاثہ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات یہ تینوں اجناس ہیں۔ ان میں سے ہر

ایک کے تحت بکثرت انواع ہیں۔ جمادات سے مراد وہ مخلوقات ہے جو طول عرض اور عمق رکھنے والی ہیں۔ لمبی، چوڑی اور گہری یا موٹی ہونے کی صفت سے متصف ہے لیکن نشوونما نہیں رکھتی۔ جیسے پتھر اور اسکی اقسام مثلاً کچا پتھر، پکا پتھر، سنگ مرمر، عقیق، فیروزہ، درنجف وغیرہ یہ سب ازقسم جمادات ہیں۔ طول، عرض، عمق رکھتے ہیں مگر نشوونما پانے کے وصف سے بھی متصف نہیں ہوتے۔ جماد ایک جنس ہے اور پتھر کی اقسام مذکورہ اسکی انواع ہیں۔ نباتات سے مراد وہ مخلوق ہے جو طول، عرض اور عمق رکھنے کے ساتھ ساتھ نشوونما پانے کے وصف سے بھی متصف ہوتی ہے۔ جیسے درخت اور اسکے اقسام مثلاً شیشم، کیکر، بیری وغیرہ نباتات کی جنس ہے۔ اور مذکورہ درخت اسکی نوعیں ہیں۔ اور حیوانات سے مراد وہ مخلوقات ہیں جو طول، عرض اور عمق بھی رکھتی ہیں اور نشوونما بھی پاتی ہیں اور ساتھ ہی اسکے حس وحرکت ارادی بھی رکھتی ہیں۔ جیسے مثلاً انسان، گھوڑا اور بیل وغیرہ حیوان انکی جنس ہے اور انسان، گھوڑا، بیل، اونٹ، بکرا، شیر، چیتا وغیرہ تمام اسکی نوعیں ہیں۔ کیونکہ حیوان کا معنی ہے جاندار، زندگی رکھنے والا، ذی روح جو حس وحرکت ارادی رکھتا ہو۔ اور یہ معنی مذکورہ بالا تمام انواع حیوان میں پایا جاتا ہے۔

ان موالید ثلاثہ کی انواع کے انضباط کیلئے نوع کا وہی معنی ملحوظ رکھا گیا ہے جو اہل منطق نے اپنی اصطلاح میں قائم کیا۔ اسی معنی کے لحاظ سے عالم کے انواع کو متعدد بھی شمار کیا جاتا ہے اور اسی معنی کے اعتبار سے چند افراد کی نوع کے اتحاد کا حکم بھی لگایا جاتا ہے۔ قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم ہر لحاظ سے نوع کے اتحاد اور اختلاف کا مدار اسی معنی پر قائم ہے۔ اس اتحاد اور اختلاف کا مدار نوع کے لغوی معنی پر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوارض میں اختلاف رکھنے کے باوجود انسانی افراد پر انسان کا اطلاق برابر اور مساوی طور پر ہوتا ہے۔ اور انسان اپنے سارے افراد کی حتماً نوع ہے۔

چنانچہ عالم کو بھی انسان کہا جاتا ہے تو جاہل کو بھی انسان ہی سے یاد کیا جاتا ہے۔

نبی، امام، مومن، منافق، مشرک، کافر، مسلم، متقی، فاسق، فاجر، بہادر، بزدل، سخی، کنجوس، حلیم وبردبار، صابر وغیرہ الفاظ اگرچہ مختلف معانی رکھتے ہیں لیکن انکے مصداق کی نوع الگ الگ شمار نہیں ہوتی بلکہ سب کو انسان کہا جاتا ہے۔ اور مذکورہ تمام اوصاف کو خواہ لائق ستائش ہیں یا قابل مذمت انسان کے عوارض میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ ان اوصاف کے باہم متضاد امتناعی اور متغائر ہونے کے باوجود انکی نوع انسان ہی رہتی ہے۔ اور سب پر انسان کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور یہ اطلاق نوع کے منطقی معنی کے اعتبار سے ہی صحیح ہوسکتا ہے۔ سابقاً بہت سی احادیث اور آیات کے ذریعہ ثابت ہوچکا ہے کہ نبی اور امام انسان ہوتے ہیں۔ اور لفظ انسان کا معنی جنس حقیقی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے وہ اپنے افراد کیلئے نوع حقیقی ہے۔ کیونکہ ایسا بھی تو نہیں ہوسکتا کہ انسان اپنے بعض افراد کیلئے نوع حقیقی ہو اور دیگر بعض کیلئے جنس حقیقی ہو۔ کیونکہ علم منطق میں جو لفظ اپنے بعض مصادیق کیلئے نوع حقیقی ہو وہ اپنے کل افراد کیلئے نوع حقیقی ہی ہوتا ہے۔ اور جو اپنے بعض افراد کیلئے جنس حقیقی ہو وہ کل افراد کیلئے جنس حقیقی ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ نوع حقیقی ایسے افراد پر بولی جاتی ہے جو متحدۃ الحقیقۃ ہوتے ہیں اور جنس حقیقی ایسے افراد پر بولی جاتی ہے جو مختلفۃ الحقیقۃ ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے نوع حقیقی اور جنس حقیقی آپس میں ایک دوسرے کے متبائن ہوتی ہیں۔

غرض عالم دنیا میں انواع کے انضباط کیلئے نوع کا معنی منطقی ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ ورنہ اگر نوع کا لغوی معنی ملحوظ ہوتا تو صرف انسان کی ہی اتنی نوعیں ہوجاتیں کہ جن کا شمار دشوار ہوجاتا۔ کیونکہ عوارض انسان اس کثرت سے ہیں کہ انکا احصاء مشکل ہے۔ اور پھر ایسے ہی گھوڑے کے عوارض کے اختلاف کے باعث اسکی نوعیں بے شمار ہوجاتیں۔ اور اسی طرح گائے، اونٹ، بھینس وغیرہ کی بھی نوعیں لاتعداد ہوجاتیں۔ اور اس سے مخلوقات عالم

کی انواع کا انضباط اور احصاء انتہائی دشوار ہو جاتا۔ اس لیے عقلاء نے انضباط انواع کیلئے نوع کا منطقی معنی ملحوظ رکھا ہے۔ لہٰذا تمام انسانوں کی نوع حقیقی منطقی صرف ایک ہے اور وہ ہے انسان۔ خواہ وہ عالم ہو تو بھی انسان، جاہل ہو تو بھی انسان، نبی ہو تو بھی انسان، غیر نبی ہو تو بھی انسان، امام ہو تو بھی انسان، غیر امام ہو تو بھی انسان، عادل ہو تو بھی انسان، ظالم ہو تو بھی انسان، کافر و مشرک ہو تو بھی انسان، مسلم و مومن ہو تو بھی انسان، متقی و پرہیزگار ہو تو بھی انسان، فاسق و فاجر ہو تو بھی انسان، غرض سب ہی انسان ہیں۔

اتحادِ نوع کی واضح علامت

اللہ تعالیٰ نے اتحادِ نوع کی ایک فطری علامت یہ قرار دی ہے کہ نوع حقیقی منطقی تولید مثل کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ انسان کا بچہ انسان ہوتا ہے، اونٹ کا بچہ اونٹ، بیل کا بچہ بیل۔ وعلیٰ ہذا القیاس اگر گندم بوئی جاتے تو گندم ہی پیدا ہوتی ہے گندم کے بیج سے چنے نہیں پیدا ہوتے۔ اور مکئی کے بیج سے مکئی ہی پیدا ہوتی ہے مکئی کے بیج سے باجرہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ اس کی دلیل ہے کہ انسان کی نوع الگ ہے، بیل کی نوع الگ، اونٹ کی نوع الگ، گندم کی الگ اور چنے کی الگ نوع ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان نوع ہے لفظ عالم نوع نہیں۔ کیونکہ عالم بھی اگر نوع حقیقی ہوتی تو ہر عالم کا بیٹا عالم ہی پیدا ہوتا۔ کبھی عالم کا فرزند جاہل نہ ہوتا اور جاہل کا فرزند عالم نہ ہوتا۔ نبی کا فرزند غیر نبی نہ ہوتا اور غیر نبی کا فرزند نبی نہ ہوتا۔ اور امام کا بیٹا ہمیشہ امام ہی ہوتا کبھی غیر امام نہ ہو سکتا اور غیر امام کا فرزند امام نہ ہوتا۔ علیٰ ہذا القیاس معصوم کا فرزند غیر معصوم نہ ہوتا اور غیر معصوم کا بیٹا معصوم نہ ہوتا۔ مگر عموماً ایسا ہوتا ہے کہ عالم کا فرزند جاہل ہوتا ہے اور برعکس اس کے جاہل کا بیٹا عالم ہو جاتا ہے۔ نبی کے کئی فرزند نبی ہوئے اور کئی غیر نبی

۔اسی طرح کئی غیر نبی ایسے ہوئے کہ ان کے فرزند نبی تھے۔کئی امام ایسے ہوئے کہ ان کے فرزند امام نہیں تھے اور کئی امام ایسے ہوئے جن کے بعض بیٹے امام تھے اور بعض امام نہیں تھے۔علی ہذا القیاس بہادر کا فرزند بعض اوقات بزدل ہوتا اور بزدل کا بیٹا بہادر، سخی کا بیٹا کنجوس ہوتا ہے اور کنجوس کا بیٹا سخی پیدا ہو جاتا ہے۔اسی طرح مومن کا فرزند منافق اور منافق کا فرزند مومن، کافر کا بیٹا مسلم اور مسلم کا فرزند کافر، اندھے کا فرزند بینا اور بینا کا بیٹا نابینا۔

یہ سب قدرت کے کرشمے ہیں جو اس کی دلیل ہے کہ یہ سب عوارض ہیں۔ان میں سے کوئی بھی نوع حقیقی نہیں۔نوع حقیقی ان سب کی انسان ہے اس سے معلوم ہوا کہ نوع حقیقی منطقی وہ ہوتی ہے جو تولید مثل کا باعث ہو۔اور انسان تولیدِ مثل کا باعث ہے۔لہٰذا انسان نوع حقیقی ہے اور اسی وجہ سے انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کو قرآن کریم اور احادیث معصومینؑ میں کبھی انسان کہا گیا ہے، کبھی بشر، کبھی رجل یعنی مرد کبھی "فتی" یعنی جوان اور کبھی ان کو بھی انسانوں میں سے شمار کیا اور ساتھ منافقوں کو بھی انسانوں میں شمار کیا۔چنانچہ جناب امیرؑ کی شان میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰه ﴾ اور منافقین کیلئے بھی فرمایا ﴿ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی جناب امیرؑ کی شان میں بھی یہی الفاظ فرمایا "ومن الناس" اور منافقین کیلئے بھی یہی لفظ "ومن الناس" جس سے معلوم ہوا کہ جناب امیرؑ بھی انسانوں میں سے تھے اور منافقین بھی انسانوں میں سے تھے۔لیکن جناب امیرؑ انسانوں میں سے ہو کر اس شرف کے مالک کہ وہ جنت و جہنم کو تقسیم کرنے والے، حوض کوثر سے مومنین کو سیراب کرنے والے، لواء الحمد کے حامل، جس کے سایہ کے نیچے تمام مومنین ہوں گے اور عالم علم لدنی، وصی رسول الثقلین، زوج سیدہ کونین، سرداران جنت کے والد ماجد کہ جو بے شمار فضائل کے مالک ہیں اور منافقین جہنم کے سب سے نیچے والے

طبقہ کا ایندھن ہوں گے۔

جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ﴾
غرض فریقین کے شان اور مرتبہ میں اس قدر فرق ہے لیکن پھر بھی دونوں کو قرآن کریم میں "ومن الناس" کے لفظ سے یاد فرمایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ نوع حقیقی سب کی انسان ہے کیونکہ انسان کا بچہ انسان ہی ہوتا ہے۔ اور انسان ہی تولید مثل کا باعث ہے۔ عالم، جاہل، کافر، مشرک، منافق، مومن وغیرہ تولید مثل کا باعث نہیں ورنہ ان میں سے ہر ایک کا بچہ اسی شان کا مالک ہوتا جس کا مالک اس کا باپ تھا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نوع صرف لفظ انسان ہے عالم، جاہل وغیرہ نوع نہیں وہ از قسم عرضیات ہیں۔

قوانین منطق کے وسعت طاقت بشریہ کی حد تک ہے
کمالات باطنیہ کے علم کو تعیین نوع میں کوئی دخل نہیں

بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ نوع حقیقی اصطلاح منطق میں اس لفظ کو کہا جاتا ہے جو اپنے افراد کی حقیقت پر دلالت کرے۔ اور لفظ انسان کے ذریعہ نبی یا امام کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ امام اور نبی کی حقیقت کا علوم کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ انسان نبی اور امام کیلئے نوع حقیقی نہیں۔

یہ استدلال غلط ہے قرین صواب نہیں۔ کیونکہ نوع حقیقی کے ذریعہ اس کے افراد کی حقیقت اس حد تک معلوم ہوسکتی ہے جہان تک طاقت بشریہ کا تعلق ہے اور طاقت بشریہ کے ذریعہ باطنی حالات اور مخفی امور کا معلوم ہونا ضروری نہیں۔ اس لئے کسی شئی کو نوع کا علم

حاصل کرنے کیلئے اس کی حقیقت ظاہر یہ کا معلوم ہو جانا ہی کافی ہوتا ہے۔ خواہ اس کے باطنی حالات کا علم نہ بھی ہو۔ مثلاً بسا اوقات ہم بہت سے ایسے اشخاص دیکھتے ہیں جن کے باطنی کمالات یا نقائص وعیوب کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ ہمیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ مسلم ہیں یا کافر، مومن ہیں یا منافق، بہادر ہیں یا بزدل، عالم ہیں یا جاہل، سخی ہیں یا کنجوس، شریف ہیں یا رذیل، حلیم الطبع ہیں یا مغلوب الغضب نیک ہیں یا بد وغیرہ۔

لیکن ان کے اجزاء خارجیہ وذہنیہ کلیہ ظاہرہ کا ہمیں علم ہوتا ہے۔ کیونکہ اجزاء ذہنیہ کلیہ کے اعتبار سے ہم ان کو حیوان ناطق پاتے ہیں۔ اور اجزاء خارجیہ کے لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے جسم کی صورت نوعیہ انسانی ہیئت اور وضع پر ہے۔ نیز وہ چلتے پھرتے کھاتے پیتے والے ذی روح جاندار ہیں تو ہم بغیر کسی گہری سوچ بچار کے پہلی نگاہ میں ہی ان کے انسان ہونے کا یقین کرتے ہیں۔ اور اگر ہم سے سوال کیا جائے کہ یہ کس نوع کے افراد ہیں تو ہم فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ انسان ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ کسی چیز کی نوع کا علم حاصل کرنے کیلئے اس کے باطنی کمالات یا عیوب ونقائص پر اطلاع حاصل ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہی ان کے کمالات یا نقائص کو کسی چیز کی نوع حقیقی کے تعین میں کوئی دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم اور احادیث معصومینؑ میں آئمہ، انبیاء، مومنین، کافرین، منافقین، علماء، جہلا، اتقیاء، فساق وغیرہ سب کو انسان کہا گیا ہے۔ جیسا کہ سابقاً آیات واحادیث اس مقصد پر دلالت کرنے والے کافی سے زیادہ پیش کیے جا چکے ہیں۔

بنابریں یہ وہم ہرگز درست نہیں کہ ہمیں چونکہ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کے کمالات اور فضائل کی انتہاء کا علم نہیں۔ اس لئے ہم کو ان کی نوع حقیقی منطقی کا علم نہیں ہے کیونکہ اگرچہ ہمیں ان کے فضائل وکمالات کا علم نہیں۔ لیکن فضائل وکمالات کے علم کو ان کی نوع حقیقی منطقی کے تعین میں کوئی دخل نہیں۔ اور قرآن پاک واحادیث آئمہ ہدیٰ علیہم السلام نے

ہمیں یہ بتایا ہے کہ وہ انسان تھے۔اور انسان لفظ کلی ہے اور ہر وہ لفظ جو کلی ہو اس کا کلیات خمسہ نوع، جنس، فصل، خاصہ اور عرض عام میں سے کسی ایک کا مصداق ہونا ضروری ہے۔اور چونکہ انسان نوع کے علاوہ دیگر چاروں مذکورہ کلیات میں سے کسی کا مصداق ہو نہیں سکتا لہٰذا وہ نوع کا ہی مصداق ہے۔اور سابقا تحریر ہو چکا کہ نوع حقیقی کے سارے افراد متفقۃ الحقیقت ہوتے ہیں اس لئے انبیاء، آئمہ، مومنین، منافقین، کافرین، علماء، جہلاء، فساق، صلحاء، لئام، شرفاء وغیرہ سب انسان ہیں جو کہ متفقۃ الحقیقت ہیں۔کیونکہ انسان ہونے میں سب کا اشتراک ہے۔ ہاں کمالات اور مدارج میں بہت بڑا افتراق ہے۔ کیونکہ مومنین کا مرتبہ اور شان کافرین سے بلند ہے اور پھر مومنین صلحاء کا مومنین فساق سے بلند، پھر صلحاء جو علماء ہیں ان کی شان جہلاء سے اعلیٰ ہے۔اور پھر علماء صلحاء میں سے انبیاء کی شان افضل ہے۔اور پھر انبیاء میں سے جو اولی العزم ہیں ان کی شان غیر اولی العزم انبیاء سے افضل۔پھر اولی العزم میں سے آنحضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کی شان افضل۔اور اسی طرح آئمہ اثنا عشر علیہم السلام کی شان سوائے جناب رسالتمآب ﷺ کے دیگر سب انبیاء سے بھی افضل ہے۔

غرض یہ مدارج اور شان کا تفاضل اپنے مقام پر مسلم ہے۔مگر نوع ان سب کی انسان ہی ہے۔کیونکہ اگر ان کو انسان تسلیم نہ کیا جائے تو قرآن پاک جناب رسول خدا ﷺ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام اور عقل سلیم کی مخالفت لازم آتی ہے۔جس کیلئے ایک صاحب ایمان ہرگز تیار نہیں ہو سکتا۔

جنس کا لغوی معنیٰ

لفظ جنس کا ایک معنی اصطلاحی ہے ایک لغوی۔ اصطلاحی اہل منطق کے ہاں مستعمل ہوتا ہے جس کی پھر دو قسمیں ہیں۔ایک جنس حقیقی اور دوسری جنس اضافی۔اور لغوی معنی اس کا اہل لغت عربیہ کے ہاں مستعمل ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں یہ قسم کے معنی میں استعمال ہوتا

ہے۔چنانچہ مشہور کتاب لغت عرب المنجد میں لکھا ہے۔" الجنس ماهية تعم انواعا متعددة كالحيوانيةفي الانسان وفي الفرس كل ضرب من الشيء فالابل مثلاً جنس من البهائم" کہ جنس وہ ماہیت ہوتی ہے جو متعدد انواع سے عام ہوتی ہے۔جیسے کہ حیوانیت ہے کہ وہ انسان اور گھوڑے میں متحقق ہے اس لئے وہ دونوں سے عام ہے۔اور ہر شئے کی قسم بھی جنس کہلاتی ہے۔جیسے کہ مثلاً اونٹ چوپاؤں کی ایک قسم ہے۔صاحب المنجد نے" كل ضرب من الشئی الخ "کے الفاظ سے اسی لغوی معنی کو بیان کیا ہے۔

جنس لغوی اور جنس حقیقی کی باہم نسبت

جنس لغوی اور جنس حقیقی منطقی کے درمیان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔جنس لغوی عام ہے۔اور جنس حقیقی خاص ہر جنس حقیقی پر جنس لغوی صادق آتی ہے۔لیکن برعکس اس کے ہر جنس لغوی کا جنس حقیقی ہونا ضروری نہیں۔مثلاً حیوان جنس حقیقی پر جنس لغوی بھی ہے کیونکہ حیوان جسم نامی کی ایک قسم ہے۔جیسے کہ مثلاً درخت جسم نامی کی دوسری قسم ہے اور اسی طرح جسم نامی جنس حقیقی بھی ہے اور جنس لغوی بھی۔کیونکہ جسم نامی مثلا درخت جسم مطلق کی ایک قسم ہے اور پھر جسم مطلق کی دوسری قسم۔علی ہذا القیاس جو شئے بھی جنس حقیقی ہو وہ جنس لغوی ضرور ہوتی ہے۔

لیکن برعکس اس کے جنس لغوی کا جنس حقیقی ہونا ضروری نہیں۔جیسے مثلاً انسان جنس لغوی ہے کیونکہ وہ حیوان کی ایک قسم ہے۔اور دوسری قسم حیوان کی مثلاً گھوڑا ہے لیکن انسان جنس حقیقی نہیں ہوسکتا۔اور یہ اسلئے کہ انسان اصطلاح منطق میں نوع حقیقی ہے۔اور سابقاً بارہا بیان ہو چکا کہ جو شئے نوع حقیقی ہو وہ جنس حقیقی ہرگز نہیں ہوسکتی۔کیونکہ ان کے درمیان باہم تباین کلی نسبت ہے۔

رفع اشتباہ

بعض اوقات کلام علماء میں جنس کے لغوی معنی کے لحاظ سے انسان کو جنس کہا جاتا ہے۔ جس سے بعض صاحبان کو یہ اشتباہ لاحق ہوسکتا ہے کہ جنس کا یہ اطلاق وہ منطقی معنی کے اعتبار سے قرار دیں۔ اور اس وجہ سے انکو یہ دھوکا ہوجائے کہ انسان ازروئے اصطلاح منطق جنس حقیقی ہے۔ لہٰذا اگر انکو یہ اشتباہ ہوجائے تو یہ انکی غلط فہمی ہوگی۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ انسان نوع حقیقی ہے اور بارہا بیان ہوچکا کہ کوئی نوع حقیقی جنس حقیقی نہیں ہوسکتی اور کوئی جنس حقیقی نوع حقیقی نہیں ہوسکتی۔ ان دونوں کے درمیان تباین کلی کی نسبت ہے۔

باعث تخلیق عالم ہونا نوع انسان سے ہونے کے منافی نہیں

چہاردہ معصومین علیہم السلام کے متعلق اراکین ادارہ ''الانوار'' اور انکے رہنماؤں نے جو خلاف قرآن وحدیث وخلاف عقل سلیم یہ نظریہ قائم کررکھا ہے کہ وہ ذوات قدسیہ نوع انسان سے نہیں۔ اس غلط نظریہ کے دلائل باطلہ میں وہ لکھتے ہیں۔ دیکھو رسالہ ''نوریا خاک'' ص ۸

''چوتھی دلیل چودہ انوار باعث تخلیق انسان اور دیگر کائنات ہیں۔ لہٰذا انکا نوع انسان سے نہ ہونا ظاہر ہے''۔ (انتہی)

ان صاحبان کی یہ دلیل بھی انکے دیگر دلائل کی مانند باطل ہے۔ کیونکہ یہ تسلیم ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام تمام کائنات عالم کی تخلیق کا باعث اور علت غائیہ ہیں۔ اور انسان بھی ان ہی کائنات میں سے ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ ہرگز برآمد نہیں ہوسکتا کہ وہ نفوس مقدسہ نوع انسان کے افراد نہیں ہیں۔ کیونکہ اگر وہ نوع انسان کے افراد میں سے نہ ہوتے تو قرآن پاک اور خود معصومین علیہم السلام کی تعلیمات میں انکو انسان نہ کہا

جاتا۔ حالانکہ سابقاً بے شمار آیات واحادیث آئمہ اطہارؑ کے ذریعہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہو چکی ہے کہ یہ پاکیزہ نفوس نوع انسان سے ہی ہیں۔

حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو انسانی نوع کے ان چودہ نفوس مقدسہ کو پیدا کرنا اصلاً مقصود تھا۔ اور دیگر تمام انسانی افراد اور عالم دنیا کا پیدا کرنا تبعاً مقصود الٰہی ہوا۔ لہٰذا یہ دونوں امور صحیح ہیں کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام نوع انسان سے بھی ہیں اور دیگر تمام عالم کی تخلیق کا باعث بھی۔ ان دونوں امور میں باہم کوئی منافات نہیں۔ ادارہ الانوار کے اراکین کا نتیجہ قرین صواب نہیں۔

طہارت ونجاست کا اختلاف نوعی اختلاف کی دلیل نہیں

رسالہ ''نور یا خاک'' ص نمبر ۸ پر تحریر ہے پانچویں دلیل۔ آیہ تطہیر کے تحت تمام انسانی نجاسات سے پاک لہٰذا علیحدہ نوع۔

اراکین ادارہ الانوار کی یہ دلیل بھی بالکل بودی ہے۔ کیونکہ یہ امر تو علماء اعلام، مجتہدین کرام، فقہاء عظام ہی بتا سکتے ہیں کہ آیت تطہیر کے تحت چہاردہ معصومین علیہم السلام کا کن کن امور سے پاک ہونا مقصود ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ استنباط فقہاء سے تعلق رکھتا ہے کہ جن کو تعلیمات آئمہ ہدیٰ علیہم السلام سے طہارت ونجاست وغیرہ کے احکام کو استنباط کرنے کی مہارت تامہ حاصل ہوتی ہے۔ لیکن یہ امر حتمی اور یقینی ہے کہ طہارت اور نجاست میں اختلاف رکھنے کے باوجود نوعی اتحاد حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کافر بھی انسان ہوتا ہے اور مومن بھی انسان۔ حالانکہ کافر نجس ہے اور مومن پاک۔ کافر جب تک کافر رہتا ہے تو اسکا بدن نجس ہوتا ہے اور اس کا پسینہ تھوک وغیرہ بھی نجس ہوتی ہے۔ لیکن ایمان لانے کے بعد اسکا بدن بھی پاک اور پسینہ اور تھوک بھی پاک ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ ہر دو حال میں انسان ہی رہتا ہے۔ کفر کی حالت میں جبکہ نجس تھا تو بھی انسان تھا اور ایمان لانے کے بعد پاک ہو گیا

تو بھی انسان ہی ہے۔اس طہارت ونجاست کے اختلاف سے اسکی نوع نہیں بدلی۔

علی ہذاالقیاس فرض کیجئے کہ ایک پانی کا گھڑا ہے جس میں پاک پانی موجود ہے۔اس میں کسی نے نجس ہاتھ داخل کردیا تو وہ اب نجس ہوجائے گا لیکن ہے وہ ہر دو حال میں پانی۔اسکی نوع میں اختلاف نہیں ہوا۔وہ پاک تھا تو بھی پانی تھا۔پھر نجس ہوگیا تو بھی پانی ہے۔نیز فرض کیجئے کہ پانی کے بھرے ہوئے دو گھڑے موجود ہیں جو دونوں پاک تھے۔ان میں سے ایک میں کسی شخص نے نجس ہاتھ داخل کردیا تو وہ نجس ہوگیا۔اب ان دونوں میں سے ایک نجس ہے اور دوسرا پاک۔مگر ہیں دونوں پانی کے افراد۔اس اختلاف طہارت ونجاست سے انکی نوع میں کوئی فرق پیدانہیں ہوا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام پاک ہونے کے باوجود بھی انسان ہیں۔اور دیگر انسان اگر نجاست کا مورد ہوں تو بھی وہ انسان ہیں۔اختلاف طہارت ونجاست سے نوع کا مختلف ہونا لازم نہیں آتا۔کیونکہ انسان پاک بھی ہوسکتا ہے اور نجس بھی ہوسکتا ہے۔اگر طہارت وعصمت کی وجہ سے نوع بدلی جاتی تو اللہ تعالیٰ قرآن میں انکو انسان نہ فرماتا۔انسانوں میں شمار نہ کرتا۔حالانکہ سابقاً بکثرت آیات اور احادیث پیش کی جاچکی ہیں جن میں ان پاکیزہ ہستیوں کو انسان بھی کہا گیا اور انسانوں میں سے شمار بھی کیا گیا۔لہٰذا ادارالانوار کے اراکین کا آیت تطہیر سے استدلال غلط ہے۔

موت وحیات اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے
انسانوں کی قوت برداشت بھی مختلف ہوسکتی ہے۔

رسالہ ''نور یا خاک ص نمبر ۸'' پر تحریر ہے چھٹی دلیل:۔کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ظاہر ہونے پر ستر انسان مر گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام صرف بے ہوش ہوئے۔ پہاڑ جل کر راکھ ہوگیا۔ اگر ایک نوع ہوتے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی مر جانا چاہئے تھا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ انبیاء نوع انسان سے نہیں ہیں''۔ (انتھی)

اراکین ادارہ الانوار اور انکے رہنماؤں کا یہ استدلال بھی غلط ہے۔ اسلئے کہ نوع انسان کے افراد کی بدنی طاقت میں اختلاف ہوتا ہے۔ اسی طرح انکی قوت برداشت میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ جسکے باعث ہوسکتا ہے کہ تجلی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے وہ بندے برداشت نہ کر سکے جن کو وہ اپنی قوم سے منتخب کر کے لے گئے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے برداشت کر لیا ہو۔ پھر موت کا طاری کرنا اور زندہ رکھنا ہر دو خداوند عالم کی قدرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جسے خدا مارے اسے کوئی زندہ نہیں کر سکتا اور جسے خدا زندہ رکھے اسے کوئی نہیں مار سکتا۔ اور سابقاً آیات قرآن پاک اور آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی تعلیمات کے ذریعہ مثل روز روشن واضح ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اور دیگر تمام انبیاء بھی انسان تھے۔ اور انسان اپنے افراد کی نوع ہوتا ہے۔ نوع کے علاوہ دیگر کسی کلی کا مصداق نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہ کہنا کہ ''انبیاء نوع انسان سے نہیں ہیں'' قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی مخالفت ہے۔ اور ستر آدمیوں کے مرجانے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زندہ رہنے سے اختلاف نوع پر استدلال غلط ہے۔

حیوان سے مراد اصطلاح ارباب عقل میں ہے "زندگی رکھنے والا"

رسالہ نور یا خاک صفحہ نمبر ۸ پر ساتویں دلیل:۔ انسان کی جنس حیوان ہے اور نوع انسان اگر انبیاء وآئمہ علیہم السلام کو نوع انسان سے فرض کیا جائے تو ان انوار کی جنس کیا ہوگی؟ آگے چل کر صفحہ نمبر ۹ پر لکھتے ہیں کہ اگر آپ انبیاء وآئمہ علیہم السلام کو (معاذ اللہ) جنس حیوان میں داخل کرتے ہیں تو آپکا ایمان رخصت الخ۔ پھر آٹھویں دلیل میں لکھتے ہیں آپکی تھیوری کے مطابق انسان جنس حیوان سے ہے۔ اسکی فصل ممیز نطق ہے یعنی انسان حیوان ناطق ہے۔ ہمارے چودہ انوار علیہم السلام کی جنس نور ہے اور فصل ممیز قرآن ناطق ہے۔ قرآن ناطق حیوان ناطق میں کیسے ہوسکتا ہے۔

ان عبارات میں اراکین ادارہ الانوار نے اپنے خیال میں یہ سمجھا ہے کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام کیلئے حیوان کا معنی ثابت کرنا یہ انکی شان کے خلاف ہے۔ شاید انکو یہ معلوم نہیں کہ لفظ "حیوان" سے اصطلاح منطق میں کونسا معنی مراد ہوتا ہے۔ اور اگر معلوم ہے تو پھر وہ عامۃ الناس کو دانستہ طور پر مغالطہ دے کر گمراہ کرنے کی ناکام کوشش کررہے ہیں۔

اصطلاح منطق میں حیوان سے مراد ہر وہ مخلوق ہوتی ہے جو زندگی رکھنے والی ہو۔ اور یہی معنی اہل عرب کی لغت میں بھی مراد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو مشہور کتاب لغت عرب المنجد لکھتے ہیں۔ " الحیوان کل ما فیه حیاة نا طقا کا ن او غیر نا طق " کہ حیوان ہر اس شئے کو کہا جاتا ہے جو زندگی رکھنے والی ہو خواہ ناطق ہو یا غیر ناطق۔ اور اسمیں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام میں سے ہر ایک اپنی پاکیزہ زندگی رکھنے والی شخصیت تھی۔ اور ان میں سے ہر ایک نے اپنی زندگی کے بعد موت کا ذائقہ چکھ کر دنیا سے کوچ کیا۔ اور چہاردہ معصومینؑ میں سے ہر ایک کو شہادت کا مرتبہ حاصل ہوا۔ اکثر زہر

کے ذریعے اور بعض تلوار اور اسکی مثل سے شہید ہوئے۔ لہٰذا حیوان بمعنی ذوالحیاۃ کا ان پر اطلاق ہرگز کسی قباحت کا موجب نہیں۔

حیوان کا وہ معنی جو ہمارے عرف میں لیا جاتا ہے یعنی بے عقل جانور جیسے گھوڑا، بیل، گدھا وغیرہ تو یہ معنی یہاں ہرگز مراد نہیں لیا جاتا۔ اور یہ ایسا واضح معاملہ ہے کہ علم سے ذرا بھر مس رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا ہے کہ انسان کی تعریف جب حیوان ناطق کے الفاظ سے کی جاتی ہے تو وہاں یہ عرفی معنی مراد نہیں لیا جاتا۔ بلکہ اس سے مراد زندگی رکھنے والا عقلمند ہوتا ہے۔

پھر یہ دعویٰ کہ آئمہ اور انبیاء علیہم السلام کی جنس نور ہے یہ بھی ان صاحبان کی جہالت کا آئینہ بردار ہے۔ کیونکہ سابقاً وضاحت ہو چکی ہے کہ انبیاء وآئمہؑ پر نور کو جب اطلاق کیا جاتا ہے تو نور کا حقیقی معنی یعنی روشنی مراد نہیں لیا جاتا۔ کیونکہ روشنی ایک بے شعور اور بے عقل چیز ہے۔ اسے زندگی کا وصف حاصل نہیں۔ لہٰذا نور کا انبیاء اور آئمہؑ پر اطلاق نور کے مجازی معنی کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ نور بمعنی روشنی نہیں بلکہ وہ نور علم ہیں نور معرفت ہیں۔ نور ہدایت اور رشد ہیں، نور کمال ہیں۔

اور صاحبان علم جانتے ہیں کہ کسی چیز کی تعریف کرتے وقت اسکی جنس و فصل جن الفاظ سے تعبیر کی جاتی ہے انکے معانی مجازیہ نہیں بلکہ معنی حقیقیہ مراد ہوتے ہیں۔ لہٰذا نور کو آئمہؑ کی جنس قرار دینا یہ جہالت کے علاوہ کچھ نہیں۔ علیٰ ہٰذا القیاس قرآن ناطق کو فصل ممیز قرار دینا بھی درست نہیں۔ کیونکہ لفظ قرآن کا اطلاق بھی آئمہ علیہم السلام پر قرآن کے حقیقی معنی کے اعتبار سے نہیں مجازی معنی کے اعتبار سے ہے۔ لہٰذ بے شک انبیاء وآئمہ علیہم السلام کو نور بھی کہا جا سکتا ہے، قرآن ناطق بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن اس سے انکی حقیقت نوعیہ کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ انکی حقیقت نوعیہ کی تعریف ان ہی الفاظ سے ہو گی جن سے دیگر تمام انسانوں کی ہوتی ہے۔ یعنی حیوان ناطق اور اس سے چیں بہ جبیں وہی ہو سکتا ہے جو جاہل ہو۔

چہاردہ معصومینؑ ہدایت خلق کیلئے دنیا میں جسم اصلی کے ساتھ تشریف لائے تھے

رسالہ نور یا خاک صفحہ نمبر۹ پر تحریر ہے نویں دلیل:۔ چہاردہ معصومینؑ اجسام مثالیہ کے حامل ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انسان کی ہدایت کیلئے انسانوں کے درمیان کسی جسم مثالی میں تشریف لائے ہوں۔ اور انکا حقیقی جسم وہی ہو جس میں آپ نے اعلان فرمایا کہ میں اسوقت بھی نبی تھا جبکہ آدمؑ ابھی مٹی اور پانی میں تھے۔ (انتہی)

ادارہ الانوار کے اراکین اور انکے رہنماؤں کی یہ دلیل بھی بداہتہً باطل ہے ۔کیونکہ چہاردہ معصومین علیہم السلام جس جسم کے ساتھ دنیا میں تشریف لائے تھے وہ جسم اصلی تھا نہ جسم مثالی۔ اسلئے کہ جسم مثالی تو ایسا لطیف ہوتا ہے کہ وہ عام لوگوں کو عمومی حالات میں دکھائی نہیں دیتا۔ دنیا میں اسکا دکھائی دینا تو اعجاز کی نوعیت رکھتا ہے۔ حالانکہ آئمہ علیہم السلام جن اجسام مطہرہ کے ساتھ دنیا میں تشریف لائے تھے وہ ہر شخص کو دکھائی دیتے ہیں۔ لہٰذا انکے یہ اجسام مثالی نہیں اصلی تھے۔ ان ہی اجسام پر انکا بچپن بھی تھا۔ جوانی بھی آئی، بڑھاپا بھی آیا، انکے ان اجسام نے بالتدریج بچپنے سے جوانی وغیرہ تک نشو ونما پائی۔ ان پر ہی انکو بیماری بھی لاحق ہوتی تھی، تندرستی بھی آتی تھی، انکے لحاظ سے انکو بھوک ، پیاس بھی لاحق ہوتی تھی۔ کھاتے بھی تھے، پیتے بھی تھے، انکے ان اجسام مقدسہ پر ظلم کے پہاڑ بھی ڈھائے گئے۔ ان ہی اجسام کے لحاظ سے انکو تکالیف اور صدمات میں بھی مبتلا کیا گیا۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا وہ جسم حقیقی اصلی ہی تھا جسے میدان کربلا میں تین دن بھوکا اور پیاسا رکھا گیا۔ جسے تلواروں، نیزوں، تیروں، لاٹھیوں اور پتھروں کا نشانہ بنایا گیا۔ آپکا یقیناً

وہ جسم اصلی ہی تھا جو ظالموں کے ظلم کے باعث اپنے خون سے سرتاپا رنگین ہو گیا تھا۔ حضورؑ کا وہ جسم اصلی ہی تھا۔ شمر ملعون نے جس کے سر اقدس کو تیغ جفا کے ذریعہ بدن مبارک سے قطع کیا۔ نوک نیزہ پر سوار کیا۔ کربلا سے کوفہ ابن زیاد بدنہاد کے دربار میں پہنچایا گیا۔ پھر کوفہ سے شام تک یزید ملعون کے دربار میں پہنچایا گیا۔ اور بدن مبارک کو کربلا میں گھوڑوں سے پامال کیا۔ اور کربلا میں وہی جسم اصلی ہی مدفون ہوا جسکے روضہ پاک کی زیارت باعث ثواب عظیم ہے۔ حضرت امام زین العابدین سید ساجدین علیہ السلام کا یقیناً وہ جسم اصلی ہی تھا جسے میدان کربلا میں بیماری کا عارضہ لاحق تھا۔ پھر ظالموں نے آپکے گلے میں طوق، ہاتھوں میں زنجیر، پاؤں میں بیڑیاں ڈالیں، کبھی رسیوں سے باندھا۔ ہر امام کے حالات ایسے ہی ہیں۔ تفصیل باعث تطویل ہے۔ بہرحال ایک عقلمند اس میں ذرہ بھر شبہ نہیں کرسکتا کہ یہ سارے مصائب آئمہؑ کے اجسام اصلیہ پر واقع ہوتے رہے جو اجسام ہر شخص کو دکھائی دیتے تھے۔ اجسام مثالیہ تو جب دکھائی نہیں دیتے تو پھر ظالم انکو تلواریں، نیزے، تیر وغیرہ کیسے مار سکتے تھے۔ یہ تو ہم کہ یہ سارے مظالم آئمہؑ کے اجسام اصلیہ پر نہیں تھے وہ شخص کہہ سکتا ہے جسکی عقل پر پردے پڑے ہوں۔ اور یہ ادارہ الانوار اور انکے رہنماؤں کا ہی حصہ ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ چہاردہ معصومینؑ دنیا میں بھی اپنے اجسام مثالیہ کا مظاہرہ بطور اعجاز کرسکتے ہیں۔ لیکن یہ امر بدیہی ہے کہ آئمہ علیہم السلام اس دنیا میں دوسرے انسانوں کی طرح اجسام اصلیہ حقیقیہ کے ساتھ ہی تشریف لائے تھے۔ اور اسی وجہ سے انکے جدامجد نے بھی اور سابقہ انبیاء نے بھی بزبان قرآن بارہا فرمایا۔ کہ ﴿ اَنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ کہ ہم تمہاری ہی مثل انسان ہیں۔ آیات اور احادیث تفصیلاً پہلے گزر چکی ہیں۔ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام نے دنیا میں اپنے اجسام اصلیہ کے ساتھ ہی نکاح بھی کئے۔ انکی اولادیں بھی ہوئیں جو آج تک دنیا میں موجود ہیں۔ کوئی ذی شعور اس میں شبہ نہیں کرسکتا اور دین حق میں ان توہمات کی کوئی گنجائش نہیں۔

فضیلت کا اختلاف نوع کے اختلاف کی دلیل نہیں ہوسکتا

''رسالہ نور یا خاک'' صفحہ نمبر ۹ پر تحریر ہے دسویں دلیل:۔ امام علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنے نور عظمت سے ہمیں پیدا کیا۔ پھر ہماری صورتیں عرش کے نیچے مخزون و مکنون طینت سے بنائیں اور اس نور کو ان صورتوں میں جگہ دی۔ پس ہم نوری مخلوق اور نوری بشر ہیں۔ خداوند کریم نے جس سے ہمیں خلق فرمایا ہے۔ اس سے کسی غیر کو حصہ نہیں دیا۔ بحار الانوار: ج ۷: ص ۲۵۲۔ اصول کافی وغیرہ اس حدیث پاک سے قطعی طور پر واضح ہوگیا کہ نہ یہ کسی دیگر جنس یا نوع میں شامل ہیں اور نہ کوئی دیگر جنس یا نوع ان میں شامل ہے۔ (انتھی)

ادارہ الانوار والوں کی یہ دلیل بھی باطل ہے۔ اولاً اسلئے کہ یہ حدیث جسکا حوالہ دیا گیا ہے یہ سنداً مجہول ہے۔ دیکھو مرآۃ العقول: جلد نمبر ۱: ص ۲۹۲ اور ظاہر ہے کہ مجہول حدیث پر کسی عقیدہ کی بنیاد قائم نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ مجہول حدیث سے ظن کا فائدہ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ چہ جائیکہ یقین حاصل ہو۔

ثانیاً اسلئے کہ اس حدیث کا تعلق عالم ارواح کی خلقت سے ہے۔ عالم اجسام کی خلقت سے نہیں۔ حالانکہ اہل منطق کی اصطلاحات عالم اجسام کے اعتبار سے قائم کی گئی ہیں۔ عالم ارواح کے اعتبار سے نہیں۔ کیونکہ انکی بحث مثلاً انسان کے ان افراد سے متعلق ہوگی۔ جن کو عالم اجسام میں انسان کہا جاتا ہے کہ آیا انسان اپنے ان افراد کیلئے نوع ہے یا جنس یا فصل یا خاصہ یا عرض عام ہے۔ اور سابقاً انتہائی وضاحت سے ثابت کیا جاچکا ہے کہ چہاردہ معصومین علیہم السلام خود انکے اپنے ارشادات کے لحاظ سے بھی اور قرآن پاک کے اور محاورات اہل لغت کے اعتبار سے بھی انسان کا مصداق ہیں۔ اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ انسان اپنے سارے افراد کیلئے نوع ہے۔ انکی جنس یا فصل یا خاصہ یا عرض عام نہیں۔ اسلئے

چہاردہ معصومینؑ کیلئے بھی انسان نوع ہے جنس نہیں۔ اور نہ ہی انکی فصل ہے اور نہ خاصہ اور نہ عرض عام۔

ثالثاً اسلئے کہ مدار اس پر ہے کہ لفظ انسان اپنے ان تمام افراد کیلئے نوع ہے جن پر وہ اپنے حقیقی معنی کے لحاظ سے صادق آتا ہے۔ اس پر مدار نہیں ہے کہ اسکے سارے افراد ایک ہی چیز سے پیدا ہوں۔ بلکہ مختلف چیزوں سے پیدا ہونے کے باوجود انسان اپنے سارے افراد کی نوع ہے۔ چنانچہ حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا شدہ انسان تھے اور انکی دیگر اولاد اپنے والدین کے نطفہ سے پیدا شدہ انسان تھے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف اپنی والدہ کے بطن سے بذریعہ نفخ روح پیدا ہونے والے انسان تھے۔ مگر اس اختلاف کے باوجود لفظ انسان اصطلاح منطق کے لحاظ سے ان سب کیلئے نوع قرار پائی ہے۔ لہٰذا لفظ انسان چہاردہ معصومینؑ کیلئے بھی نوع ہے۔ خواہ انکے ارواح مبارکہ کو اللہ تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی ایک ایسی باعظمت مخلوق سے پیدا کیا گیا جسے احادیث میں نور سے تعبیر کیا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ حدیث ہذا کے جملہ مبارکہ " ان اللّٰہ خلقنا من نو رعظمته " میں ضمیر جمع متکلم سے مراد چہاردہ معصومینؑ ہیں اور انکی تخلیق سے مراد انکے ارواح مقدسہ کی تخلیق ہے۔ ملاحظہ ہو مرآۃ العقول: جلد نمبر ۱: ص ۲۹۲ پر لکھتے ہیں " ان اللّٰــہ خلقنا ای ارواحنا و الضمیر لمحمد و اوصیا ئه صلوات اللّٰہ علیهم "

رابعاً اسلئے کہ اگر اراکین ادارہ الانوار اور انکے رہنماؤں کی تھیوری کو تسلیم کیا جائے تو لازم آتا ہے کہ نہ صرف چہاردہ معصوین علیہم السلام کی نوع الگ ہو۔ بلکہ شیعہ اور دیگر انبیاء کی نوع الگ ہو اور غیر شیعہ کی نوع الگ ہو۔ کیونکہ اسی حدیث کا تتمہ یہ ہے جسکا ترجمہ اراکین ادارہ الانوار نے تحریر نہیں کیا۔

وخلق ارواح شیعتنا من طینتنا و ابدانهم من طینة مخزونة مکنونة اسفل من ذلك الطینة ولم یجعل اللّٰہ لا حد فی مثل الذی خلقهم منه نصیبا الا للانبیاء

ولذلك صرنا نحن وهم الناس وسائر الناس همج للنار وألى النار ۔ اصول الکافی: جلد نمبر۲،ص ۴۰۳ طبع جدید تہران۔ "باب خلق أبدان الائمة وارواحهم وقلوبهم علیهم السلام" حدیث نمبر۲۔ مراۃ العقول: جلد نمبر۱،ص ۳۹۲۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری شیعہ کے ارواح کو ہماری طینت سے پیدا کیا۔ اور شیعہ کے بدنوں کو اس طینت سے پیدا کیا جو تحت عرش پروردگار مخزونہ اور مکنونہ تھی۔ مگر چہاردہ معصومینؑ کی طینت سے پست مرتبہ کی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جس چیز سے ہمارے شیعہ اور انبیاء کو پیدا فرمایا اس سے کسی اور کو کوئی حصہ عطا نہیں کیا۔ اور اسی وجہ سے ہم اور ہمارے شیعہ اور انبیاء کامل انسان ہیں۔ اور باقی تمام انسان جہنم کی مکھیاں ہیں جن کا انجام عذاب جہنم ہوگا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ حدیث مذکورہ میں انسانوں کے تین درجے مقرر کئے گئے ہیں۔ ایک سب سے اعلیٰ اور وہ چہاردہ معصومین علیہم السلام ہیں۔ دوسرا چہاردہ معصومین علیہم السلام سے پست مگر وہ بھی صاحب کمال اور وہ ہیں شیعہ اور انبیاء ماسبق۔ اور تیسرا درجہ شیعہ اور انبیاء کے علاوہ باقی لوگ اور یہ تیسرا درجہ اہل جہنم ہیں۔

لہٰذا اگر ادارہ الانوار والوں کا نظریہ تسلیم کرلیا جائے اور مدارج کے اختلاف کو اختلاف نوع کی بنیاد قرار دیا جائے تو لازم آئیگا کہ چہاردہ معصومینؑ کی نوع الگ ہو۔ اور شیعہ اور انبیاء کی نوع الگ ہو۔ اور انکے علاوہ دیگر انسانوں کی نوع الگ ہو۔ بلکہ اگر اس حدیث کے ساتھ اختلاف مدارج پر دلالت کرنے والی آیات اور دوسری احادیث کو شامل کرلیا جائے تو پھر افراد انسان کے انواع کی تعداد شماری ہی خرط القتاد کی مانند دشوار ہوجائے گی۔ اسلئے تمام انبیاء کا درجہ مساوی نہیں۔ بلکہ فرمان ربی ہے ﴿تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ کہ ان رسولوں میں بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی۔ (سورۃ البقرہ۲۔ آیت نمبر۲۵۳۔) نیز فرمایا ﴿وَفَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى﴾ کہ بعض انبیاء کو ہم نے بعض پر

فضیلت دی ہے۔ نیز علماء اور غیر علماء کا درجہ برابر نہیں۔ ارشاد قدرت ہے۔

﴿ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ کہ کیا عالم اور غیر عالم برابر ہو سکتے ہیں۔ اولی العزم انبیاء کو غیر اولی العزم انبیاء پر فضیلت حاصل ہے۔ پھر اولی العزم میں سے آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر اولی العزم انبیاء پر فضیلت حاصل ہے بلکہ آنحضرت کو جناب امیر المومنینؑ اور انکے فرزندان معصومینؑ پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ اور جناب امیر علیہ السلام کو پھر دیگر تمام انبیاء اور ائمہؑ پر فضیلت حاصل ہے۔ نیز قدرت نے فرمایا:

﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ﴾ کہ اندھا اور بینا برابر نہیں ہیں۔ لہٰذا اگر فضیلت کے اختلاف کو مدار اختلافِ انواع قرار دیا گیا تو پھر لازم آئیگا کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوع الگ ہو۔ جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی نوع الگ ہو۔ جناب امام حسن علیہ السلام کی نوع الگ ہو، حضرت امام حسین علیہ السلام کی نوع الگ ہو۔ حضرت صاحب الامر علیہ السلام کی نوع الگ ہو۔ دیگر آئمہؑ کی نوع الگ ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الگ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی الگ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت نوحؑ کی الگ۔ ہر عالم کی الگ، اسکے مقابلہ کے غیر عالم کی الگ۔ اندھے کی الگ، بینا کی الگ، بہادر کی الگ، بزدل کی الگ، سخی کی الگ۔ غرض اس قدر دائرہ انواع وسیع ہو جائیگا کہ شمار میں نہیں آ سکے گا۔ اور یہ جس طرح کہ عقلاً باطل ہے اسی طرح ازروئے قرآن کریم واحادیث معصومینؑ بھی باطل ہے۔ کیونکہ اگر آنحضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نوع الگ ہو تو پھر انکو انسانوں میں کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو لوگوں میں سے شمار کیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

﴿ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ ﴾

کہ کیا لوگوں کو اسلئے تعجب لاحق ہو گیا کہ ہم نے ان میں سے ہی ایک مرد کی طرف اپنی نبوت کی وحی کر دی۔ (پ ۱۱۔ آیت نمبر ۲)

"منهم" کی ضمیر کا مرجع "الناس" ہے اور الناس کا معنی ہے انسان۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ آنحضرت انسانوں میں سے ہیں۔ اور لفظ "الناس" سے مراد بھی یہاں وہ انسان ہیں جو کافر تھے۔ کیونکہ اسکے بعد ہی قدرت نے فرمایا۔ ﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ﴾ کہ ان کافروں نے کہا کہ یہ "یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" معاذ اللہ کھلا ہوا جادوگر ہے۔

نیز ارشاد پروردگار ہوا۔ ﴿بَلْ عَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِيْبٌ﴾ (سورۃ ق۔ آیت نمبر۲)

بلکہ انکو اس وجہ سے تعجب لاحق ہو گیا کہ انکے پاس "اللہ کی جانب سے ڈرانے والا" "نبی" ان میں سے ہی "ایک انسان" آ گیا تو ان کافروں نے کہا کہ یہ عجیب چیز ہے۔ نیز ارشاد ربی ہے۔

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان کیا کہ ان میں ایسا رسول مبعوث کیا جو انکے ہی نفوس میں سے ہے۔

نیز قدرت کا فرمان ہے۔ ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ﴾

"کہ اے لوگو" بے شک تمہاری طرف ایسا رسول آیا ہے جو تمہارے ہی نفسوں میں سے ہے۔

اس مضمون کی آیات واحادیث سابقاً بکثرت بیان ہو چکی ہیں۔ مقصد اینکہ کہ مادہ تخلیق وغیرہ کی فضیلت کو اگر اختلاف نوع کا مبنیٰ قرار دیا جائے تو نہ صرف عقل سلیم کی مخالفت لازم آتی ہے۔ بلکہ قرآن کریم اور تعلیمات معصومینؑ کی مخالفت بھی لازم آتی ہے۔ لہٰذا ادارہ الانوار والوں نے حدیث زیر کلام سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ باطل ہے۔

خامسا یہ استدلال اسلئے باطل ہے کہ اسی حدیث میں یہ الفاظ موجود ہیں "ولذلك صرنا نحن وهم الناس و سائر الناس همج للنار الخ" خود حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے لئے بھی اور شیعہ اور انبیاء کیلئے بھی لفظ "الناس" استعمال فرمایا۔ اور الناس کا معنی ہے لوگ یعنی

انسان۔ یعنی ہمارے شیعہ اور انبیاء کامل انسان ہیں اور دیگر انسان آتش جہنم میں جلنے والی مکھیاں ہیں۔" لہٰذا اسی حدیث سے ثابت ہورہا ہے کہ انبیاء وآئمہؑ بھی اور شیعہ اور غیر شیعہ سب انسان ہیں۔ کیونکہ سب کیلئے الناس کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ باوجود یکہ چہاردہ معصومینؑ کے ارواح جس چیز سے پیدا ہوئے اسکا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے نور عظمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور آئمہ علیہم السلام کے اجسام مثالیہ کو اور شیعہ و انبیاء کے ارواح کو جس چیز سے پیدا کیا اسکا مرتبہ بھی بلند ہے۔ کیونکہ اسے " طینة مخزونة مکنونة من تحت العرش " کے الفاظ سے تعبیر کیا۔ اور مومنین کے اجسام مثالیہ کو جس چیز سے پیدا کیا اسکا مرتبہ بھی اچھا ہے کیونکہ اسے "طینة مخزونة مکنونة " کے الفاظ سے ہی تعبیر فرمایا۔ لیکن سابق طینت سے اسکی شان کم فرمائی۔ اور اس حدیث میں کفار کے ارواح اور ابدان کے متعلق نہیں فرمایا کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوئے۔ لیکن چہادہ معصومینؑ کیلئے بھی اور انبیاء اور شیعہ کیلئے بھی اور کفار کیلئے بھی لفظ " النـاس " ہی استعمال کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ عالم ارواح میں مادہ تخلیق کے جزوی طور پر مختلف ہونے کے باوجود چہاردہ معصومینؑ بھی اور دیگر تمام لوگ بھی خواہ وہ انبیاء تھے یا غیر انبیاء۔ اور خواہ وہ شیعہ تھے یا غیر شیعہ کفار وغیرہ سب کے سب لفظ انسان کے مصداق ہیں۔ اور سب کی نوع ایک ہے۔ البتہ شان میں بھی فرق ہے اور آخرت کے ثواب وعقاب میں بھی فرق ہے۔

یہی وہ مضمون ہے جو دیگر تمام آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ جیسے کہ قدرت نے فرمایا! ﴿ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ کہ عصر کی قسم بے شک ہر انسان نقصان میں ہے۔ سوائے انکے جنہوں نے ایمان کو اختیار کیا۔ اور سب عمل صالح کئے۔

اس آیت میں نقصان سے محفوظ رہنے والوں کو بھی انسان کہا۔ اور وہ ہیں انبیاء وآئمہ علیہم السلام اور انکے شیعہ اور نقصان اٹھانے والوں کو بھی انسان کہا۔ اور وہ ہیں کفار، مشرکین، منافقین اور فاسقین۔

تعجب خیز

ادارہ الانوار والے حضرات نے حدیث مذکور کے ترجمے کو ادا کرتے وقت حدیث کے ان الفاظ کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چہاردہ معصومینؑ بھی اور انبیاء ماسبق اور شیعہ بھی اور غیر شیعہ بھی سب انسان ہیں۔ نیز وہ حصہ بھی چھوڑ دیا ہے جس سے یہ اعتراض لازم آتا ہے کہ اگر چہاردہ معصومینؑ کی نوع الگ تسلیم کی جائے تو پھر انواع انسان کی وسعت کا دائرہ اس حد تک پہنچ جائے گا کہ ان کا شمار دشوار ہو جائے گا۔ اور انسان ایک نوع نہ ہو گی بے شمار نوعیں ہو جائیں گی۔

اب اراکین ادارہ خود ہی بتا سکتے ہیں کہ آیا انہوں نے یہ دانستہ اقدام کیا ہے یا کوئی اور وجہ ہے؟

ہر انسان روح انسانی اور جسم خاکی سے نہیں بنا، یہ شان صرف حضرت آدمؑ کی ہے ارواح انبیاء و آئمہؑ ارواح انسانی ہیں

رسالہ نور یا خاک صفحہ نمبر ۷ پر تحریر ہے تیسری دلیل:۔ انسان دو چیزوں سے ملکر بنا ہے۔ پہلی روح انسانی، دوسرا جسم خاکی، انبیاء اور آئمہؑ بھی دو چیزوں سے مل کر بنے ہیں۔ پہلی روح نبوتی یا امامتی، دوسرے مشروب عرشی سے ہے۔ آگے چل کر لکھتے ہیں ”نہ روح یکساں نہ جسم۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ انوار نوع از ان سے نہیں۔

یہ دلیل بھی متعدد اغلاط پر مشتمل ہے۔ اوّل اینکہ ہر انسان روح انسانی اور جسم خاکی سے مل کر نہیں بنا۔ کیونکہ سوائے حضرت آدمؑ کے ہر شخص اپنے والدین کے نطفے سے پیدا ہوا۔ جیسے کہ قدرت کا ارشاد ہے۔ ﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ﴾ کہ ہم نے ہر انسان کو ”اسکے والدین“ کے مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس

سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انکو صرف بطن مادر سے پیدا کیا۔ آپکا کوئی والد نہ تھا۔ جبرئیل امینؑ نے حضرت مریم کے بطن مبارک میں نفخ روح بقدرت خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ لہٰذا یہ کہنا درست نہیں کہ ہر انسان روح انسانی اور جسم خاکی سے مل کر بنا ہے۔

نیز یہ بھی درست نہیں کہ انبیاء اور آئمہؑ بھی دو چیزوں سے مل کر بنے ہیں۔ ایک روح نبوتی یا امامتی اور دوسرے جسم جو مشروب عرشی سے بنے۔ کیونکہ حضرت آدمؑ پہلے نبی تھے جن کا بدن مبارک مٹی سے پیدا ہوا اور ساتھ ہی وہ انسان تھے۔ آیات واحادیث جن سے انکی انسانیت اور مٹی سے پیدا ہونا ثابت ہے۔ وہ سابقاً بیان ہو چکیں۔ لہٰذا از روئے قرآن پاک وتعلیمات آئمہ ہدیٰ علیہم السلام حقیقتاً جسم خاکی حضرت آدمؑ کا تھا انکی اولاد کو مجازاً خاکی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ سابقاً اسکی وضاحت ہو چکی۔

اور پھر ساتھ ہی حضرت آدمؑ کے جسم مبارک کے تیار ہونے میں مشروب عرشی کو بھی دخل تھا۔ کیونکہ اس سے جسم حضرت آدمؑ کی مٹی کو بھگونے میں مدد لی گئی۔ حدیث سابقاً گزر چکی ہے۔ لہٰذا حضرت آدمؑ نبی بھی تھے، انسان بھی تھے، جسم خاکی بھی رکھتے تھے، مشروب عرشی کو بھی انکے جسم کے تیار ہونے میں دخل تھا اور پھر ساتھ ہی وہ نوری بھی تھے۔

روح امامتی اور نبوتی کا جو تذکرہ کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ تاثر دیا گیا ہے کہ وہ روح انسانی نہیں ہوتی یہ غلط ہے۔ کیونکہ کسی آیت یا حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام کی ارواح انسانی روحیں نہیں ہوتیں۔ یہ ادارہ الانوار اور انکے پیشواؤں کا من گھڑت مزعومہ ہے۔ انبیاء اور آئمہ علیہم السلام کی ارواح انسانی ارواح ہی میں سے ہوتی ہیں۔ لیکن انکی ارواح میں وہ استعدادات موجود ہوتی ہیں جن کے باعث وہ حامل نبوت، رسالت اور امامت ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا روح نبوتی اور روح امامتی سے ایسی ارواح مراد لینا جو انسانی نوع سے نہ ہوں غلط ہے۔ کیونکہ اگر وہ انسانی روحیں نہ ہوتیں تو جب انکو ان کے

اجسام مبارکہ اصلیہ میں داخل کیا گیا تو پھر ان کو انسان نہ کہا جاتا حالانکہ ایسا نہیں۔ کیونکہ بے شمار آیات واحادیث میں انکو انسان کہا گیا ہے جن کا ایک حصہ سابقاً گزر چکا ہے۔لہٰذا انبیاء وآئمہ علیہم السلام کی ارواح مبارکہ کو انسانی ارواح سے خارج سمجھنا یہ قرآن وحدیث کی مخالفت ہے۔ جسے قبول کرنے کیلئے ایک صاحب ایمان تیار نہیں ہوسکتا۔

حق یہ ہے کہ انبیاء وآئمہ علیہم السلام بھی نوع انسان کے ہی افراد ہیں۔لیکن انکی ارواح مبارکہ دیگر انسانوں کی ارواح سے افضل ہیں۔اور انکے اجسام مقدسہ دیگر انسانوں کے اجسام سے افضل ہیں۔اور انکے کمالات دیگر انسانوں کے کمالات سے زیادہ اور عظیم الشان ہیں۔عالم ارواح اور عالم اجسام ہر دو کے لحاظ سے انکو غیر انبیاء وغیر آئمہ پر فضیلت حاصل ہے۔اور انکو آپس میں بھی تفاضل حاصل ہے۔لہٰذا انبیاء وآئمہ علیہم السلام اور قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا شخص انکو نوع انسان سے خارج نہیں کرسکتا۔

هذا آخر ما اردناه من البیان فی الرسالة المسماة "نوری انسان" تبصرة علی الرسالة المعنونة "بنور یا خاك" من جانب ادارة الانوار وانا العبد الاثیم الراجی ألی رحمة ربه الکریم الغفور الرحیم

السید النقوی البخاری گلاب علی شاه

المعروف بگلاب شاه عفی عن مآثمه وزلاته الله العزیز الباری جلت عظمته الساکن بالقریة المسماة بسوره میانی المعروف شیعه میانی من ملحقات البلدة ملتان من بلاد باکستان۔

۸۔ مارچ ۱۹۷۶ء ربیع الاوّل ۱۳۹۶ھ